ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برہان

مرتبہ
سعید احمد اکبرآبادی

مطبوعات ندوۃ المصنفین دہلی

۱۹۳۹ء اسلام میں غلامی کی حقیقت ۔ اسلام کا اقتصادی نظام ۔ قانونِ شریعت کے نفاذ کا مسئلہ ۔
تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام ۔ سوشلزم کی بنیادی حقیقت ۔

۱۹۴۰ء غلامانِ اسلام ۔ اخلاق وفلسفۂ اخلاق ۔ فہم قرآن ۔ تاریخ ملت حصہ اول "نبی عربی صلعم" ۔ صراطِ مستقیم (انگریزی)

۱۹۴۱ء قصص القرآن جلد اول ۔ وحی الٰہی ۔ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات حصہ اول ۔

۱۹۴۲ء قصص القرآن جلد دوم ۔ اسلام کا اقتصادی نظام (طبع دوم بڑی تقطیع مع ضروری اضافات)
مسلمانوں کا عروج وزوال ۔ تاریخ ملت حصہ دوم "خلافتِ راشدہ" ۔

۱۹۴۳ء مکمل لغات القرآن مع فہرستِ الفاظ جلد اول ۔ اسلام کا نظامِ حکومت ۔ بطریہ ۔ تاریخ ملت حصہ سوم "خلافتِ بنی امیہ"

۱۹۴۴ء قصص القرآن جلد سوم ۔ لغات القرآن جلد دوم ۔ مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت (کامل)

۱۹۴۵ء قصص القرآن جلد چہارم ۔ قرآن اور تصوف ۔ اسلام کا اقتصادی نظام (طبع سوم جس میں غیر معمولی اضافے کیے گئے)

۱۹۴۶ء ترجمان السنۃ جلد اول ۔ خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ ۔ جمہوریہ یوگوسلاویہ اور مارشل ٹیٹو ۔

۱۹۴۷ء مسلمانوں کا نظمِ مملکت ۔ مسلمانوں کا عروج وزوال (طبع دوم جس میں سیکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے
اور متعدد ابواب بڑھائے گئے ہیں) لغات القرآن جلد سوم ۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ ۔

۱۹۴۸ء ترجمان السنۃ جلد دوم ۔ تاریخ ملت حصہ چہارم "خلافتِ ہسپانیہ" تاریخ ملت حصہ پنجم "خلافتِ عباسیہ اول"

۱۹۴۹ء قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات (دکھائے اسلام کے شاندار کارنامے (کامل)
تاریخ ملت حصہ ششم "خلافتِ عباسیہ دوم" بصائر ۔

۱۹۵۰ء تاریخ ملت حصہ ہفتم "تاریخِ مصر ومغربِ اقصیٰ" تدوینِ قرآن ۔ اسلام کا نظامِ مساجد ۔
اشاعتِ اسلام، یعنی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا ۔

۱۹۵۱ء لغات القرآن جلد چہارم ۔ عرب اور اسلام ۔ تاریخ ملت حصہ ہشتم "خلافتِ عثمانیہ" جارج برنارڈ شا ۔

۱۹۵۲ء تاریخ اسلام پر ایک طائرانہ نظر ۔ فلسفہ کیا ہے؟ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد اول (جس کو
از سرِ نو مرتب اور سیکڑوں صفحوں کا اضافہ کیا گیا ہے ۔ کتابتِ حدیث ۔

۱۹۵۳ء تاریخ مشائخ چشت ۔ قرآن اور تعمیرِ سیرت ۔ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ ۔

برہان

جلد ۸۰	صفر المظفر ۱۳۹۸ھ مطابق جنوری ۱۹۷۸ء	شمارہ ۱

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

جشن دار العلوم ندوۃ العلماء (نومبر ۷۵ء) کے بعد ندوۃ العلماء کی مجلس منتظمہ کے جلسہ میں شرکت کی غرض سے گذشتہ ماہ دسمبر کی ۲۵ تاریخ کو پہلی مرتبہ راقم الحروف بمعیت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی لکھنؤ گیا تو یہ دیکھکر بڑی مسرت ہوئی کہ ندوہ ہر شعبہ میں بڑی تیزی سے ترقی کر رہا ہے، پہلے جو عمارتیں نامکمل تھیں اب وہ مکمل ہو گئی ہیں اور ساتھ ہی نئی عمارتیں بنی ہیں۔ جن میں ایک ہوسٹل اور مہمان خانہ کی توسیع شامل ہے۔ اساتذہ کے لئے مکانات اور ایک اور ہوسٹل زیر تعمیر ہیں۔ لائبریری کی عظیم الشان بلڈنگ کا کام شروع ہونے والا ہے۔ طلبا کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے، اون کا طعام مطبخ اونچا ہوگیا ہے۔ اساتذہ اور کارکنوں کی تنخواہیں بڑھی ہیں، تجوید و حفظ قرآن کا مستقل شعبہ بڑے پیمانہ پر قائم ہوا ہے۔ تعلیمی اعتبار سے عرب ممالک میں خصوصاً اور دوسرے اسلامی اور غیر مسلم ممالک میں عموماً ندوہ کا وقار و اعتبار پہلے سے کہیں زیادہ ہو گیا ہے، تصنیف و تالیف کا شعبہ بھی ترقی پذیر ہے۔ وہاں کی کتابوں اور مجلات اور رسائل کی اشاعت دوچند بلکہ سہ چند ہو گئی ہے۔ ان سب چیزوں کا اندازہ سالانہ بجٹ کے دیکھنے اور مولانا ابوالحسن علی میاں ناظم ندوہ کی رپورٹ سننے سے ہوا، کسی تعلیمی درس گاہ کی ترقی کا دارومدار دو چیزوں پر ہوتا ہے ایک لائق و قابل اور ساتھ ہی مخلص اور محنتی اساتذہ اور کارکن اور دوسرے سرمایہ اور خدا کے فضل و کرم سے اب ندوہ میں ان دونوں میں سے کسی ایک چیز کی بھی کمی نہیں۔

یوں تو ہر ادارہ کی بقا اور اوس کی ترقی کا دارومدار اوس کے اعضاء ارکان کے

باہمی اشتراکِ عمل وتعاون اور اون کے حسنِ کارکردگی پر ہوتا ہے، لیکن پھر بھی ادارہ کو ایک قائد اور سربراہ کی ضرورت ہوتی ہے جس کو اپنے رفقا کا اعتماد حاصل ہو اور جو ترقی کے وسائل وذرائع پر اختیار و اقتدار رکھتا ہو۔ اس حیثیت سے جہاں تک ندوہ کا تعلق ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ندوہ کی ان ترقیات میں مولانا سید ابوالحسن علی میاں کی شخصیت اون کے اخلاص وعمل اور اون کی بے لوث زندگی کو بہت بڑا دخل ہے اور ان سب کارناموں کے اصل ہیرو وہی ہیں۔ اون کی ذات ایک نقطۂ اتصال ہے جس کی وجہ سے طلبا، اور اساتذہ میں اور پھر باہم اساتذہ میں بڑا ربط وضبط اور حسنِ عمل کا جذبہ ہے، راقم الحروف کو بارہا ندوہ جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ خود مولانا علی میاں نے طلبا کی طرف سے تقریر کی فرمائش نہ کی ہو۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا صبح کے وقت پہلی ملاقات میں ہی مولانا نے طلبا کو خطاب کرنے کی فرمائش کی اور میں نے حسب معمول اسے منظور کر لیا۔ مغرب کے بعد طلبا کی انجمن الاصلاح کے ماتحت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کی صدارت میں جلسہ ہوا، تمام ہال بھرا ہوا تھا۔ بڑی بات یہ ہے کہ جلسہ میں خود مولانا علی میاں اون کا اسٹاف اور اساتذہ شروع سے آخر تک تشریف فرما رہے اس سے اندازہ ہوگا کہ مولانا اور اساتذہ کو طلبا کی دلجوئی اور اون کی تعلیمی تربیت و اصلاح کا خیال کس درجہ رہتا ہے تلاوت قرآن مجید کے بعد میری تقریر ہوئی۔ جس کا موضوع "مدارس عربیہ کا مقصد ومنہاج تھا۔ اس کے بعد مفتی صاحب نے اپنے انداز میں صدارتی تقریر کی، جلسہ ختم ہوا تو مولانا علی میاں، مولانا سید منت اللہ رحمانی اور دوسرے حضرات نے تقریر کی داد دی اور اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ جلسہ میں طلبا کا نظم ونسق قابل دید تھا۔ جلسہ کے علاوہ یوں بھی طلبا ملاقات کے لئے صبح وشام آتے رہے۔ اون کا علمی وادبی ذوق اور حسن سلیقہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔

نہایت افسوس اور بڑے شرم کی بات ہے کہ ابھی پچھلے دنوں ہمارے ملک میں انگریزی میں دو کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں گاندھی جی، مولانا ابوالکلام آزاد

اور پنڈت جواہرلال نہرو ایسے عظیم قومی رہنماؤں کی نجی زندگی کے بعض کمزور پہلوؤں کی پردہ دری کی
گئی ہے اور خاص طور پر پنڈت جی کے متعلق تو مصنف نے حد درجہ دریدہ دہنی سے کام لیا ہے
کہ ان کے ساتھ اون کے پورے خاندان کو لپیٹ لیا ہے، اس سے بحث نہیں کہ ان کتابوں
میں جو واقعات مذکور ہیں وہ صحیح ہیں یا غلط۔ سوال صرف یہ ہے کہ جو لوگ اب دنیا
میں موجود نہیں ہیں اور وہ ملک و قوم کی مسلمہ عظیم شخصیتیں ہیں اون کی نسبت اس
قسم کے واقعات کی اشاعت کا مقصد کیا ہے۔ اس سے کتاب کی اشاعت اور مصنف
کو مالی منفعت زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن اس کا نہایت شدید نقصان یہ ہوتا ہے کہ
ملک میں اخلاقی انارکی پیدا ہوتی ہے۔ فواحش و منکرات کی برائی دل میں کم ہو جاتی ہے
اور ملک کی بڑی سے بڑی شخصیت کے احترام میں رخنہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ سب
چیزیں وہ ہیں جو ایک قوم کی اخلاقی برتری اور معاشرتی رکھ رکھاؤ کے لیے سم قاتل
کا حکم رکھتی ہیں۔ امریکہ میں اس قسم کی کتابیں عام ہیں؛ وہاں صدر امریکہ روزویلٹ اور
آئزن ہاور کی نسبت خود ان عورتوں نے کتابیں لکھی ہیں جن سے ان کے ناجائز تعلقات
رہے ہیں۔ اور ان میں نہایت بے حیائی سے جنسی افعال و اعمال کی تصویر کشی تک کر دی
گئی ہے۔ تو کیا امریکہ جنسی معاملات میں بے راہ روی اور اخلاقی گراوٹ کی جس سطح پر
اتر آیا ہے۔ یہ مصنفین ہندوستان کو بھی اس سطح پر لانا چاہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی
وہ لوگ ہیں جو قرآن مجید کی اصطلاح میں فواحش و منکرات کی اشاعت کر کے شر و فساد کا بیج
بوتے ہیں، یہ ایک جمہوریت کے ماتحت آزادی تحریر و تقریر کا بہت غلط استعمال ہے
زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ ان کتابوں کی اشاعت اس وقت ہوئی ہے جبکہ ملک
میں جنتا گورنمنٹ کا دور دورہ ہے اس قسم کی کتابوں سے جن میں کانگریس کی اور ملک کی
اہم شخصیتوں کو رسوا کیا گیا ہو جنتا پارٹی کو کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہی پہونچ سکتا ہے۔

اجتہاد کا تاریخی پس منظر

(۳) اجتہاد استصلاحی

(۱۴)

جناب مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

اجتہادِ استصلاحی (جس میں شریعت کی روح اور بندوں کی مصلحت پر مشتمل قاعدہ کلیہ وضع کیا جاتا اور اس سے مسائل کا حل نکالا جاتا ہے) کی تفصیل یہ ہے۔

استصلاح کے لغوی معنی۔ استصلاح کے لغوی معنی مصلحت طلب کرنا ہے۔ شریعت میں امر ونہی کا پیمانہ مصلحت ہے کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس میں طلب مصلحت نہ ہو خواہ براہ راست یا دفعِ مضرت کے ذریعہ کرنے کے حکم میں براہ راست مصلحت حاصل کی جاتی اور ممانعت میں دفع مضرت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔

امر ونہی کا پیمانہ بننے والی مصلحت شریعت میں جو مصلحت امر ونہی کا پیمانہ بنتی ہے اس کی تعریف یہ ہے۔

اما المصلحة فهي عبارة في الاصل عن جلب منفعة او دفع مضرة ولسنا نعني ذلك لكنا نعني بالمصلحة المحافظة على مقصود الشرع ومقصود الشرع من الخلق خمسة وهو ان يحفظ عليهم دينهم ونفسهم وعقلهم ونسلهم ومالهم فكل ما يتضمن

اصل مصلحت نفع حاصل کرنا اور نقصان دور کرنا ہے لیکن اس جگہ وہ نفع حاصل کرنا اور نقصان دور کرنا مراد ہے جس سے شریعت کے مقصد کی حفاظت ہو۔ شریعت کا مقصد جان مال نسل عقل اور دین کی حفاظت ہے۔ جس سے بھی ان پانچوں کی حفاظت ہوگی وہ مصلحت ہے اور

حفظ ہذہ الاصول الخمسۃ فہو مصلحۃ وکل یفوت ہذہ الاصول فہو مفسدۃ ودفعہ مصلحۃ[1] جس سے ان کی حفاظت نہ ہوگی وہ مضرت ہے اس کو دور کرنا مصلحت ہے۔

شریعت نے جس قدر بھی احکام و قوانین مقرر کیئے ہیں خواہ ان کا تعلق کرنے سے ہے یا نہ کرنے سے ہے ان سب کا مقصد جان مال نسل عقل اور دین کی حفاظت ہے۔ ان کی حفاظت پر جو حکم بھی مبنی ہوگا۔ وہ مصلحت پر مبنی سمجھا جائے گا۔ اور جو اس کے خلاف ہوگا وہ مصلحت کے خلاف ہوگا اور شرعی حکم بننے کے لائق نہ ہوگا۔ یہ مصلحت کبھی ہماری سمجھ میں آتی ہے اور کبھی نہیں آتی۔ لیکن یہ بات طے شدہ ہے۔ کہ ہر حکم میں یقیناً کوئی نہ کوئی مصلحت پائی جاتی ہے جس کی بناء پر حکم دیا گیا یا اس سے منع کیا گیا۔

اجتہادِ استنباطی کی عمارت مصلحتِ معتبرہ پر قائم ہے اجتہاد استنباطی کی پوری عمارت مصلحت پر قائم ہے جس کی منضبط شکل علت ہے اگر یہ نہ ہو تو اجتہادِ استنباطی کا دروازہ بند ہو جائے اور ــــ شرعی احکام و قوانین پر جمود طاری ہو جائے فقہاء نے مصلحت کی دو قسمیں کی ہیں

(۱) مصلحت معتبرہ جو اجتہادِ استنباطی کی بنیاد بنتی ہے۔

(۲) مصلحت مرسلہ جو اجتہادِ استصلاحی کی بنیاد بنتی ہے۔

مصلحت معتبرہ کی فقہی تعریف (۱) مصلحت معتبرہ کی آسان فقہی تعریف یہ ہے۔

ما دل دلیل معین علی رعایتہا و اعتبارہا فی نظر الشارع[2] جس کی رعایت اور جس کے اعتبار کرنے پر شارع کی طرف سے کوئی متعین دلیل قائم ہو۔

---

[1] محمد بن محمد ابو حامد الغزالی۔ المستصفی جز ثانی ۲۸۶ ــــ ومعروف دوالیبی المدخل الی علم اصول الفقہ الباب الثامن الخلاف فی الاستصلاح۔ [2] محاضرات فی اسباب اختلاف الفقہاء الاستصلاح۔ استاذ علی خفیف

یعنی مذکورہ پانچ امور کی حفاظت جس مصلحت سے ہو اور جس کو حاصل کرنے کے لئے احکام و قوانین مقرر ہوں وہ مصلحت معتبرہ ہے۔ احکام و قوانین مقرر ہونا خود اس کے معتبر ہونے کی دلیل ہے۔ اجتہاد استنباطی میں انتہائی غور و خوض کے بعد پہلے یہ مصلحت نکالی جاتی پھر منضبط کر کے علت کی شکل دی جاتی اس کے بعد انہیں احکام و قوانین پر قیاس کر کے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔

مصلحت معتبرہ کے تین درجے

اس مصلحت کے تین درجے اور مرتبے ہیں۔

(ا) مصلحت ضروریہ

(ب) مصلحت حاجیہ اور

(ج) مصلحت تحسینیہ

ہر ایک کی تعریف و متعلقہ احکام و قوانین (جن سے مصلحت نکالی جاتی ہے) یہ ہیں

ضروریہ اور متعلقہ احکام

(ا) ضروریہ۔ وہ مصلحت ہے جس کو حاصل کئے بغیر ان پانچوں امور کی حفاظت و بقاء نہ ہو سکتی ہو۔ مثلاً جان کی حفاظت و بقاء کیلئے کھانے پینے لباس اور دیگر ضروریات زندگی سے متعلق احکام و قوانین مقرر ہیں۔ قصاص دیت (خون کی قیمت) اور قسامہ (اجتماعی جرمانہ) وغیرہ کا تعلق بھی اسی سے ہے۔ مال کی حفاظت و بقاء کے لئے باہمی تبادلہ مال کی منتقلی۔ خرید و فروخت ہبہ عاریت وراثت۔ نیز چوری ڈاکہ زنی اور غضب سے متعلق احکام و قوانین مقرر ہیں۔ ظاہری کے علاوہ باطنی حفاظت و بقاء کے لئے بھی احکام و قوانین ہیں۔ مثلاً زکوۃ۔ صدقات انفاق عشر وغیرہ۔

نسل کی حفاظت و بقاء کے لئے نکاح۔ طلاق۔ خلع عدت نسب وغیرہ سے متعلق احکام و قوانین مقرر ہیں۔ اخلاقی و قانونی ضابطے جن کا تعلق عفت و عصمت سے ہے نیز فواحش و بدکاری سے روک تھام حدود و تعزیرات وغیرہ کا تعلق اسی سے ہے۔

عقل کی حفاظت و بقاء کے لئے نشہ آور چیزوں کے استعمال پر پابندی خلاف ور[زی]
کی صورت میں سزائیں۔ برائیوں اور بدعادتوں سے بچنے کی تاکید تعلیم و تربیت
پر زور کہ جس سے عقل کی فطری صلاحیتیں بیدار ہوں۔ اور اچھائیوں نیز اچھی
عادتوں کے ذریعہ ان میں جلاء پیدا ہوتی رہے۔

دین کی حفاظت و بقاء کے لئے عبادات امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی تاکید ہجرت
نصرت۔ جہاد اور تعلیم و تربیت سے متعلق احکام و قوانین ہیں۔

ان کو مکمل کرنے والے احکام | ان کے علاوہ اور بھی احکام و قوانین ہیں جو ان کو قوت بخشتے اور درجۂ کمال تک پہونچاتے ہیں۔ ان کو تکملات (تکمیل کرنیوالے)
کہا جاتا ہے۔ مثلاً جان کی حفاظت و بقاء سے متعلق قصاص میں برابری کی قید حق
اور محنت میں عدل و انصاف وغیرہ۔ حفاظت مال سے متعلق قرض۔ امانت تاوان
اور برابر سرابر کی ادائیگی کے احکام حفاظت نسل سے متعلق شہوت کو برانگیخت[ہ]
کرنے والی تمام چیزوں پر پابندی کے احکام جس میں لباس وضع قطع چال ڈھال جو حسن
و جمال کے نظارہ کو دعوت دینے والے ہوں سب شامل ہیں۔ حفاظت عقل سے متعلق نشہ آور
چیزوں کی تھوڑی مقدار پر بھی پابندی اور تعلیم و تربیت کے وہ طریقے جو فطری صلاحیتوں
کی خودکشی کرنے والے ہوں، حفاظت دین کے سلسلہ میں شعائر دین کی حفاظت سے متعلق
احکام ہیں کہ دین کا اصلی حالت میں قیام و بقاء بڑی حد تک ان پر موقوف ہے۔ حکومت
و سیاست کے قوانین سب کو قوت بخشنے والے اور درجۂ کمال تک پہونچانے والے ہیں
اس لئے وہ بھی اسی میں شامل ہوں گے۔

حاجیہ اور متعلقہ احکام | (ب) حاجیہ۔ وہ مصلحت ہے جن پر اگرچہ زندگی کی حفاظت و بقا[ء]
موقوف نہیں ہے۔ لیکن ان کے ذریعہ زندگی میں صحت و توانائی پیدا ہوتی مضرتوں کا دفعیہ
ہوتا اور مشقتوں و کلفتوں سے نجات ملتی ہے۔ مثلاً عبادات میں تخفیف و سہولت کے

اسباب (مرض اور سفر وغیرہ) سے متعلق احکام و قوانین عادات میں شکار و تفریحات سے متعلق ہدایتیں جنایات میں تاوان (جو اہل پیشہ سے وصول کیا جاتا ہے) اور قصور و نقصان کے سلسلہ کے وہ تمام احکام جو صاحبِ حق کو اس کا حق دلانے کے لئے یا بطور تعزیر مقرر ہیں۔

انکو مکمل کرنے والے احکام	ان کو بھی قوت پہونچانے اور درجۂ کمال تک پہونچانے والے احکام و قوانین ہیں۔ مثلاً شادی بیاہ میں ساوات اور مہر مثل کے مسائل، شہادت

رہن وغیرہ کے احکام سفر اور مرض کی بعض مخصوص حالت میں جمع بین الصلوتین (دو نمازوں کو جمع کرنا) کی اجازت اور نماز خوف وغیرہ۔

تحسینیہ اور متعلقہ احکام	(ج) تحسینیہ۔ وہ مصلحت ہے جس سے زندگی مزین و مہذب بنتی اخلاق کی بلندی حاصل ہوتی اور جس کی رعایت کے بغیر انسان شرعاً لحاظ

سے گندہ اور معاشرتی لحاظ سے بد تہذیب کہلاتا ہے۔ مثلاً عمدہ اخلاق تعلیم و گفتگو۔ کھانے پینے کے آداب معاشی و معاشرتی زندگی میں اعتدال و توازن برقرار رکھنے کے احکام۔ نفلی نماز و روزہ اور صدقہ و خیرات۔ عفو و درگذر اور لین دین میں سہولت و نرمی۔ نجاست دور کرنے اور طہارت حاصل کرنے ستر چھپانے کے احکام لباس میں زیب و زینت کھانے پینے رہنے سہنے میں نفاست و خوش اسلوبی وغیرہ۔

ان کو مکمل کرنے والے احکام	ان کو بھی قوت پہونچانے اور درجۂ کمال تک پہونچانے والے احکام و قوانین ہیں۔ مثلاً مستحبات کے درجہ کی تمام باتیں لغو کام اور لغو

باتوں سے بھی پرہیز۔ صدقہ خیرات عقیقہ اور قربانی میں عمدگی کا لحاظ۔

یہ تینوں قسم کی مصلحتیں متعلقہ احکام و قوانین کی روح اور ان تک پہونچنے سے حاصل ہوتی ہیں جن کے بغیر قیاس و استنباط کا دروازہ نہیں کھلتا تفصیل کے لئے راقم کی کتاب "مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر" دیکھنا چاہیئے۔ اس میں ان احکام کی

نشاندہی بھی کی گئی ہے جن میں اس وقت اجتہاد کی ضرورت ہے۔

مصلحت کو استعمال کرنے کے چند اصول و ضوابط

فقہا نے ان تینوں مصلحتوں کے استعمال کے لئے کچھ اصول ضوابط مقرر کئے ہیں جن کی رعایت ضروری ہے ورنہ قیاس و استنباط میں توازن برقرار نہ رہ سکے گا۔ مثلاً

(۱) مصلحت ضروریہ اصل ہے اور حاجیہ و تحسینیہ بڑی حد تک اس کی فرع ہیں اگر ضروریہ فوت ہو جائے تو یہ دونوں بھی اپنی حالت پر نہ باقی رہ سکیں گی۔ پر ان کے درمیان اور ان سے متعلقہ احکام و قوانین کے درمیان ترتیب ضروری ہے۔

(۲) مصلحت و مضرت کا فیصلہ کرنے میں غلبہ کا اعتبار ہوگا اور اسی کو بنیاد بنا کر یا نہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

(۳) مصلحت و مضرت کے اعتبار میں دنیوی اور اخروی زندگیاں پیش نظر ہونی چاہئیں ان میں کسی ایک کی رعایت اتنی نہ ہو کہ دوسری کی مصلحت بالکل فوت ہو جائے یا اس میں فساد واقع ہو۔

(۴) مصلحت اور مضرت کے ٹکراؤ کی صورت میں جبکہ غلبہ کسی پہلو کو نہ دیا جا سکے مضرت کا اعتبار کیا جائے گا۔

(۵) یہ مصلحتیں کلیات کی شکل میں ہیں۔ اگر بعض جزئیات ان سے نکل جائیں تو کوئی خرابی پیدا ہوگی جو کلیات بطور استقراء (تتبع و تلاش سے) وضع کی جاتی ہیں۔ ان سے تقریباً یہی حیثیت ہوتی ہے یہ نکلنے والی جزئیات یا تو کسی خارجی مصلحت کی بنا کلیات میں داخل نہیں ہوتیں یا عارضی سبب سے نکل جاتی ہیں اور وہ سبب سمجھ میں نہیں آتا حتی الامکان جزئیات کو کلیات کے تحت لانا ضروری ہے تا کہ نہ فوت ہونے پائے۔

مصلحت مرسلہ کی فقہی تعریف

(۲) مصلحت مرسلہ کی آسان فقہی تعریف یہ ہے۔

مالم یقم دلیل معین علی اعتبارہ او الغائہ وھی التی سکت عنھا الشارع ولم یرتب علی وفقھا حکما ولیس لھا اصل معین تقاس علیہ[۱]

جس کے اعتبار کرنے یا لغو قرار دینے پر کوئی متعین دلیل نہ قائم ہو یعنی شارع اس سے خاموش ہو نہ اس کی موافقت پر کوئی حکم مرتب ہوا در نہ اس کے لئے کوئی معین اصل ہو کہ اس پر قیاس کیا جا سکے۔

"مرسلہ" اس بنا پر کہتے ہیں کہ شارع نے اس کو مطلق رکھا ہے نہ اعتبار کے ساتھ اس کو مقید کیا اور نہ لغو کے ساتھ اس کو مقید کیا اگر اعتبار کے ساتھ مقید ہے تو اس کا تعلق اجتہاد استنباطی سے ہے۔ اور لغو کے ساتھ مقید ہے تو وہ باطل ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اعتبار کی مثالیں مصلحت معتبرہ میں گذر چکی ہیں۔ لغو کی مثال جیسے کوئی شخص رمضان میں اپنی بیوی سے قربت کرلے تو اس کا کفارہ غلام آزاد کرنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا لگاتار ساٹھ روزے رکھنا ہے۔ روزہ میں چونکہ مشقت زیادہ ہوتی ہے اور دوبارہ فعل کے ارتکاب کا امکان کم ہوتا ہے۔ اس بنا پر کوئی مفتی اس مصلحت کو مقدم رکھ کر پہلے ہی مرحلہ ہی میں ساٹھ روزہ کا فتوی دے حالانکہ یہ مصلحت غلام کی آزادی اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کے مقابلہ میں کمتر درجہ کی ہے۔ شریعت نے اس مصلحت کو مقدم کیا ہے جس میں دوسروں کا نفع ہو اور مقابلہ میں اس مصلحت کو لغو قرار دیا ہے۔ جس میں ذاتی نفع ہو۔ اور اگر ایسی صورت ہو کہ دوسروں کے نفع کی بات نہ بن سکتی ہو تو ذاتی نفع کا لحاظ ہوگا اور پہلے ہی مرحلہ میں روزہ کا حکم دیا جائے گا۔ یا بھائی بہن چونکہ خونی رشتہ میں برابر ہیں اس لئے باپ کی میراث

---

[۱] علی خفیف۔ محاضرات فی اسباب اختلاف الفقہاء الاستصلاح او المصالح المرسلہ۔

دونوں میں برابر برابر تقسیم کرنے کا حکم دیا جائے۔ شریعت نے جس مصلحت کا لحاظ کرکے دونوں کے حصہ میں فرق کیا ہے اس کے مقابلہ میں خونی رشتہ کی مصلحت لغو قرار پائے گی وہ مصلحت بہن کے مقابلہ میں بھائی کی زیادہ ذمہ داری ہے پھر اپنے گھر میں بہن مستقل حصہ کی مالک بنتی ہے جس کا بھائی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اجتہاد استصلاحی کی عمارت مصلحت مرسلہ پر قائم ہے

اجتہاد استصلاحی کی پوری عمارت مصلحت مرسلہ پر قائم ہے جس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے۔

ترتیب الحکم الشرعی علی المصلحة المرسلة بحیث یحققها علی الوجه المطلوب۔ ؎۵۱

حکم شرعی کو مصلحت مرسلہ پر اس حیثیت سے مرتب کرنا ہے کہ حکم مصلحت کو مطلوبہ طریقہ پر ثابت کرے۔

استصلاح کی واضح تعریف

زیادہ واضح تعریف یہ ہے۔

بناء الاحکام الفقهیة علی مقتضی المصالح المرسلة ای المصالح التی لم یقم اعتبارها بورود نص خاص بعینها وانما المعمول فی اعتبارها ماجاء فی الشریعة من اصول عامة وقواعد کلیة من شانها ان تعتبر المصالح وان تحمیها بصورة مرسلة ای مطلقة غیر مقیدة بنص خاص ؎۵۳

فقہی احکام کی بنیاد مصالح مرسلہ کی موافقت پر قائم کرنا یعنی ان مصلحتوں پر قائم کرنا جن کے اعتبار کے لئے قرآن و حدیث میں کوئی متعین حکم (خاص نص) نہیں ہے۔ لیکن شریعت میں کچھ عام اصول اور کلی قواعد ایسے موجود ہیں جو مطلق صورت میں ان مصلحتوں کا اعتبار کرتے اور ان کی حفاظت کرتے ہیں۔

؎۵۱ محمد سعید رمضان بوطی۔ ضوابط المصلحة فی الشریعة الاسلامیة موقف العلماء من الاستصلاح

؎۵۳ معروف دوالیبی المدخل۔ الی علم اصول الفقه الباب الثامن الخلاف فی الاستصلاح

اس تعریف سے ظاہر ہے کہ مصلحت مرسلہ سے مراد ایسی مصلحت نہیں ہے کہ جس کی طرف شریعت میں توجہ نہ دی گئی ہو بلکہ ایسی مصلحت ہے کہ متعین شکل میں اگرچہ توجہ نہ ظاہر ہوتی ہو لیکن مطلق شکل میں پوری توجہ موجود ہو۔

اجتہاد استنباطی و استصلاحی کے درمیان فرق

اس وضاحت کے بعد اجتہاد استنباطی (قیاس و استحسان) اور اجتہاد استصلاحی میں بس اس قدر فرق رہتا ہے کہ استنباطی میں کوئی متعین نظیر (جلی یا خفی) پہلے سے موجود ہوتی ہے۔ اور استصلاحی میں یہ نظیر متعین شکل میں نہیں ہوتی بلکہ عمومی شکل کے کچھ اصول و قواعد ہوتے ہیں جن پر اس کی بنیاد قائم کی جاتی ہے۔

چند عام اصول و قواعد جن پر استصلاح کی بنیاد ہے

عام اصول و قواعد جن پر استصلاح کی بنیاد قائم ہوتی ہے اس قسم کے ہیں مثلاً۔ عدل و احسان۔

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان [۱] — بیشک اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔

عدل و احسان کے دو لفظ نہایت وسیع ہیں چنانچہ اس آیت کے بارے میں ہے۔

اجمع آیۃ فی القرآن للحث علی المصالح کلھا والزجر عن المفاسد باسرھا [۲] — یہ آیت تمام مصالح کے حصول اور مفاسد کے دفعیہ پر ابھارنے کے لئے سب سے زیادہ جامع ہے۔

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین [۳] — اے پیغمبر ہم نے آپ کو محض اس لئے بھیجا تاکہ رحمت عامہ کا ظہور ہو۔

اس آیت کے ضمن میں ہے۔

ومن الرحمۃ الاذن لھم علی لسانہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جلب المصالح — اور رحمت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے مصالح کے

---

[۱] نحل ع ۱۳۔ [۲] محمد مصطفےٰ شلبی تعلیل الاحکام ص ۲۸۷۔ [۳] الانبیاء ع ۷۔

ودفع المقاسد عنهم ومعلوم ان للناس مصالح يتجدد وتتجدد والايام فلو وقف الاعتبار على المنصوص فقط لوقع الناس في الحرج الشديد وهم مناف للرحمة ۱؎	حصول اور مقاسد کے دفعیہ کی اجازت دی گئی یہ معلوم ہے کہ زمانہ کے بدلنے سے نئے نئے مصالح پیدا ہوتے رہتے ہیں ایسی حالت میں اگر منصوص (قرآن وحدیث میں صراحۃً ذکر) ہی کا اعتبار کیا گیا تو لوگ سخت قسم کے حرج میں مبتلا ہو جائیں گے اور رحمت کے منافی بات لازم آئیگی

جملہ فلاح وبہبود کے امور۔

وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان ۲؎	نیکی اور بھلائی میں ایک دوسرے کی مدد کرو گناہ اور برائی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

امانت کی ادائیگی۔

ان الله يامركم ان تؤدوا الامانات الى اهلها ۳؎	بے شک اللہ تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل تک پہونچاؤ۔

آیت میں امانت کا مفہوم عام ہے جو ہر قسم کی ذمہ داری کو شامل ہے خواہ اس کا تعلق اللہ کے حق یا بندوں کے حق سے ہو۔

حقوق میں مساوات۔

يايها الناس انا خلقنكم من ذكر وانثى وجعلنكم شعوبا وقبائل لتعارفوا ۴؎	اے لوگو۔ ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہاری ذاتیں اور قبیلے اس لئے بنائے تاکہ ایک دوسرے کی پہچان ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۱؎ تعلیل الاحکام ص ۲۸۶ ۲؎ المائدہ ع ۱ ۳؎ نساء ع ۸ ۴؎ الحجرات ع ۲

الناس بنو آدم و آدم خلق من تراب [۱]

سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔

الناس کلهم اخوة [۲]

سب انسان بھائی بھائی ہیں۔

استحقاق و استفادہ میں مساوات

هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا [۳]

اللہ وہ ہے جس نے تم سب کے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں

وجعلنا لکم فیها معایش ومن لستم له برازقین [۴]

تم سب کے لئے ہم نے زمین میں زندگی کے ساز و سامان (وسائل و ذرائع) بنائے اور ان کے لئے بھی جن کو تم روزی نہیں دیتے ہو۔

رسول اللہ نے فرمایا۔

الخلق کلهم عیال الله فاحب الخلق الی الله من احسن لعیاله [۵]

تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے اللہ کو زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اس کی عیال کو زیادہ نفع پہونچانے والا ہو۔

مال و دولت کی منصفانہ تقسیم۔

کی لایکون دولة بین الاغنیاء منکم [۶]

تاکہ دولت تم میں مالداروں ہی کے درمیان سمٹ کر نہ رہ جائے۔

ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ نے فرمایا۔

عمروا بلادی فعاش فیها عبادی [۷]

میرے ملک کو آباد کرو تاکہ میرے بندے اس میں خوش حالی زندگی بسر کر سکیں۔

---

[۱] طبری۔ [۲] مسلم و ابو داؤد۔ [۳] البقرہ ۲۷۔ [۴] حجر ع ۲ [۵] مشکوۃ باب فی الشفقة علی الخلق۔ [۶] حشر ع ۱ [۷] محمد بن احمد بن سہل سرخسی المبسوط ج ۲۳ ص ۱۵۔

حضرت علی نے فرمایا۔

ان اللہ تعالی فرض علی الاغنیاء فی اموالہم بقدر ما یکفی فقراءہم فان جاعوا وعروا وجھدوا فمنع الاغنیاء وحق علی اللہ ان یحاسبہم یوم القیمۃ ویعذبہم علیہ ؎۱

اللہ تعالی نے بقدر کفایت غرباء کی ضرورت پوری کرنا مالداروں پر فرض کیا ہے اگر وہ بھوکے ننگے یا اور کسی معاشی ضیب میں مبتلا ہوئے تو یہ مالداروں کے ن دینے کی وجہ سے ہے اللہ کا حق ہے کہ قیامت کے دن ان سے حساب لے اور انکو سزا د

دین میں اصل آسانی۔

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ؎۲

اللہ آسانی چاہتا ہے دشواری اور تنگی نہیں چاہتا۔

حرج وتنگی کی ممانعت

ما جعل علیکم فی الدین من حرج ؎۳

اللہ نے دین کے معاملہ میں تمہارے لئے کو تنگی نہیں رکھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسٰی اشعری اور معاذ بن جبل رضی ال عنہما کو دینی معاملات کا انتظام سپرد کرتے وقت فرمایا۔

یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا ولا تختلفا ؎۴

آسانی کرنا مشکل میں نہ ڈالنا۔ رغبت دلا نفرت نہ دلانا موافقت کے جذبہ کو فرو دینا اختلاف نہ ڈالنا۔

دوسری حدیث میں ہے۔

؎۱ علی بن احمد بن حزم المحلی ج ۶ ص ۱۵۶ - ؎۲ البقرہ ع ۲۳ - ؎۳ الحج ع ۱۰

؎۴ بخاری ومسلم مشکوۃ باب ما علی الولاۃ من التیسیر۔

احب الدین الی اللہ الحنیفیۃ السمحۃ ؎۱ — اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین حنیفی ہے جو آسان ہے

ایک اور حدیث میں ہے۔

ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبہ ؎۲ — دین آسان ہے لیکن جو شخص دین میں بالفعل کرتا ہے اس پر وہ غالب آجاتا ہے۔

تکلیف میں کمی

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا ؎۳ — اللہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا

یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا ؎۴ — اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے بوجھ کو ہلکا کرے انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ فرض فرائض فلا تضیعوھا وحد حدودا فلا تعتدوھا وحرم اشیاء فلا تنتھکوھا وسکت عن اشیاء رحمۃ لکم من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا ؎۵ — اللہ نے فرائض مقرر کئے ہیں ان کو ضائع نہ کرو حدود مقرر کئے ہیں ان سے آگے نہ بڑھو جو چیزیں حرام کر دی ہیں ان کی پردہ دری نہ کرو • اور جن چیزوں سے بھولے بغیر خاموشی اختیار کی ہے محض تم پر مہربانی کرنے کے لئے ان کے متعلق کرید نہ کرو۔

اشیاء میں اصل اباحت (جب تک ممانعت نہ ہو)

قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبت من الرزق ؎۶ — آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی زینتیں جو اس نے اپنے بندوں کے برتنے کے لئے پیدا کی ہیں اور کھانے پینے کی اچھی چیزیں کس نے حرام کی ہیں۔

؎۱ بخاری باب الدین یسر۔ ؎۲ بخاری و مشکوۃ باب قصد العمل۔ ؎۳ البقرہ ع ۴۰۔ ؎۴ النساء ع ۵
؎۵ دارقطنی و مشکوۃ باب الاعتصام۔ ؎۶ الاعراف ع ۴۔

کلوا واشربوا ولا تسرفوا [1] — کھاؤ پیو فضول خرچی نہ کرو۔
نقصان دور کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام [2] — اسلام میں نہ خود نقصان اٹھانا اور نہ دوسرے کو نقصان پہونچانا ہے۔

سیاست شرعیہ کے تحت فیصلوں کی بنیاد استصلاح ہے۔

اس قسم کے اور بہت سے عام اصول و قواعد ہیں جن پر استصلاح کی بنیاد قائم کی جاتی ہے۔ صحابۂ کرام تابعین اور فقہائے کرام نے سیاست شرعیہ کے تحت بہت سے مسائل حل کئے ہیں جن کی بنیاد استصلاح ہے۔ جیسا کہ سیاست شرعیہ کی فقہی تعریف سے ظاہر ہے۔

السیاسۃ ما کان فعلا یکون معہ الناس اقرب الی الصلاح وابعد عن الفساد وان لم یضعہ الرسول ولا نزل بہ وحی [3] — سیاست وہ فعل ہے کہ اس کے ذریعہ لوگ صلاح سے قریب اور فساد سے دور رہوں اگرچہ رسول اللہ نے نہ کیا ہو اور نہ اس کے لئے وحی نازل ہوئی ہو۔

اسی سیاست دین کا جزء اور شریعت کا مقصود ہے نیز اللہ کی مخلوق کو عدل و اعتدال کی طرف لانے والی ہے جسمیں کسی اعتراض اور شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے تحت فیصلوں کے لئے قرآن و حدیث سے صراحۃً ثبوت ضروری نہیں ہے بلکہ عام اصول و قواعد کے تحت ہونا کافی ہے جیسا کہ امام شافعی کہتے ہیں۔

لا سیاسۃ الا ما وافق الشرع۔ [4] — سیاست وہی معتبر ہے جو شریعت کے موافق ہو۔

لیکن یہ موافقت کس قسم کی ہو اس کی تشریح یہ ہے۔ (باقی صفحہ ۴۴ پر)

---

[1] الاعراف ع ۴۔ [2] مسلم ابواب البیوع۔ [3] ابن قیم الطرق الحکمیہ فصل جواز العمل فی السلطنۃ بالسیاسۃ الشرعیۃ [4] ایضاً۔ مزید تفصیل کے لئے راقم کی کتاب "احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت" دیکھنا چاہئے۔

سفرنامہ پاکستان

پھر لاہور میں

(۱۱)

سعید احمد اکبر آبادی

لاہور ایرپورٹ پہونچا تو حسب توقع میاں اسلم، ریحانہ اور ان کے پھول سے چاروں بچے موجود تھے، نافع تو ابھی گود میں ہے، صرف ہمکنا جانتا ہے۔ سب سے بڑا بچہ ظفر پہلے شریر تھا۔ اب سنجیدہ ہو گیا ہے۔ ان دونوں کے بیچ میں دو لڑکیاں ہیں۔ ایک کا نام زمیلہ ہے اور دوسری کا انجم، دونوں بچیوں کو نانا سے بڑی محبت ہے، مجھے دیکھتے ہی دوڑی ہوئی آئیں اور لپٹ گئیں۔ ان سب کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے اسٹیشن ویگن میں بیٹھکر گھر آیا، اور وہاں سامان رکھتے ہی پنجاب یونیورسٹی کی پرانی بلڈنگ میں آیا۔ یہاں دو دن سے آل پاکستان ہسٹری اینڈ کلچر ایسوسی ایشن کی بین الاقوامی کانفرنس ہو رہی تھی۔ میاں اسلم اس کے کرتا دھرتا تو تھے ہی، انھوں نے مجھکو بھی اس کا ایک مندوب بنوا دیا تھا۔ اور اسی حیثیت سے مندوب کا بیج اور دوسری متعلقہ چیزیں مجھے مل گئی تھیں۔ اس روا روی میں کانفرنس کے لئے میں مقالہ تو کیا لکھتا اس سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ کانفرنس میں شریک ہو کر بعض اچھے اچھے مقالات سن لئے اور ان پر جو مذاکرہ ہوا اس سے لطف اندوز ہوا۔ اور پاکستان کے تاریخ کے پروفیسروں اور اساتذہ کے علاوہ اپنے بعض دیرینہ دوستوں سے یکجا ملاقات بھی ہو گئی (شیخ عبد الرشید سابق پروفیسر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)۔ لفٹنٹ کرنل خواجہ عبد الرشید، ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی،

عبدالمجید صاحب سالک مرحوم کے صاحبزادہ ڈاکٹر عبدالسلام ، خورشید جسٹس ایس۔ اے رحمٰن اور دوسرے احباب یہاں موجود تھے ۔ ان سب سے ملاقات ہوئی ۔

پروفیسر ہارڈی | ان حضرات کے علاوہ باہر سے آنے والوں میں پروفیسر پیٹر ہارڈی (Peter Hardy) سے بھی ملاقات ہوئی ۔ موصوف لندن یونیورسٹی میں ہند کے قرون وسطیٰ کی تاریخ کے پروفیسر ہیں متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں ۔ میرے بڑے مخلص اور عزیز دوست ہیں ۔ علی گڑھ آ چکے ہیں ، ۱۹۶۳ء میں جب میں لندن گیا تھا وہاں بھی ان سے خوب ملاقات رہی ، اخلاقی حیثیت سے بھی بڑے شریف اور خوش مزاج انسان ہیں ۔ اب اس وقت عصرانہ پر کئی برس کے بعد اچانک ملاقات ہوئی تو بہت خوش ہوئے دیر تک باتیں کرتے اور میرے حالات پوچھتے رہے ۔ مستشرقین میں بہت سے لوگوں سے میری ملاقات ہے ۔ لیکن ان جیسے مسکین طبع اور بے تکلف میں نے کم دیکھے ۔

پروفیسر حمید الدین | یہاں پروفیسر حمید الدین سے بھی ملاقات ہوئی ۔ موصوف پنجاب یونیورسٹی لاہور سے تاریخ میں ایم ۔ اے کرنے کے بعد سینٹ اسٹیفنس کالج ، دہلی میں فارسی کے ایم ۔ اے میں داخلہ ، غالباً ۱۹۴۵ء میں لیا تھا ۔ میں اس زمانہ میں کالج میں ہی تھا اور فارسی میں ایم ۔ اے کلاس کا کلاسیکل پوئٹری کا پرچہ میں ہی پڑھاتا تھا ۔ چنانچہ حمید الدین کی ایک کلاس میرے ہاں ہوتی تھی ان کا ایک ساتھی وشوامتر عادل تھا ۔ وشوامتر نے انگریزی میں ایم ۔ اے کر لیا تھا ۔ اور اب دوسرا ایم ۔ اے فارسی میں کر رہا تھا ۔ یہ دونوں ایک ایک مضمون میں ایم ۔ اے پہلے سے تھے اس لئے یونیورسٹی کے قانون کے مطابق دو برس کے بجائے ایک ہی برس میں ایم ۔ اے کے امتحان میں شریک ہونے کی اجازت تھی ۔ اس بنا پر یہ دونوں کالج میں ایک برس ہی رہے ۔ امتحان میں شریک ہوئے اور اچھے ڈویژن میں کامیاب ہوئے ۔

وشوامتر عادل نہایت ذہین ، خوش طبع اور خوش مزاج نوجوان اور اردو کا ترقی

پسند شاعر اور ادیب تھا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر بمبئی کی فلمی دنیا میں چلا گیا اور وہاں بڑا نام پیدا کیا۔ جب کبھی ملاقات ہوئی حسب معمول بڑی تپاک سے ملا۔ پندرہ سولہ برس ہوئے ایک دن بمبئی میں اچانک ملاقات ہوگئی تو بڑے اصرار سے ڈنر کی اور فلمی دنیا کی سیر کی دعوت دی۔ میں نے غالب کا یہ شعر پڑھا۔

تھی وہ اک شخص کے تصور سے

اب وہ رعنائی خیال کہاں ؟

اور اپنی مصروفیت کا عذر کر دیا۔

حمید الدین بھی نہایت ذہین، طباع اور قابل تھے تحقیق کا ذوق تھا، یہ آکسفورڈ یونیورسٹی چلے گئے، وہاں سے پی۔ ایچ۔ ڈی (تاریخ) کی ڈگری لی اس کے بعد انگلینڈ میں ہی ادھر ادھر رہے۔ اب تیرہ چودہ برس سے امریکہ کی کولمبیا یونیورسٹی میں مستقل پروفیسر ہیں۔ اس وقت وہیں سے پاکستان کی کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ مجھ سے اس تعلق کے علاوہ وہ میاں اسلم کے بھی بہت گہرے دوست ہیں۔ جب کبھی لاہور آتے ہیں ان کی بیوی اور بچوں کے لئے تحفے لاتے ہیں، تقسیم کے دو تین برس کے بعد ڈھاکہ جاتے ہوئے کلکتہ آئے تھے تو میرے پاس ہی قیام کیا تھا۔ بڑی محبت کے آدمی ہیں مجھکو ان سے ملکر ہمیشہ بڑی خوشی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی ہوئی۔ عصرانہ پر اور بھی بہت سے پاکستانی دوستوں سے ملاقات ہوئی جن کے نام بھی یاد نہیں آرہے ہیں اس سے فارغ ہو کر میں نے وہیں عصر کی نماز ادا کی اور گھر آگیا۔

بستان فاطمہ میں ڈنر

شب کو بوستان فاطمہ (سابق لارنس گارڈن) میں کانفرنس کا ڈنر تھا۔ میاں اسلم کے ساتھ اس میں شریک ہوا، آپ کو یاد ہوگا سیرت کانفرنس کے موقع پر اسی جگہ اہل لاہور کی طرف سے ایک نہایت شاندار عصرانہ ہوا تھا۔ اب یہ ڈنر تھا تو بجلی کے قمقموں سے ڈنر گاہ کو سجایا گیا تھا۔ پوری فضا نہایت سہانی اور دل کش تھی

ڈنر بھی بہت شاندار تھا۔ یہاں کچھ اور حضرات سے ملاقاتیں ہوئیں۔ جن میں ایڈوکیٹ بیرسٹر اور حکومت کے عہدہ دار شامل تھے۔

ایک لطیفہ | یہاں ایک عجیب لطیفہ ہوا کہ میاں اسلم نے میرا ایک صاحب سے تعارف کرایا جن کا نام اب یاد نہیں یہ پنجاب کی مسلم لیگ کے ایک ذمہ دار عہدہ دار تھے اور پنجاب میں جب مسلم لیگ کی وزارت ۱۹۴۷ء میں بنی تھی۔ اس میں یہ وزیر بھی تھے۔ تعارف کے بعد ان کو مجھ سے کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہو گئی کہ مجھے الگ ایک صوفہ پر لیکر بیٹھ گئے اور ہندوستان کی سیاست پر گفتگو شروع کر دی۔ میں نے کہا۔ ہندوستان میں آج کل ایمرجنسی کا دور دورہ ہے۔ لیکن جمہوریت اس ملک کے عوام میں اس درجہ رچی اور بسی ہوئی ہے کہ اس ایمرجنسی کو جلد یا بدیر لازمی طور پر ختم ہونا ہے۔ پریس پر چونکہ نہایت سخت قسم کا سنسر لگا ہوا ہے۔ اس لئے یہ تو نہیں بتایا جا سکتا کہ اندر ہی اندر کیا کچھ ہو رہا ہے۔ کتنے لوگ گرفتار کئے گئے ہیں۔ وہ کہاں کہاں رکھے گئے ہیں اون کے ساتھ جیل خانوں میں کس قسم کا سلوک ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی نہیں معلوم کہ مخالف پارٹیوں کے کارکن جو جیل خانوں سے باہر ہیں وہ انڈر گراؤنڈ کچھ کام کر رہے ہیں یا بس دم سادھ کے بیٹھ گئے ہیں۔ البتہ ظاہر میں جو کچھ نظر آتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایمرجنسی سے فوری طور پر کچھ فائدے ہوئے ہیں، مثلاً فرقہ وارانہ فسادات جو آئے دن ہوتے رہتے تھے وہ بند ہو گئے ہیں۔ اور اس بنا پر مسلمانوں کو اطمینان کا سانس لینے کا موقع ملا ہے۔ دفتروں میں کارکردگی کی رفتار تیز ہو گئی ہے یونیورسٹیوں میں جہاں روزمرہ ہنگامے ہوتے رہتے تھے۔ اب وہ سرد پڑ گئے ہیں۔ اور ان میں تعلیم بغیر کسی خرخشہ اور رخنہ کے ہو رہی ہے۔ لڑکے ریل گاڑیوں میں اور بسوں میں اور سڑکوں پر عورتوں اور لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے اب عقل کے ناخن لے لئے ہیں۔ اور اپنی حرکتوں سے باز آگئے ہیں، جرائم کی رفتار سست ہو گئی ہے، انتظامیہ میں

فرض شناسی کا احساس اور جذبہ ابھرا ہے۔ بازار میں قیمتوں پر کنٹرول کر لیا گیا ہے
شہر میں صفائی ستھرائی پہلے سے زیادہ نظر آتی ہے۔ شہر کو خوبصورت بنانے کی مہم
تیز ہو گئی ہے۔

اب انھوں نے ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات کے بارہ میں سوال کیا
میں نے کہا۔ میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ ہندوستان کے عوام اور گورنمنٹ دونوں کی
دلی خواہش اور تمنا ہے کہ دونوں ہمسایہ ملکوں کے تعلقات بہتر سے بہتر اور دوستانہ
ہوں۔ اور پاکستان میں اتنے دنوں تک گھومنے پھرنے اور عوام و خواص سے ملاقات
اور گفتگو کے بعد میرا احساس یہ ہے کہ یہی جذبہ اس ملک کے عوام اور گورنمنٹ کا ہے
پھر چونکہ میں نفسیات کا طالب علم رہا ہوں اس لئے کہہ سکتا ہوں کہ مسز اندرا گاندھی اور مسٹر
بھٹو دونوں کا طریق فکر، طرز عمل اور امیال و عواطف ایک جیسے ہیں اس بنا پر امید ہے
دونوں ملکوں کے باہمی تعلق کو خوشگوار بنانے کے لئے کوئی عملی اقدام جلد ہی کیا جائے گا
اس میں دونوں کی عافیت ہے۔ اور جنوب مشرقی ایشیا کا امن و امان اس پر موقوف ہے
میری یہ تقریر ان صاحب کو بہت پسند آئی۔ خوش ہو کر کہنے لگے آپ بڑے صاف
ذہن اور کھلے دماغ کے انسان ہیں۔ آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔ اس کے بعد انہوں
نے دوسرے دن کے ڈنر کی دعوت دی۔ میں نے ہر چند معذرت کی مگر وہ نہ مانے آخر
مجھے دعوت قبول کرنی پڑی۔ انہوں نے کہا میں کار لے کر آؤں گا اور آپ کو لے آؤں گا
میں نے مروت میں دعوت قبول تو کر لی لیکن بوستان فاطمہ سے گھر آ کر میں نے ذرا غور
کیا تو محسوس ہوا کہ یہ دعوت نہ میرے حق میں اچھی ہوگی اور نہ میرے میزبان کے
حق میں۔ میرے حق میں تو اس لئے اچھی نہ ہوگی کہ میں پاکستان گورنمنٹ کی دعوت
پر یہاں آیا تھا۔ اس لئے اخلاقی طور پر یہ میرے لئے مناسب نہیں ہے کہ گورنمنٹ کے کسی
حزب مخالف کے لیڈر کے یہاں ڈنر کھاؤں۔ جب کہ اس سے پہلے نہ میری دوستی ہے

نہ جان پہچان، نہ صاحب سلامت اور نہ علیک سلیک، اس بنا پر ڈنر کی حیثیت سیاسی ہو جاتی، اب رہے میزبان! تو اون کے حق میں یہ دعوت اس لئے نامناسب تھی کہ وہ حزب مخالف کے لیڈر ہیں اور جس طرح ہر گورنمنٹ اپنے ہاں کی اپوزیشن پر ایسے سید ھے الزام لگاتی ہے پاکستان گورنمنٹ بھی اپنے حزب مخالف پر یہ الزام لگاتی ہے کہ یہ لوگ ہندوستان سے ساز باز کئے ہوئے ہیں اور اوس کے ایجنٹ ہیں۔ اس حالت میں اگر میں اون کے ہاں ڈنر کھاتا تو ممکن تھا اس سے مذکورہ بالا الزام کو تقویت پہونچانے کی کوشش کی جاتی، بہرحال اس احساس سے مجھکو سخت پریشانی اور روحانی اذیت ہوئی۔ صبح ہوئی تو میں نے ارادہ کرلیا کہ اس دعوت کو منسوخ کرادوں گا۔ لیکن غالباً جو احساس مجھ میں پیدا ہوا وہ آنمحترم کو بھی ہوا۔ چنانچہ قبل اس کے کہ میں اپنا آدمی اون کے پاس بھیجوں اون کا آدمی آیا اور اوس نے دعوت کی منسوخی کی اطلاع دی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ

جو تیری خوشی وہی میرا مدعا ہوا۔

مولانا عبدالصمد صارم

آج (۲۲ مارچ) صبح میں ناشتہ سے فارغ ہوا ہی تھا کہ برادر عزیز مولانا عبدالصمد صارم مع اپنی اہلیہ کے آگئے اور مجھ سے بغلگیر ہو گئے۔ آنعزیز میرے ماموں زاد بھائی بھی ہیں اور شاگرد بھی ان کے والد ماجد قاضی ظہور الحسن صاحب ناظم سیوہاروی مرحوم کو میری والدہ صاحبہ ~~صاحب~~ نور اللہ رحمۃ اللہ علیہا سے بہت محبت اور گہرا تعلق تھا۔ اکثر آگرہ آتے رہتے تھے اور ہفتوں قیام کرتے تھے، مزاج نہایت لاابالی اور آزاد منش تھا۔ فارسی اور اردو زبان کے بڑے فاضل اور بلند پایہ شاعر تھے، تاریخ گوئی میں بڑا کمال تھا۔ نہایت ذہین اور طباع بیحد صاف گو اور اپنی رائے میں متبدد تھے۔ شاعر ہونے کی وجہ سے نظام حیدرآباد کے دامانِ دولت سے وابستہ ہو کر حیدرآباد میں قیام کرلیا تھا جو تقسیم

تک رہا اس زمانہ میں بیسیوں علمی، ادبی، تاریخی اور تنقیدی چھوٹی بڑی کتابیں لکھ ڈالیں۔ برادر عزیز میاں عبدالصمد صارم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ عالیہ فتحپوری کی مولوی فاضل کلاس میں داخل ہوئے اور اس طرح وہ میرے شاگرد بھی ہو گئے، پنجاب یونیورسٹی لاہور سے مولوی فاضل کرنے کے بعد مصر چلے گئے اور جامع ازہر میں داخل ہوئے۔ چند سال کے بعد لوٹے تو تقسیم سے پہلے ہی اورنٹیل کالج لاہور میں عربی کے استاد مقرر ہو گئے اور اب تک ہیں، اسی زمانہ میں انہوں نے طب کا امتحان پاس کر لیا۔ چنانچہ اب باقاعدہ مطب بھی کرتے ہیں۔ زود نویسی اور بسیار نویسی پدر بزرگوار سے ورثہ میں ملی ہے۔ اب تک چھوٹی بڑی ہر قسم کی کتابیں، اصل اور ترجمہ دونوں کا ڈھیر لگا چکے ہیں، اور اشہب قلم ہے کہ برابر رواں دواں ہے۔ کہیں ٹھہرنے اور سستانے کا نام ہی نہیں لیتا، ہر شخص کا مذاق الگ الگ ہوتا ہے۔ میرا نظریہ یہ ہے کہ بازار کمال میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کتنا لکھا ہے، بلکہ یہ کہ کیسا لکھا ہے۔ جرمنی کے مشہور فلسفی کانٹ نے عمر بھر کی محنت ریاضت اور غور و فکر کے بعد صرف ایک ہی کتاب "تنقید عقل محض" لکھی مگر اس نے فلسفہ کا رخ موڑ دیا اور کانٹ زندہ جاوید ہو گیا۔ غالب کا چھوٹا سا اردو کا دیوان ناسخ کے ضخیم دیوانوں پر بھاری ہے۔ بہر حال یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ برادر عزیز نے اپنی جد و جہد محنت و مشقت اور دن رات کی مصروفیت سے لاہور کی ادبی اور علمی فضا میں اپنا ایک مقام بنا لیا ہے اور خوش حالی و اطمینان کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جب تک میں لاہور میں رہا اُن سے اور اُن کے اہل خانہ سے برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

جناب عبداللہ قریشی — تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ عبداللہ صاحب قریشی تشریف لائے۔ موصوف میاں اسلم کے روزانہ کی نشست و برخاست کے اور بڑے مخلص دوست ہیں۔ اردو زبان کے نامور ادیب اور صحافی ہیں، کئی کتابوں کے مصنف

ہیں۔ ادبی دنیا اور دوسرے مجلات و رسائل سے وابستہ رہ چکے ہیں۔ بڑی بات یہ ہے
کہ پنجاب اور خصوصاً لاہور کی گذشتہ پچاس برس کی ادبی اور تہذیبی زندگی کی تاریخ کے
حافظ ہیں، نہایت مخلص اور بے تکلف دوست ہیں۔ مجھے اون سے باتیں کرنے اور
اون کی باتوں سے فائدہ اٹھانے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ ان سے بھی جب تک لاہور میں رہا تقریباً روز
ہی ملاقات ہوتی رہی۔

قرآن کانفرنس دس بجے کے قریب ہسٹاریکل کانفرنس میں شرکت کے لئے میاں اسلم کے
ساتھ یونیورسٹی گیا لفٹنٹ کرنل خواجہ عبدالرشید اور دوسرے احباب بھی وہاں پہلے
سے موجود تھے۔ اُن کے ساتھ دو تین مقالات سنے۔ اتنے میں میاں اسلم نے کہا کہ پڑوس میں قرآن
کانفرنس ہو رہی ہے ان حضرات کی خواہش ہے کہ میں اس کانفرنس میں بھی تھوڑی دیر کے
لئے شریک ہوں، میں نے کہا۔ بہت اچھا! اور خواجہ صاحب اور میاں اسلم کے ساتھ
قرآن کانفرنس میں چلا گیا۔ یہ کانفرنس ایک بڑے ہال میں منعقد ہو رہی تھی۔ مجمع
بہت بڑا تھا۔ اس کے صدر اس وقت لاہور کے مشہور فاضل اور مبلغ اسلام جناب ڈاکٹر
اسرار احمد تھے، اور جناب مولانا ارشاد الحق صاحب تھانوی "حضرت شاہ ولی اللہ
الدہلوی کی تفسیری خدمات" پر ایک دقیع اور طویل مقالہ پڑھ رہے تھے۔ میرا جی چاہتا
تھا کہ پورا مقالہ سنوں، لیکن میں جا کے بیٹھا ہی تھا کہ جناب صدر صاحب نے مقالہ کی
رکوا کر کانفرنس میں میری آمد اور اوس پر اپنی دلی مسرت کا اعلان کر دیا اور کانفرنس
کی طرف سے مجھ سے تقریر کی فرمائش کی۔ کانفرنس میں مولانا محمد طاسین (کراچی) اور
دوسرے چند علماء بھی ڈائس پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے لئے اب امتثال امر کے سوا چارہ
ہی کیا تھا! کھڑا ہو گیا اور قرآن مجید سے ہی متعلق کم و بیش پون گھنٹہ تقریر کی، تقریر کے
بعد چند سوالات کئے گئے اون کے جوابات عرض کئے۔

اورنٹیل کالج تقریر کے بعد ہی حضرات علماء اور جناب صدر سے رخصت ہو کر کانفرنس

ہر آگیا ۔ قریب ہی اورنٹیل کالج تھا جو ۱۹۲۸ء ۱۹۲۹ء کے تعلیمی سال میں نو ماہ تک میرا قدیم
شیانہ رہا ہے ، جی میں آیا کہ اسے بھی دیکھ لوں ، خواجہ عبدالرشید صاحب کے ساتھ اُن
نہیں کی کار میں کالج آیا ، اوس کے درو دیوار اور سادہ عمارت کو (جس میں گزشتہ
چاس برس میں ذرہ برابر بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے) دیکھکر اپنے یہاں قیام کا وہ زمانہ
د آگیا ۔ جب کہ برصغیر میں ہی نہیں ، بلکہ اس سے باہر بھی اس کالج کی عظمت و شہرت کا ڈنکا بجتا
تھا ۔ مولوی محمد شفیع ایم ۔ اے کینٹب ۔ (عربی) پروفیسر محمد اقبال (فارسی) حافظ محمود خاں
یرانی (اردو) اور مولانا نجم الدین ۔ مولانا نور الحق ، مولانا سید محمد طلحہ جیسے نامور
ر بلند پایہ اساتذہ کی بیک وقت اس کالج میں موجودگی اور پھر اورنٹیل کالج
بلکہ ین ایسے اعلی درجہ کے تحقیقی سہ ماہی مجلہ نے علمی حلقوں میں کالج کی دھوم
پا رکھی تھی ، کالج کے ہی پاس ولز ہوسٹل ہے ۔ اوس پر نگاہ پڑی تو اپنے اوس زمانہ
نہایت بے تکلف دوست اور ساتھی مولوی نذیر احمد مرحوم ، مسعود احمد ،
ید محمد ٹونکی ، غلام غوث ، محمد شریف اور صدیق احمد بیساختہ پرانی یادوں کے پردہ
ہیں پر

ابھر کر اپنی جھلک دکھا گئے

رو فیسر عبادت بریلوی	میرے زمانہ میں کالج کے پرنسپل مولوی محمد شفیع صاحب مرحوم تھے اب دس بارہ برس سے اس کے پرنسپل میرے دیرینہ عزیز دوست

اکٹر عبادت بریلوی ہیں ۔ اورنٹیل کالج کی گذشتہ روایات کے مطابق موصوف
ب یونیورسٹی میں اردو کے پروفیسر اور صدر شعبہ بھی ہیں اور اورنٹیل کالج
کے پرنسپل بھی ۔ اردو زبان کے بلند پایہ ادیب اور نقاد ہیں ۔ نقاد عام طور پر
ق نہیں ہوتے ان کی خصوصیت یہ ہے کہ محقق بھی اسی مرتبہ کے ہیں ۔ چنانچہ لندن
نیورسٹی کے پنج سالہ مدت قیام میں انہوں نے برٹش میوزیم اور انڈیا آفس

میں اردو کے جو مخطوطات محفوظ تھے۔ انہیں کھنگال ڈالا اور ان میں سے متعدد نادر اور اہم مخطوطات کو اڈٹ کر کے شائع کیا۔ اون کی زندگی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے لئے وقف ہے۔ فضول اور لغو باتوں میں وقت ضائع نہیں کرتے۔ اون کے اوقات منضبط ہیں۔ جن میں پابندی سے کام کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مقالات اور کتابوں کی شکل میں اتنا لکھا ہے کہ اون کے کسی معاصر نے شاید ہی لکھا ہو، ہر کام بڑے سلیقہ اور دل کی لگن کے ساتھ کرتے ہیں۔ غالب صدی تقریبات کے سلسلہ میں یونیورسٹی کا پورا منصوبہ انہیں کی نگرانی میں بڑی خوبی اور عمدگی سے پایہ تکمیل کو پہونچا۔ اور اب انہوں نے اورنٹیل کالج میگزین کے منتخب مضامین و مقالات (جن میں دو مقالے خاکسار راقم الحروف کے بھی ہیں) کئی جلدوں میں بڑے اہتمام و انتظام سے شائع کئے ہیں۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ ارباب علم و ذوق کو ان کا ممنون ہونا چاہئے۔ سنا ہے کہ مولوی محمد شفیع صاحب اور حافظ محمود خاں صاحب شیرانی کے مقالات کے مجموعے بھی شائع ہو گئے ہیں۔ لیکن وہ میری نظر سے نہیں گذرے، علمی اور ادبی کمالات کے علاوہ پروفیسر عبادت بریلوی بحیثیت انسان کے بھی بہت خوب آدمی ہیں، نہایت خوش اخلاق متواضع اور سنجیدہ و متین اور وہ اون عیوب سے پاک ہیں جن میں اردو کے ادیب اور نقاد، چند خاص خاص لوگوں کو مستثنیٰ کر کے عام طور پر مبتلا نظر آتے ہیں۔ میرا اون کا تعلق اوس زمانہ سے ہے جب کہ وہ تقسیم سے پہلے دلی کے اینگلو عربک کالج میں لکچرر تھے۔ اور میں سینٹ اسٹیفنس کالج میں تھا۔ پاکستان منتقل ہو جانے کے بعد اون سے پہلی ملاقات ۶۳ء میں لندن میں ہوئی تو حسب معمول بڑی محبت سے پیش آئے۔ ایرپورٹ پر آئے، مکلف دعوتیں کھلائیں اور لندن یونیورسٹی کے متعدد پروفیسروں سے ملاقات کرائی لاہور میں جب تک رہا

قریباً روزانہ ہی ملاقات ہوتی رہی۔

ہم تینوں کالج میں پروفیسر عبادت بریلوی کے دفتر میں آکر بیٹھ گئے، یہاں چائے پی
بات چیت کی آج کالج کی تعطیل تھی مگر دفتر کھلا ہوا تھا۔ عبادت صاحب نے کہا۔ افسوس
ہے۔ آج کالج بند ہے ورنہ میں آپ کی تقریر کراتا۔ اتنے میں ڈاکٹر وحید قریشی اور عبدالشکور
صاحب احسن جو کالج میں استاد ہیں۔ آگئے اور اون سے بھی ملاقات ہوگئی جب ہم یہاں
سے رخصت ہونے لگے تو عبادت صاحب بریلوی نے اپنی جدید تصنیفات جو آٹھ سے
زیادہ تھیں اور اورنٹیل کالج میگزین کے منتخب مقالات کی متعدد جلدیں اور
معیار الافاضل (قدیم فارسی لغت) جس کو ڈاکٹر محمد باقر سابق پروفیسر فارسی پنجاب
یونیورسٹی نے آڈٹ کیا تھا اور ڈاکٹر نذیر احمد پروفیسر فارسی علی گڑھ یونیورسٹی
نے اوس پر محققانہ تنقید لکھی تھی۔ اوس کی جلدیں بھی میرے نذر کیں۔

عبدالرحیم صاحب رجسٹرار یونیورسٹی

کالج سے ہم لوگ پھر یونیورسٹی آگئے یہاں ہسٹاریکل کانفرنس ہو رہی
تھی یہاں عبدالرحیم صاحب سے ملاقات کر کے خوشی ہوئی۔ میں
۱۹۶۳ء میں جب مونٹریل (کناڈا) میں تھا تو رحیم صاحب بھی وہیں تھے۔
اوس زمانہ میں پنجاب یونیورسٹی لاہور میں لائبریرین تھے۔ چھ سات ماہ کے لئے
اوس انسٹیٹوٹ میں جس سے میرا تعلق تھا اپنے ایک پروجیکٹ کے سلسلہ میں آئے ہوئے
تھے۔ بڑے نیک اور قابل ہیں، اون سے وہاں روز ہی ملاقات ہوتی تھی۔ جمعہ کی
نماز ہم لوگ انسٹیٹوٹ کے ایک ہال میں پڑھتے تھے۔ اوس میں یہ پابندی سے شریک
ہوتے اور کبھی کبھی تقریر بھی کرتے تھے۔ اون کے بعض دوستانہ مشوروں سے وہاں
کے زمانہ قیام میں مجھے بہت فائدہ پہونچا میرے بے تکلف اور مخلص دوست
بن گئے تھے۔ اب آج کل یونیورسٹی کے رجسٹرار ہیں۔

ڈاکٹر رانا احسان آلہی

ڈاکٹر رانا احسان آلہی سے بھی ملاقات ہوئی۔ ان سے سیرت

کانفرنس کے دنوں میں روزانہ ہی ملاقات ہوتی تھی، یونیورسٹی میں شعبۂ عربی کے صدر ہیں پہلے ریڈر تھے اب پروفیسر ہیں۔ مولانا عبدالعزیز میمن کے شاگرد ہیں۔ تحقیق کا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں۔ اُن کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ عربی ادب کے کسی اہم موضوع پر تھا (اب اُس کا نام یاد نہیں رہا) میں نے اُس کے دیکھنے کی فرمائش کی تو وہ مقالہ مجھے دے گئے۔ میں نے اسے پڑھ کر دو دن کے بعد واپس کر دیا۔ بڑے خلیق، ملنسار اور متواضع دوست ہیں۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر معزالدین ڈائرکٹر اقبال اکاڈمی اور ڈاکٹر سعید شیخ ڈائرکٹر ادارۂ ثقافت اسلامیہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ یہ دونوں سیرت کانفرنس کے دوستوں میں سے ہیں۔ لفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید تو برابر ساتھ ہی رہے۔

پروفیسر شیخ عبدالرشید اس کانفرنس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ شیخ عبدالرشید صاحب سے ملاقات ہوگئی، ورنہ سخت افسوس رہتا۔ شیخ صاحب سے میرے تعلقات اُس زمانہ سے ہیں۔ جب کہ میں کلکتہ میں تھا۔ اور شیخ صاحب علی گڑھ میں تاریخ کے پروفیسر اور صدر شعبہ تھے، وہ کلکتہ آتے تو مع اہل خانہ میرے ہاں قیام کرتے تھے اور میری بچیاں امتحان دینے علی گڑھ جاتی تھیں تو شیخ صاحب کے یہاں ایک ایک مہینہ ٹھہرتی تھیں شیخ صاحب کا قیام علی گڑھ میں کم و بیش تیس برس رہا۔ یونیورسٹی میں اُن کا بڑا مرتبہ اور وقار تھا۔ ہال کے پرووسٹ بھی رہے۔ ۱۹۵۹ء میں جب میں کلکتہ سے منتقل ہو کر علی گڑھ آیا یہ اپنے عہدہ سے سبکدوش ہو گئے، شیخ صاحب یونیورسٹی کی سوسائٹی میں ایسے رچ بس گئے تھے اور اُن کو علی گڑھ سے ایسی محبت ہو گئی تھی کہ اُن کا ارادہ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی علی گڑھ میں رہنے کا تھا۔ چنانچہ انہوں نے یہاں رشتہ داری بھی کر لی تھی۔ لیکن بد قسمتی سے یہاں حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ اُن کو بددل اور بیزار ہو کر علی گڑھ کی سکونت ترک کرنی پڑی۔ اور وہ لاہور چلے گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب مرحوم کی وائس چانسلری کے

زمانہ میں ہی اساتذہ یونیورسٹی میں دو گروہ پیدا ہو گئے تھے ایک اسلام پسند اور دوسرا کمونسٹ جو اپنے آپ کو ترقی پسند کہتا اور اپنے حریف کو رجعت پسند کہتا تھا اس دوسرے طبقہ کے سربراہ ڈاکٹر عبدالعلیم (عربی) اور ڈاکٹر نورالحسن (تاریخ) تھے، اول الذکر طبقہ کے لیڈر پروفیسر عمرالدین مرحوم (فلسفہ) تھے۔ کمونسٹ یا ترقی پسند گروہ اقلیت میں تھا اور علمی اعتبار سے بھی کچھ زیادہ ممتاز یا نمایاں شہرت کا مالک نہیں تھا۔ اس کے بالمقابل اسلام پسند طبقہ اکثریت میں تھا اور اس میں یونیورسٹی کے ممتاز اساتذہ مثلاً پروفیسر ابرار مصطفیٰ (نباتات) پروفیسر شیخ عبدالرشید (تاریخ) پروفیسر عمر فاروق مرحوم (کیمسٹری) پروفیسر طاہر رضوی (جغرافیہ) پروفیسر شاہ مسعود عالم (جیالوجی) اور پروفیسر حفیظ الرحمٰن (قانون) اور ہندو پروفیسر گل (فزکس) وغیرہ شامل تھے، لیکن اس کے باوجود ترقی پسند طبقہ ذاتی تعلقات اور کچھ اپنی ڈپلومیسی کے باعث وائس چانسلر پر چھایا ہوا تھا۔ اور اس توسط سے یونیورسٹی کی اکزکٹو کونسل پر بھی اپنا رسوخ و اثر رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس گروہ کی دست درازیاں حد سے متجاوز ہو گئیں تو ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب بھی اسے برداشت نہ کر سکے، لیکن اب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ اس لئے خود کچھ نہ کر سکے تو اپنے عہدہ کا ٹرم ختم ہونے سے پہلے ہی استعفا دیکر یہاں سے رخصت ہو گئے، اپنے استعفےٰ کی یہ وجہ خود ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے بیان کی تھی جب کہ وہ بہار کے گورنر کی حیثیت سے ۱۹۵۸ء میں کلکتہ آئے اور مس نائیڈو گورنر کے ساتھ گورنمنٹ ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

ذاکر صاحب کے بعد کرنل بشیر حسین زیدی وائس چانسلر ہوئے تو بعض خاص اسباب سے ان دونوں گروہوں کی آویزش و کشمکش میں شدت پیدا ہو گئی اور اس کا نتیجہ ایک یہ بھی ہوا کہ جب پروفیسر شیخ عبدالرشید ریٹائرمنٹ کی عمر کو پہونچے تو اگرچہ اپنی دیرینہ کارگذاریوں اور یونیورسٹی کی خدمات کے باعث یونیورسٹی کے قوانین کے

مطابق یہ تین برس کی توسیع کے مستحق تھے۔ لیکن ترقی پسند طبقہ نے دباؤ ڈال کر اکز کٹ
کونسل سے یہ رزولیوشن منظور کرالیا کہ شیخ صاحب کو توسیع نہ دی جائے، چنانچہ شیخ
صاحب کو سبکدوش کر دیا گیا۔ اور اس کے بعد ہی ڈاکٹر نورالحسن پروفیسر اور صدر شعبہ
تاریخ مقرر ہو گئے۔ شیخ صاحب پر طبعی طور پر اس واقعہ کا ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے علیگ
کو ہمیشہ کے لئے خیر آباد کہدینے کا فیصلہ کر لیا، شیخ صاحب نے یہ فیصلہ کس روحانی کرب
و اضطراب سے کیا تھا؟ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب وہ علی گڈھ سے رخصت
ہوئے ہیں تو اسٹیشن پر الوداع کہنے والوں میں میں بھی تھا۔ ہم سب نے دیکھا کہ شیخ
صاحب کی آنکھیں پرنم ہیں، چہرہ بھرایا ہوا ہے۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ غیر معمولی
صبر و ضبط سے کام لے رہے ہیں، ورنہ چیخیں مار مار کر رو پڑتے، حقیقت یہ ہے
کہ اس نام نہاد ترقی پسند طبقہ نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو سیکولر بنانے میں
کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا اور جیسا کہ اخبارات کی رپورٹوں کے مطابق سال
چیف جسٹس ہدایت اللہ نے ابھی پچھلے دنوں بمبئی میں جامعہ اردو علی گڈھ کے کنووکیشن
کے خطبۂ صدارت میں بڑی صفائی سے کہا ہے ۱۹۶۵ء کے مسلم یونیورسٹی ایکٹ کی بل
اسی طبقہ کی کوششوں اور ریشہ دوانیوں کا شاخسانہ ہے جو مسلمانوں کے ہزار احتجاج
کے باوجود اب تک یونیورسٹی پر مسلط ہے۔

شیخ صاحب کی عمر ۸۷-۸۸ برس کے لگ بھگ ہو گی۔ کمزوری کا غلبہ اون کے چہرے
بشرہ اور رفتار و گفتار سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن اب تک متحرک اور فعال ہیں۔ اس کا نفر
کے کل سرسبد ہی تھے۔ دونوں وقت شروع سے آخر تک کانفرنس میں شریک رہے۔ اور
اوس کی کارروائیوں میں سرگرم حصہ لیا۔ طبعاً نہایت شریف، خوش اخلاق، سیر چشم اور بڑے
عالی حوصلہ انسان ہیں۔ اون سے ملکر ہمیشہ بڑی خوشی ہوتی ہے۔ وہ اب بھی ندوی اسلم اور ریحا
کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

اسلام کے فلسفۂ سیاست کی بنیادیں

(۳)

از ڈاکٹر ماجد علی خاں لکچرر اسلامیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

اجتماعی و سیاسی نظام (حکومت) کی ضرورت

۲۔ وراثت صلحاء | قرآن کریم نے اسلامی حکومت کی حقیقت کا اظہار وراثت کے لفظ سے بھی کیا ہے ۔ قرآن کریم کی رو سے حکومت صلحاء کی میراث ہے یعنی نسل انسانی کے جو افراد صحیح معنی میں نیک کردار اور بہترین صلاحیتوں کے مالک ہیں ، اگر وہ دنیا کے کسی حصہ میں موجود ہیں تو زمین کی سلطنت ان کا حق اور وہ ان کی میراث ہے :۔

أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (الانبیاء : ۱۰۵) ۲۱
"زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے"

إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (الاعراف : ۱۲۸)
"زمین اللہ کی ہے ۔ اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے"

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا (الاعراف : ۱۳۷)
"اور ان کی جگہ ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور بنا کر رکھے گئے تھے ، اُس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جسے ہم نے برکتوں سے مالامال کیا تھا ۔ اس طرح بنی اسرائیل کے حق میں تیرے رب کا وعدۂ خیر پورا ہوا ۔ کیونکہ انہوں نے صبر سے کام لیا تھا"

وَاَوۡرَثَكُمۡ اَرۡضَهُمۡ وَدِيَارَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ وَاَرۡضًا لَّمۡ تَطَــُٔوۡهَا ؕ (الاحزاب۳۳: ۲۷)

"اور اس نے تمکو ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے اموال کا وارث بنا دیا اور وہ علاقہ تمہیں دیا جسے تم نے کبھی پامال نہ کیا تھا۔

اوپر نقل کی گئی سورہ انبیاء کی آیت ۱۰۵ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وراثت ارض سے تمام روئے زمین مراد ہے جسکے مالک مسلمان (صالحین) ہوں گے۔ اسی آیت کے ذیل میں علامہ زمخشری قرآن کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زبور داؤد اور قرآن کا نوشتہ یہ ہے کہ روئے زمین سے باغیوں (یعنی اللہ کے نافرمانوں) کے اقتدار کو ختم کر دیا جائے گا اور ایماندار انسان اس کے وارث ہوں گے۔ [۱]

ابوحیان غرناطی تصریح کرتے ہیں کہ وراثت اسلام کے فرمانبردار انسانوں کی حکومت کا نام ہے۔ یہ وہ ذمہ داری ہے، جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو حاصل ہوگی۔

اس طرح نظریۂ وراثت کی رو سے مسلمان ایک صالح، اصلح اور صلاحیت مند ہیں اور خلافت فی الارض ان کی میراث ہے کیونکہ اللہ کے نزدیک صلاحیت کا معیار اب صرف قرآن اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے اندر صلاحیت پیدا کریں اور عقیدہ و عمل کی درستگی کی فکر کریں تاکہ ان کی وراثت ان کو واپس مل جائے۔ کیونکہ خلافت فی الارض کے ملنے کی حقیقی شرط ایمان و عمل صالح ہیں۔ اللہ کا یہ وعدہ قرون اولیٰ میں ایمان اور اعمال صالحہ کی بنیادوں پر پورا ہوا ہے اور آئندہ زمانوں میں بھی انہی بنیادوں پر پورا ہو سکتا ہے۔

۳۔ امانت الٰہی نیز اسلام کے نزدیک حکومت اللہ کی ایک امانت ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں ایک مجلس مشاورت کی افتتاحی تقریر میں اس طرح فرمایا۔ "میں نے آپ

---

[۱] دیکھئے زمخشری کشاف، تفسیر آیت ہذا۔

لوگوں کو جس غرض کے لئے تکلیف دی ہے وہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ آپ کے معاملات (ومسائل) میں امانت کا جو بار مجھ پر ڈالا گیا ہے اسے اٹھانے میں آپ میرے ساتھ شریک ہوں ... لہ

قرآن کریم نے گو لفظ امانت صاف طور پر تو حکومت کے لئے استعمال نہیں کیا ہے۔ لیکن مندرجہ ذیل آیت میں جس امانت کا ذکر ہے اس میں بالواسطہ حکومت بھی آجاتی ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ہ (الاحزاب ۳۳ : ۷۲)	"ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے لیکن انسان نے اسے اٹھا لیا۔ بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔"

علامہ زمخشری کے نزدیک امانت ایک عظیم القدر سنگین اور گرانبار ذمہ داری ہے۔ امانت سے مراد اطاعت ہے۔ اللہ کے حکم اور امتناعی احکام کی اطاعت۔ ؎۲ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی تحریر کرتے ہیں "امام غزالی اور بیضاوی وغیرہ نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ یہاں امانت سے مراد عہدہ تکلیف ہے جو کہ آسمان و زمین کے آگے پیش کیا گیا اور جس کی وجہ سے (خدا کی) اطاعت کرنے سے ثواب اور اس کی معصیت و نافرمانی کرنے سے عذاب ملتا ہے اور یہ کہ ان کے آگے پیش کرنے سے ان کی استعداد و قابلیت کا اندازہ لگانا مراد ہے (کہ وہ اس کو سرانجام دے سکتے ہیں) اور انسان کے اٹھانے سے اس کی لیاقت اور استعداد مراد ہے۔" ؎۳ ۔ آگے چل کر باب سیاسۃ الاعوان (حجۃ اللہ البالغہ) میں شاہ صاحب تحریر کرتے ہیں۔

"جبکہ بادشاہ تنہا تمدن کی تمام مصلحتوں کو سرانجام نہیں دے سکتا تو اس کے

لہ کتاب الخراج۔ امام ابو یوسف صفحہ ۲۵ طبع مصری ؎۲ زمخشری، کشاف۔ تفسیر آیت ہذا۔ ؎۳ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ صفحہ ۲۴

لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس ہر کام کے معاون ہوں۔ معاونین کے لئے یہ شرط ہے کہ انہیں امانت کی صفت ہو۔۔۔[1]

مولانا حامد الانصاری غازی اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں

"زید بن اسلم اور جبائی کی تحقیق یہ ہے کہ نظریۂ امانت کا تعلق حکومت کے کارپردازوں سے ہے۔ امانت یہ ہے کہ حکومت کی ذمہ داری اور عوام کے حقوق کے لئے فرض شناسی کے ساتھ کام کیا جائے اور ان کو مذہب اور قانون کے مطابق پورا کیا جائے۔

قرآن نے جہاں امانت کی ادائیگی کا حکم دیا ہے وہاں یہ بھی حکم ہے کہ جب تم لوگوں کے درمیان حکومت کے کام کو چلاؤ تو انصاف کو مدنظر رکھو[2]

حدیث اور تاریخی آثار سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ حکومت کی حقیقت کے اظہار میں امانت کا بڑا دخل ہے۔ حضرت ابو ذرؓ کا بیان ہے کہ میں نے سرور دو عالم سے عرض کیا کہ مجھے بھی حکومت کا کام سپرد کیا جائے۔ اس کا جواب ملا (انھا امانت) "ابو ذر حکومت امانت ہے" [3] یہ ہر شخص کو نہیں دی جا سکتی۔ اس کی تائید امیر المومنین حضرت علیؓ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں "امام کی ذمہ داری یہ ہے کہ خدا کے قانون کے مطابق حکومت کرے۔ امانت کو ادا کرے، جب امام اسطرح حکومت کا فرض انجام دے تو عوام کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس کے حکم کو سنیں اور اطاعت کریں اور جب وہ میدان عمل میں بلائے تو اس کی آواز پر لبیک کہیں۔"

امیر المومنین فاروق اعظمؓ کا قول ہے۔ "جو شخص حکومت کی ذمہ داریوں کو مناسب صورت میں تقسیم نہیں کرتا وہ اللہ، رسول اور مسلمانوں کے حق اور ان کی امانت میں خیانت کرتا ہے"۔[4]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۲ [2] (واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل)

[3] کتاب الاموال امام ابو عبید قاسم بن سلام ص ۵ [4] ایضاً ص ۵

علامہ ابن تیمیہؒ "اچھی حکومت کے دو ستون قرار دیتے ہیں ۔ امانت اور انصاف ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے ۔ کہ امانت کا اساسی مفہوم حکومت ہے ۔ اور اچھی حکومت کے آئینہ میں امانت ایک موثر عنصر کی طرح کار فرما ہے ۔ ۵۱

اوپر نقل کی گئی حضرت ابوذرؓ والی پوری حدیث اس طرح ہے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا کہ "اے ابوذر ! امارت و حکومت ایک امانت الٰہی ہے اور قیامت کے دن حسرت و ندامت کا باعث ہوگی ۔ سوائے اس شخص کے جس نے اس کو اس کے حق کے ساتھ قبول کیا اور اس کے تمام حقوق ادا کرتا رہا ۔" ۵۲

ایک اور حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب امانت ضائع کی جانے لگے تو اس وقت قیامت کے منتظر رہو ۔" التماس کی گئی رسول اللہ امانت کے ضائع کرنے سے کیا مراد ہے ؟ فرمایا کہ "جب کسی کام کو نا اہل کے سپرد کیا جائے تو اس کے بعد قیامت کا انتظار کرو ۔" ۵۳

امام ابن تیمیہ رح لکھتے ہیں کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ولایت و حکومت ایک امانت الٰہی ہے جس کا ادا کرنا اس کے موقع و محل میں واجب ہے ۵۴ امام ابن تیمیہ رح نے حکومت کے امانت ہونے کی دلیل میں مندرجہ ذیل آیت بھی پیش کی ہے :-

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ۝ (النساء : ۵۸)	"مسلمانو ! اللہ تعالیٰ تمکو حکم دیتا ہے کہ امانت رکھنے والے جب بھی خواہش کریں تو ان کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو ۔ اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑے فیصل کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو

---

۵۱ اسلام کا نظام حکومت صفحہ ۲۵۰-۲۵۱ ۔ ۵۲ صحیح مسلم ۔ ۵۳ صحیح بخاری

۵۴ سیاست الٰہیہ صفحہ ۲

اللہ تم کو جو نصیحت کرتا ہے وہ تمہارے حق میں بہت
بہتر ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کی سنتا اور
سب کو دیکھتا ہے۔

اس کے بعد وہ تحریر کرتے ہیں کہ "یہ آیت والیانِ حکومت سے متعلق ہے جو اس بات کے مامور ہیں کہ لوگوں کی امانتیں ان کے حوالے کریں اور جب لوگوں کی نزاعوں کا فیصلہ کریں تو عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔" سلہ

امام ابن تیمیہؒ مزید تحریر کرتے ہیں "یاد رہے کہ ادائے امانات کی دو۲ قسمیں ہیں۔ امانت فی الولایات۔ اور امانت فی الاموال۔ اوپر درج ہوئی آیت امانت فی الولایات سے متعلق ہے اور یہی اس کی شانِ نزول ہے۔ جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو آپ نے قبیلہ بنو شیبہ کے سردار عثمان بن طلحہؓ سے کعبۂ معلّٰی کی کنجی طلب فرمائی اور اس میں داخل ہو کر نماز پڑھی۔ جب آپ باہر آئے تو آپ کے عم محترم حضرت عباسؓ بن عبد المطلب عرض پیرا ہوئے۔ یا رسول اللہ! حاجیوں کو پانی پلانے کا انتظام میرے سپرد ہے اگر کعبۂ معلّٰی کی پاسبانی بھی مجھے تفویض ہو اور بنو شیبہ کی بجائے میں کعبۂ معلّٰی کا کلید بردار بنا دیا جاؤں تو بڑی عنایت ہو گی۔ اس وقت مندرجہ صدر آیت یعنی "مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں کی امانتیں اُن کو واپس کر دیا کرو۔" نازل ہوئی اور آپؐ نے بیت اللہ کی کنجیاں عثمان بن طلحہ رئیس بنو شیبہ کو دے دیں۔ پس مسلمان ولی الامر یعنی حاکم پر یہ واجب ہے کہ اعمالِ مسلمین ہی سے ہر عمل پر ایسے شخص کو عامل بنائے جو مسلمانوں میں سے سب سے زیادہ اس کا اہل ہو۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا والی ہو اور اس نے یہ جانتے ہوئے کہ ایسا شخص بھی میسر ہو سکتا ہے جو مسلمانوں کے حق میں اس سے بہتر ہو سکے گا۔ کسی شخص کو حکومت دے دی تو اس نے

سلہ سیاست الٰہیہ صلا

اللہ سے اور اس کے رسول سے اور مومنوں سے خیانت کی۔ اس حدیث کو حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ جس نے کسی کو ایک جماعت پر سردار بنایا اور وہ جانتا ہے کہ اس جماعت میں اس سے بہتر آدمی بھی سرداری کے لائق موجود ہے تو اس نے اللہ سے اس کے رسول سے اور مومنوں سے خیانت کی۔" [1]

بہرحال اس نظریہ کے مطابق حکومت کسی شخص کا ذاتی فعل نہیں تسلیم کی جا سکتی بلکہ وہ ایک خدائی امانت ہے۔ اس کا تحمل کرنے والا ایک برتر ذات کے سامنے جواب دہ اور عوام کے سامنے مسئول ہے۔ اس کا ہر فعل ایک قانونی حق ہے۔ ہر حق کے ماتحت ایک ذمہ داری ہے اور ہر ذمہ داری ایک امانت ہے۔ خدا کی امانت اور جمہوریت کی امانت۔ جب تک حکومت کا امیر اس تصور کے ماتحت اپنے فرائض انجام دے گا وہ اسلامی حکومت کا رئیس متصور ہوگا۔ لیکن جب وہ اس کے خلاف اپنی شخصی رائے سے کام کرے گا تو اسلامی حکومت کا تصور خلافت و امانت ختم ہو جائے گا۔

۴۔ تحکیم بالعدل (JUSTICE) حکومت کو نیابتی اور امانت الٰہی تسلیم کرنے کے بعد یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ انسان قوم، رنگ اور نسل وغیرہ کے امتیازات ختم کر دے اور عدل کو بنیاد بنائے اس لئے اسلام کے نزدیک حکومت کا ایک بنیادی عنصر عدل ہے۔

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (النساء: ۵۸)

"اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو تمہارا فیصلہ عدل کے ماتحت ہونا چاہیے۔"

وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (الشوریٰ: ۱۵)

"اور (اے محمدؐ) کہدو کہ اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی میں اس پر ایمان لایا۔ اور مجھے (یہ حکم بھی) دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف (عدل) کروں۔"

---

[1] سیاست الٰہیہ ص ۱۳۔۱۵

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ (الانعام: ۱۵۲)

"اور جب کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو"

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (المائدۃ: ۸)

"اور کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ ہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے"

اسلامی حکومت میں عدل وہ بنیادی چیز ہے جس کے مقابلہ میں کوئی رعایت نہیں کی جا سکتی سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی تاریخ کا عصر اول (یعنی خلفائے راشدین کا دورِ خلافت) اس بات کا گواہ ہے کہ عدل کے مقابلہ میں مذہب کی بھی رعایت نہیں کی گئی۔

عبداللہ بن ابی حدرد اسلمیؓ سے روایت ہے کہ ان پر کسی یہودی کے چار درہم تھے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا "اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے ان پر (یعنی عبداللہ بن ابی حدردؓ پر) چار درہم ہیں اور انہوں نے میرے اوپر غلبہ پالیا ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت عبداللہ بن ابی حدردؓ سے) فرمایا۔ اس کو اس کا حق دے دو۔ میں نے عرض کیا "جس نے آپ کو حق پر مبعوث فرمایا میں اس کی مقدرت نہیں رکھتا"۔ آپؐ نے دوبارہ یہ ہی فرمایا "اس کو اس کا حق دیدو"۔ حضرت عبداللہ نے پھر عرض کیا۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے اس کی (ادائگی کی) مقدرت نہیں ہے۔ میں نے ان سے (یعنی اس یہودی سے) کہا ہے کہ آپؐ ہمیں خیبر روانہ کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ ہمیں وہاں کچھ غنیمت حاصل ہو جائے گی۔ پس (وہاں سے) واپس آکر میں ان کا قرض ادا کر دوں گا۔ لیکن آپؐ نے تیسری دفعہ پھر فرمایا "اس کو اس کا حق دے دو"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قاعدہ تھا کہ جب آپ کسی کام کے لئے تین دفعہ فرما دیتے تھے تو پھر اسکو واپس نہیں

لیتے تھے ۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی حدرد رضؓ بازار گئے۔ ان کے سر پر ایک عمامہ اور ایک چادر تھی
انہوں نے چادر کو چار درہموں میں فروخت کیا ۔ اور یہودی کا قرضہ ادا کیا ۔ لـه

حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ قریش ایک مخزومی عورت کے معاملہ میں بہت فکر مند
تھے جس نے چوری کی تھی (اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا)
قریش نے کہا کہ کون اس کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (سفارش کی) بات چیت
کرے گا بعض لوگوں نے کہا اسامہ بن زید رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب ہیں
وہ کچھ کہہ سکتے ہیں تو وہی کہہ سکتے ہیں ۔ چنانچہ اسامہ بن زید رضؓ نے آپؐ سے اس کا ذکر کیا
آپؐ نے فرمایا تو خدا کی حدود میں سفارش کرتا ہے ۔ یہ کہہ کر آپؐ کھڑے ہو گئے اور
لوگوں کے سامنے خطبہ دیا ۔ پھر فرمایا تم سے پہلی امتیں اس لئے ہلاک ہوئی ہیں کہ ان
میں سے جب کوئی شریف آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو سزا نہ دیتے تھے ۔ قسم ہے خدا کی اگر
فاطمہ رضؓ محمد کی بیٹی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دونگا" ۔ ـلـه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عادل و منصف حاکم خدا کے ہاں
نور کے ممبروں پر خدا کے داہنے ہاتھ پر ہوں گے اور خدا کے دونوں ہاتھ داہنے
ہیں ۔ ہاں وہ عادل حاکم جو اپنے احکام میں اپنے اہل میں اور اپنی ولایت و حکومت میں
عدل کرتے ہیں ۔ ـلـه ظالم حاکم کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا
فرمانا ہے " جو حاکم مسلمانوں کی سرداری کو اپنے ہاتھ میں لے اور اس حالت میں
مرے کہ خائن و ظالم ہو تو خدا وند تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا (یعنی وہ جنت
میں نہیں جائے گا) " ـلـه اس سلسلہ میں بکثرت احادیث اور آثار وارد ہوئے
ہیں جن کو طوالت کی وجہ سے تحریر نہیں کیا جا رہا ہے ۔

کنز العمال ج ۳ صـ ۱۸۱ الاصابۃ ج ۲ صـ ۲۹۵ کذا فی الحیاۃ الصحابہ رضؓ لمحمد یوسف الکاندھلوی ج ۲ صـ ۸۱ ـ ۸۲
بخاری و مسلم کذا فی المشکوۃ ۔ ـلـه مسلم کذا فی المشکوۃ ـلـه بخاری و مسلم کذا فی المشکوۃ

اسلام میں عدل کا مطلب یہ ہے کہ قانونِ الٰہی (یعنی قرآن و سنت کے احکامات) سب کے لئے یکساں ہیں اور اس کو مملکت کے ادنیٰ شخص سے لیکر اعلیٰ شخص (بمع سربراہ) سب پر یکساں نافذ ہونا چاہیئے۔ قانون الٰہی میں کسی بھی شخص کے لئے کسی امتیازی سلوک یا رعایت کی گنجائش نہیں ہے۔ کسی کے حق کی ادائیگی میں کسی قسم کا تعصب یا عصبیت آڑے نہیں آنا چاہیئے۔ انصاف کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔ باعتبار انسان سب کے حقوق یکساں ہیں۔ قانون الٰہی اور اس کی ہمہ گیری سے خواص تو کیا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بیان فرماتے ہیں۔

رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یُقید من نفسہ۔ (بخاری و مسلم)

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنی ذات سے بدلہ لیتے دیکھا ہے۔"

غرض اسلام ایک ایسے ہمہ گیر عدل کی دعوت دیتا ہے جو تمام انسانوں کے لئے یکساں ہے۔ وہ سیاستِ شرعیہ (یا دینی حکومت) کی بنیاد عدل پر رکھتا ہے اور اسکو حکومت کا ایک بہت ہی اہم بنیادی عنصر قرار دیتا ہے۔

مساوات (Equality)

جس حکومت کی بنیاد اللہ کی حاکمیت اور اس کی وحدانیت کے عقیدے پر ہوگی۔ اور جس میں انسان کی حیثیت اللہ کے عبد اور اس کے خلیفہ کی ہوگی اس میں مساوات کو بنیادی اہمیت حاصل ہوگی (شریعت جس کی بنیاد پر دینی حکومت قائم ہوگی) کا اطلاق ہر فرد پر یکساں ہوگا۔ قوم و نسل، رنگ و زبان اور دیگر تنگ نظر۔ نظریات کی بنیادیں ختم ہوں گی۔ کسی بھی گروہ، طبقہ یا جماعت کو دینی حکومت میں امتیازی حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔ سیاست شرعیہ کے پیش نظر نسل و قوم کی حیثیت صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ تعارف حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ

"اے انسانوں! ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنائیں۔ تمہاری ذاتیں

...رَ فُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ ... اکُمْ۔ (الحجرات : ۱۳)

اور قبیلے تاکہ تم آپس میں تعارف حاصل کرو۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا :۔

...الناس الا ان ربکم واحد ...فضل لعربی علی عجمی، ولا لعجمی ...عربی، ولا لاسود علی احمر، ...احمر علی اسود الا بالتقوٰی[۱]

"اے انسانوں! تمہارا رب ایک ہے۔ عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر۔ اور کالے کو گورے پر یا گورے پر کالے کو کوئی فضیلت نہیں ہے مگر تقوٰی کی بنیاد پر۔"

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا۔

...شہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واستقبل ...تنا وصلی صلوتنا واکل ذبیحتنا ...المسلم لہ ما للمسلم وعلیہ ما علی المسلم

"جس نے (اس بات کی) شہادت دی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہماری نماز پڑھی۔ اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ مسلمان ہے۔ اس کے حقوق بھی وہی ہیں جو (ایک) مسلمان کے ہیں اور اس کے اوپر فرائض بھی وہی ہیں جو (ایک) مسلمان کے فرائض ہیں۔

اوپر نقل کی گئی آیت قرآنی اور احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ اسلامی معاشرہ میں ...صرف ایک ہی بنیاد ہے اور وہ تقوٰی ہے۔ اسلام میں کوئی رعایتی طبقہ (Privileged ...) نہیں ہے۔ شہری حقوق میں اور قانون کی نگاہ میں تمام انسان ...م مسلمان برابر ہیں۔ کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی شخص قانون کی

---

[۱] ...یر روح المعانی، بحوالہ بیہقی و ابن مردویہ ج ۲۶ ص ۱۴۸ - ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر۔

خلاف ورزی کرے گا تو اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا۔ جو ایک آدنیٰ طبقہ کے کسی آدمی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

قاضی عیاض نے شفاء میں تحریر کیا ہے کہ "تمام انسان کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں" مشکوٰۃ کی ایک روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت یہ دعا کرتے تھے۔ "اے اللہ! تو ہمارا رب ہے اور تمام چیزوں کا رب۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ سب انسان آپس میں بھائی ہیں۔" ایک اور حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سب مخلوق اللہ کی اولاد کی مانند ہیں۔ اور اللہ کو وہ سب سے زیادہ پسند ہے جو اس کی مخلوق سے سب سے زیادہ مہربانی سے پیش آتے۔"

(بیہقی۔ مشکوٰۃ)

قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ (البقرۃ: ۸۳) "لوگوں سے (مہربانی سے) بھلی بات کہو۔"

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں انسان کا امتیاز صرف اس کے کردار و عمل کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے۔ کسی خاص خاندان میں پیدا ہونے سے یا کسی خاص قوم برادری سے تعلق کی بنیاد پر یا رنگ ونسل کی بنیاد پر کسی امتیازی سلوک کا مستحق نہیں ہوتا۔ (باقی)

بقیہ صفحہ ۴۱ کا

"سیاست شریعت کے موافق ہونا چاہئے" اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ "ما نطق به الشرع" (جسکی شریعت نے صراحت کی ہے) کے مخالف نہ ہو تو صحیح ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ سیاست وہی معتبر ہے جسکی شریعت نے صراحت کی ہو تو غلط ہے اور صحابۂ کرام کو غلط ٹھہراتا ہے۔ ؎۵ شریعت میں یہ باب کافی وسیع اور نازک ہے اگر اس سے کام نہ لیا جائے تو حقوق ضائع ہوتے ہیں اور اگر زیادہ کام لیا جائے تو ظلم وستم کا دروازہ کھلتا ہے ایسی صورت میں منضبط کرنے کیلئے قواعد وقوانین مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ (باقی آئندہ)

؎۵ ایضاً۔ مزید تفصیل کیلئے راقم کی کتاب "احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت" دیکھنا چاہئے۔

حسان بن ثابت رض

(۶)

از جناب مولوی عبدالرحمن صاحب پرواز اصلاحی مبلغ

ان کی دوربیں نظروں نے تاڑ لیا تھا کہ دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں ہے کہ رحمت للعالمین کے سایہ میں پناہ لیں، سیکڑوں بتوں کی پرستش سے زیادہ بہتر ہے کہ خدائے واحد کی عبودیت کا اقرار کیا جائے۔ چنانچہ جب وہ اسلام کے رشتۂ الفت سے منسلک ہو جاتے ہیں تو انہیں برسوں کی خانہ جنگیوں سے نجات مل جاتی ہے۔

قرآن حکیم نے ان آیتوں میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہٖ اخوانا۔ (سورہ آل عمران آیۃ ۱۰۳)	اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی۔ تم اس کی نعمت کی بدولت آپس میں بھائی بھائی بن گئے

یثرب (مدینہ) میں تشریف آوری کے بعد پہلا کام جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا وہ مکہ کے مہاجرین اور مدینہ کے انصار کے درمیان مواخاۃ (بھائی چارگی) کا کام تھا۔ دونوں گروہوں میں تقریباً نوے آدمیوں کے درمیان مواخاۃ کرائی گئی[1] انہیں میں سے حسان رض کے بھائی اوس بن ثابت بھی ہیں جو حضرت عثمان بن عفان کے دینی بھائی بنائے گئے۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعد ۲۳۸/۱ [2] سیرت ابن ہشام ۳۷۹/۱

اس مواخات کے اثرات حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے خاندان میں ان کے بعد بھی باقی رہے
اس مواخات نے دور دور کے دو مختلف قبیلوں کو رحم کے رشتوں سے زیادہ الفت
ومودت کے بندھن میں باندھ دیا۔ خون ونسل سے زیادہ عقیدہ اور فکر نے
ان کے تعلقات استوار کر دیئے۔ اور اس اسلامی اخوت کے احساس نے ایثار و
قربانی۔ محبت و یگانگت کے بے پناہ جذبات کو ان کے دلوں میں موجزن کر دیا۔

پھر مدینہ کے مذہبی تقدس میں بھی اضافہ ہوا۔ اس کی بھی عزت وحرمت اسی
طرح کی جانے لگی جس طرح مکہ کی کیجاتی تھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے "بلد حرام"
قرار دیدیا۔ اس کے حدود میں جنگ کرنے کی ممانعت کر دی گئی [1]۔

اور دیکھتے دیکھتے مدینہ گہوارۂ امن وسلامتی بن گیا۔ اوس وخزرج ہوں یا دیگر
قبائل جنگجوئی اور آپس کی دھینگا مشتی جن کی فطرت میں تھی ان کے لئے مستقل رکاوٹ
حائل ہو گئی۔ اس طرز عمل سے ان کی زندگی میں زبردست تبدیلیاں رونما ہوئیں۔
مالی وسیاسی پوزیشن سنبھلی اور آہستہ آہستہ وہ زندگی کے مختلف میدانوں میں
آگے بڑھنے لگے۔ یہ صحیح ہے کہ خلافت راشدہ کے قیام کے بعد مدینہ کو جو بلندی اور
عظمت حاصل ہوئی اس میں وہ اپنے مہاجر بھائیوں کی ہمسری نہ کر سکے۔ لیکن پھر بھی
انھوں نے بڑے مناصب حاصل کئے۔ وہ باوجودیکہ مدینہ کے اصل باشندے تھے
رسول واصحاب رسول کی مدد وحمایت میں انھیں طرح طرح کی آزمائشوں سے بھی
دوچار ہونا پڑا۔ انہیں قدرتی طور پر یہ حق پہونچتا تھا کہ رسول اکرم کی وفات کے بعد
زمام اقتدار اپنے ہاتھوں میں لیں۔ اور حکومت کی باگ ڈور سنبھالیں۔ لیکن قریش
چونکہ رسول اکرم سے خاندانی قربت رکھتے تھے۔ اور پورے عرب میں اگر کسی کی بالادستی

---

[1] سمہودی۔ وفاالوفا ۱/۶۲

قبول کی جاسکتی تھی تو قریش ہی کی۔ ان کے سوا کوئی اقتدار سنبھالتا تو عرب اس کی اطاعت قبول نہیں کرسکتے تھے اسلئے انصار مدینہ نے مناسب یہی سمجھا کہ خلافت قریش ہی کے ہاتھوں میں رہے۔ تاکہ امت کا شیرازہ بکھرنے نہ پائے۔ انھوں نے سوائے مان لینے کے کوئی چارہ کار نہ سمجھا۔ اور اپنے بھائی مہاجروں کے دوش بدوش اسلام کے استحکام و ترقی کے لئے کوشاں رہے۔ اور اسلام نے عقیدہ اور فکر کے جس دھاگے سے انھیں باندھ دیا تھا اس کے توڑنے کی انھوں نے کبھی کوشش نہیں کی۔ وہ اتحاد و یکجہتی کے بندھن سے کبھی الگ نہ ہوئے۔ ایک طرف اگر ان کا پرچم ایک تھا تو دوسری طرف ان کا قبلہ بھی ایک ایک کتاب۔ ایک ملت اور ایک رسول کی امت کے شیرازہ سے منسلک ہو کر دین کی خدمت میں اپنے اوقاتِ عزیز صرف کردیئے۔ انھوں نے اسلام کی طرف انتساب کو خاندانی انتساب پر ترجیح دی۔ اور ہمیشہ اپنے لئے "انصار" ہی کہلوانا پسند کیا۔ جب کبھی انھیں قدیم خاندان کی طرف منسوب کرکے پکارا جاتا تو وہ بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے اپنے دربان سے کہا کہ وہ اوس و خزرج کے لوگوں کو بلائے تو انصار سخت برہم ہوئے۔ ان کے سردار نعمان بن بشیرؓ نے معاویہؓ کے دربان سعد کو مخاطب کرکے کہا ؎

یا سعد لا تعد الدعاء فما لنا	نسب نجیب بہ سوی الانصار
نسب تخیرہ الالہ لقومنا	اثقل بہ نسباً علی الکفار

(اے سعد! اس طرح پکارنا چھوڑ دے کیونکہ ہمارے لئے سوائے انصار کے کوئی خالص نسب نہیں ہے یہ نسب تو ایسا ہے جسے معبود حقیقی نے ہماری قوم کے لئے پسند کیا۔ اور کفار پر سب سے زیادہ گراں نسب یہی نسب ہے)

حضرت معاویہؓ مجبور ہوگئے اور پھر انھوں نے اس کے بعد ان کی پسندیدگی کا ہمیشہ لحاظ رکھا۔ ؎

؎ اغانی ۱۶/ ۳۶

انصار کے دونوں قبیلے جب آپس میں شیروشکر ہوگئے تو عدنانی قبائل کے مقابل میں انکی قوت کالوہا بھی مانا جانے لگا۔ یمن کے دوسرے قبیلے بھی ان پر ہر معاملہ میں بھروسہ کرنے لگے۔ قبائلی اتحاد اور مصالح کا بھی تقاضا یہی تھا کہ ان کا تعاون حاصل کیا جائے انصار کی اتحاد و یکجہتی اور ان کی معاشی حیثیت کو دیکھ کر ان کے پڑوسی یہودیوں کے دل میں جلن پیدا ہوئی۔ وہ جاہلیت کے زمانے میں ان دونوں قبیلوں کی دشمنی سے خوب فائدہ اٹھاتے تھے۔ اور ان کے درمیان ایسے شوشے چھوڑتے رہتے تھے۔ جس سے ان کی دشمنی کبھی ختم نہ ہو۔ یہودیوں کی شاطرانہ چالوں اور ان کی مسلسل ریشہ دوانیوں سے جاہلیت میں ان دونوں قبیلوں کو کبھی نجات نہ ملی۔ اب جو انھوں نے اسلام کے رشتہ سے منسلک ہونے کے بعد ان میں اس قدر اخوت اور اجتماعیت دیکھی تو ان سے رہا نہ گیا اور ان دونوں کو آپس میں ٹکرانے کے لئے پھر سوچنے لگے۔ چنانچہ الو اسحٰق کی روایت ہے کہ

"ایک یہودی نوجوان نے رسول اکرمؐ کے زمانے میں انصار کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی سازش کی۔ اس نے یوم بعاث اور دوسری لڑائیوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ اور اس سلسلے میں ان دونوں فریقوں کی جانب سے جو اشعار کہے گئے تھے۔ ان کی یاد دلائی اتنے میں ایک شخص سے رہا نہ گیا وہ بول پڑا بس کیا تھا دونوں فریق کے درمیان فتنہ کام کر گیا قریب تھا کہ دونوں لڑ پڑیں کہ اتنے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ کو دیکھتے ہی جنگ کی چنگاری سرد ہو کر رہ گئی۔ آپ نے انھیں ان جاہلانہ حرکتوں پر تنبیہ فرمائی اور پھر وحدت کلمہ کی لڑی میں منسلک کر دیا۔" [1]

اسلام کے دائرہ میں آنے کے بعد انصار اگرچہ جاہلانہ خصلتوں سے بڑی حد تک دور ہوچکے تھے۔ لیکن کبھی کبھی ایسے واقعات رونما ہو جایا کرتے تھے۔ جبکہ وہ جاہلیت کے خطرناک گڑھوں کے قریب پہونچ جاتے ان کی دبی ہوئی خاندانی عصبیتیں تازہ ہو جایا کرتیں۔ چونکہ

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱/۵۵۵

کی زندگی کا بیشتر حصہ جنگ وجدال اور آپس کی خونریزیوں میں گذرا تھا اس لئے خاکستر
دبی ہوئی چنگاریاں کبھی معمولی ہوا کے جھونکے سے بھی بھڑک اٹھتی تھیں اور پھر گذشتہ
حات کی یاد آنا انسانی فطرت کا خاصہ بھی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ طویس مغنی بھی کبھی کبھی
ی حرکتیں کرتا تھا۔ وہ اوس وخزرج کی باہمی معرکہ آرائیوں کے درمیان کہے گئے اشعار
ے کا بڑا دلدادہ تھا وہ جہاں لوگوں کی تفریح طبع کے لئے گانا سنایا کرتا وہاں اس کا ایک
مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ ان دونوں کو آپس میں ٹکرا دیا جائے۔ بہت کم ایسے مواقع ہوتے کہ
ں وہ اپنی مجلسوں میں اسی قسم کی حرکتیں نہ کرتا ہو۔ وہ اپنی مجلس سرود میں جب اس قسم
انے گاتا تو لامحالہ بدمزگی پیدا ہو جاتی تھی۔ اس کی انہیں حرکتوں کی بناء پر لوگ اسے
منحوس سمجھنے لگے تھے۔

بہرحال یہود اور دوسرے دشمنان اسلام نے اوس وخزرج کے اتحاد کو پارہ پارہ
ے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا۔ ایک طرف اگر انھوں نے انھیں آپس میں
نے کے جتن کئے تو دوسری طرف ان کے عقیدے میں بھی رخنے ڈالنے کی کوشش
بھی ایمان کو کمزور کرنے کی تدبیر کی تو کبھی ان کے اعمال کو بگاڑنے کی چالیں چلیں
جب وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان
کے درمیان معاہدے ہوئے۔ مگر انھوں نے اسے بھی توڑ ڈالا۔ ان کی مسلسل
انگیزی کو دیکھ کر رسول اکرم کو اچھی طرح یقین ہو گیا کہ ان کی موجودگی میں مسلمانوں
استحکام نصیب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے آپ نے ان میں سے کچھ لوگوں کو جلا وطن
کا حکم دیدیا اور کچھ مفسدوں کے حق میں فیصلہ کیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ لہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے بنی قینقاع سے اس کی ابتدا کی یہ خزرج کے حلیف
ھ کو ان کا محاصرہ کیا گیا۔ پھر وہ آپ کے حکم سے چھوڑ دیئے گئے۔ ان کے مار ڈالنے کا ارادہ
و عبداللہ بن ابی بن سلول آڑے آیا۔ اور ان کی سفارش کی۔ چنانچہ اس کی سفارش پر

(بقیہ صفحہ ۵۰ پر)

حسان۔ شاعر رسول کی حیثیت سے اسلام کی قبولیت کے بعد حسان کی زندگی میں ایک نیا موڑ آیا۔ کہاں اپنی قوم، خزرج اور آل غسان کی مدح خوانی اور جاہلانہ فخر و مباہات کا اظہار، کہاں دنیا کے سب سے بڑے انسان اور خدا کے برگزیدہ نبی کی ثنا خوانی کا منصب جلیل؟ پہلے دنیا کے چند خزف ریزوں اور مفادات کے لئے آسمان و زمین کے قلابے ملایا کرتے تھے اور اب اسلام کے عظیم الشان پیغام کی ترجمانی اور اس کی مدافعت کا فریضہ انجام دینے لگے۔ تقدیر بدلتی ہے تو قدرت کی جانب سے اس کے لئے اسباب و سامان بھی ویسے ہی مہیا ہو جاتے ہیں۔

وہ پہلے کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ انھیں دربار رسالت کے شاعر خاص ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ انتخاب ان پر پڑے گی اور وہ "شاعر رسول" کے معزز لقب سے نوازے جائیں گے۔ اور انھیں "مؤید بروح القدس" کا رتبۂ بلند حاصل ہوگا۔ پہلے وہ صرف اپنی قوم و قبیلہ کے شاعر اور ترجمان تھے تو ان کی شہرت و عزت قبیلے کے حصار سے آگے نہ بڑھی اور اب جبکہ اسلام کے عالمگیر مشن کے ہمنوا اور حامی بنے تو ان کا شہرہ چار دانگ عالم میں پہونچ گیا۔

(بقیہ حاشیہ صدہ کا)

چھوڑ دیا گیا۔ پھر انھیں جلاوطنی کا حکم دیا گیا۔ ان کے مال مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیئے گئے۔ اس کے بعد رسول اکرم نے ۴ھ کو بنی نضیر کی جلاوطنی کا حکم دیا۔ انھیں اپنے اسباب و سامان اونٹوں پر لاد کر لے جانے کی حد تک اجازت دی گئی۔ ۵ھ میں بنی قریظہ پر کامیابی ہوئی۔ انھوں نے جنگ احزاب میں مشرکوں کی مدد کی تھی۔ ان کے لئے سعد بن معاذ کو حکم بنایا گیا۔ انھوں نے ان کے مردوں کو قتل کرنے اور ان کے بال بچوں کو جلا وطن کرنے کا حکم دیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ان کے مالوں کو تقسیم کر لیا جائے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے سیرت ابن ہشام جلد ۲، ص ۱۹۰ و ۲۳۳۔ اور تاریخ طبری ۲/۴۷۹ و ۱۸۵ ...)

ایسا نہیں تھا کہ مسلمانوں کی جماعت میں ممتاز اور قادر الکلام شاعروں کی کمی رہی ہو
سے ایک بڑا اور پُرگو شاعر موجود تھا۔ عبداللہ بن رواحہؓ۔ اور کعبؓ بن مالک جیسی عظیم
ہستیاں موجود تھیں حضرت علیؓ جیسا دانا و بینا مرد جلیل موجود تھا اور ان میں سے ہر ایک
منصب کے لئے موزوں تھا۔ مگر کفار و مشرکین کے اٹھائے ہوئے الزامات، ان کے ناروا
ہتھکنڈے اور ان کی ہرزہ سرائیوں کا دنداں شکن جواب دینے کی سعادت حسانؓ بن ثابت
قسمت میں لکھی تھی۔ رسول اکرمؐ کی نظر میں کفار و مشرکین کے ہجویہ اشعار کا جواب دینے
لئے آپ سے زیادہ موزوں کوئی دوسرا شاعر نہ تھا اور واقعہ یہ ہے کہ آپ نے جہاد لسانی کی
حسن خوبی اور کمال کے ساتھ سرانجام دی اس کی بنا پر اسلام کی تاریخ میں آپ کو ایک
مقام حاصل ہو گیا۔

مشرکوں کے جتھے میں ان کے بڑے شاعروں میں چار شخص ایسے تھے جو رسول اکرمؐ کی
اقدس میں گستاخانہ اشعار کہتے تھے صحابہ کرام کے متعلق نہایت دل آزار ہجو کہتے تھے
عبداللہ بن الزبعری۔ (۲) ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب (۳) ضرار بن الخطاب
(۴) عمرو بن العاص۔ ان کا جواب دینے کے لئے لوگوں نے حضرت علیؓ بن ابی طالب سے
خواست کی۔ حضرت علیؓ تو راضی ہو گئے مگر آپ نے کہا کہ اگر رسول اکرمؐ اجازت دیں تو اس
میں بالکل تیار ہوں۔ مگر رسول اکرمؐ کو حضرت علیؓ سے کچھ اور ہی کام لینا مقصود تھا۔
لئے آپ راضی نہ ہوئے۔ پھر آپ نے انصار کو بلایا۔ اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جس
نے رسول کی مدد اپنے ہتھیاروں سے کی ہے آخر انھیں کیا چیز روک رہی ہے کہ وہ اپنی
وں سے اس کی مدد نہیں کرتے۔ یہ سننا تھا کہ انصار کے بہت سے شعراء آگے بڑھے
اپنی اپنی خدمات پیش کیں۔ انھیں انصاری شاعروں میں حسانؓ بن ثابت بھی تھے۔ انھوں
اپنی زبان پکڑی اور کہا بندہ حاضر ہے۔ بصریٰ و صنعاء کے درمیان میرے لئے اس سے
کر کوئی خوشی کی بات نہیں ہے کہ میں اسلام کی حمایت میں اس کو استعمال کروں رسول اکرمؐ

نے ان سے پوچھا کہ اچھا بتاؤ۔ تم ان کی ہجو کس طرح کروگے جبکہ میں بھی انھیں میں سے ہوں
حسان جواب دیتے ہیں۔ میں آپ کو ان سے اس طرح الگ کرلوں گا۔ جس طرح گوندھے
ہوئے آٹے میں سے بال الگ کرلیا جاتا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم آپ کو منتخب کرکے فرماتے ہیں
کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رض کے پاس جائیں وہ انساب عرب سے اچھی واقفیت رکھتے ہیں
وہ اس سلسلہ میں ان کی مدد کریں گے۔ اور پھر حضرت حسان کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے
انھیں کہتے ہیں کہ ان کی ہجو کرو حضرت جبرئیل تمہارے ساتھ ہیں۔ آپ کے حق میں دعا
فرماتے ہیں۔

اللھم ایدہ بروح القدس — اے اللہ تو ان کی روح القدس کے ذریعہ مدد فرما

باوجودیکہ آپ ہجوگوئی کو پسند نہیں فرماتے تھے مگر حالات کے تقاضے سے مجبور ہوکر آپ
نے مخالفین اسلام کا اسی حربہ سے جواب دینا مناسب سمجھا۔ شاعری کے ذریعہ کم سے
کم جذبات کو بھڑکایا جاسکتا ہے اور ربسا اوقات یہ بڑی کارگر بھی ثابت ہوتی ہے
حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ جب قریش کے شاعروں نے اپنی زہرناک ہجو کے ذریعہ
آپ کو تکلیف پہونچائی تو آپ نے فرمایا کہ "تم بھی ان کی ہجو کرو ان کے حق میں یہ تیروں
سے بڑھ کر کام کریں گی" ۵۳

رسول اکرم کو حسان کی شاعرانہ صلاحیتوں اور ان کی ہجوگوئی کا پورا پورا
اندازہ تھا۔ کیونکہ پہلے بھی آپ نے ان کے اشعار سنے تھے جو انھوں نے اپنے حریف قبیلہ
اوس کے سلسلہ میں کہے تھے۔ ان کا مدمقابل اوس کا عظیم شاعر قیس بن الخطیم تھا
لیکن اس میدان میں ان کی ہمسری نہ کرسکا۔ اس کے علاوہ وہ اپنے ہم قوم شعراء
میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ جوں ہی اس مہم پر آپ مقرر کئے گئے آپ نے رسول اکرم

---

۵۱ صحیح بخاری ۲/۹۰۹ ۵۲ آغانی ۴/۱۳۷ و ابن سلام طبقات الشعراء صفحہ ۱۸۱ و تاریخ
ابن عساکر ۴/۱۲۳ ۵۳ ابن عساکر ۴/۱۸۵

داستانوں پر ہے جو مسلمانوں کو پیش آئے۔ اور پھر رسول اکرمؐ کی شان اقدس میں جو گہر افشانی کی ہے وہ نعت گوئی کا شاہکار ہے۔ ان کی بہترین شاعرانہ صلاحیتیں انھیں اشعار میں جلوہ گر ہیں جن میں انھوں نے بارگاہ رسالت میں نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے ان اشعار میں حیرت انگیز برجستگی بھی ہے اور مہارت فن بھی۔ اسلامی رجحانات کا غلبہ بھی ہے۔ اور پاکیزگی و طہارت بھی۔ اخلاق و موعظت کے گہر ہائے آبدار بھی ہیں اور حکمت و دانش کی گہرائی بھی۔ اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ان کی شاعری میں جس کثرت سے دینی جذبات کی حرارت ہے وہ شاید ہی کسی دوسرے مخضرمی شاعر کے کلام میں پائی جاتی ہو اور اپنی اس خصوصیت کی بنا پر شعرائے اسلام میں سب سے اونچا مقام رکھتے ہیں۔

حسان پر خاندانی تعلقات کا اثر | حلقۂ اسلام میں آنے کے بعد گرچہ ان کی تمام تر شاعری رسول اکرمؐ کی مدح گستری اور مسلمانوں کی حمایت و مدافعت کے لئے وقف ہو کر رہ گئی تھی۔ مگر ایسا نہیں ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کو بالکل ہی فراموش کر دیا ہو۔ ان کو اپنی قوم سے جو گہرا لگاؤ اور جذباتی تعلق تھا وہ پھر بھی کسی نہ کسی موقع پر ظاہر ہی ہو جاتا تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اب ان کی عصبیت محدود نہیں تھی بلکہ اس کا دائرہ وسیع ہو گیا تھا۔ پہلے وہ قبیلۂ خزرج کے طرفدار تھے اب اس میں انصار کے تمام قبیلے بھی شریک ہو گئے تھے۔

اسلام نے مسلمانوں کے درمیان جو الفت و مودت پیدا کر دی تھی اس کی بنا پر خاندانی و قبائلی عصبیت سے بڑھ کر اسلامی اخوت نے لے لی تھی۔ اور اسلامی اخوت میں سبھی آگئے تھے پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کبھی قحطانی انصاریوں کے شاعر نظر آتے ہیں وہ کبھی عدنانی شعراء کے مقابلے میں مفاخرت کرتے ہیں تو اپنی اس روایت کا ضرور ذکر کرتے ہیں جو اگلے دور میں انھیں حاصل تھی۔ یہی چیز ہے جو انھیں اس بات کے کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ یہی لوگ تھے جنھوں نے رسول اکرمؐ کا ساتھ دیا۔ آپ کی حمایت کی اور آپ کے لائے ہوئے دین کی تقویت کا باعث بنے۔

نے فرمایا کہ "مسلمانوں کی عزت کون بچائے گا۔ حضرت کعبؓ بولے یا رسول اللہؐ میں اس کے لئے تیار ہوں۔ عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کیا میں اس کے لئے تیار ہوں۔ اور حسانؓ نے بڑھ کر کہا میں اس کے لئے حاضر ہوں۔ رسول اکرمؐ نے ان سے فرمایا کہ تم ان کی ہجو کرو۔ اس کام میں روح القدس تمہاری مدد فرمائیں گے۔ [۱]

لیکن ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے پہلے ہی سال رسول اکرمؐ نے حسانؓ کو مسلمانوں کی طرف سے دفاعی نظمیں کہنے پر مامور کر دیا تھا بلکہ بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ انھوں نے ہجرت کے پہلے عقبہ ثانیہ کی بیعت کے موقع پر رسول اکرمؐ اور آپ کے اصحاب کی شان میں اشعار کہے ہیں چنانچہ ایک قصیدہ میں انھوں نے ضرار بن الخطاب کو مخاطب کر کے حضرت سعد بن عبادہؓ کے قریش کی قید میں پڑنے اور ان سے رہائی پانے کا تذکرہ بھی کیا ہے۔۔۔ اگر ان کے یہ اشعار صحیح ہیں تو پھر دائرہ اسلام میں آنے کے بعد یہ ان کے اولین اشعار قرار دیئے جائیں گے۔ یہ صحیح ہے کہ ان میں خالص اسلامی جذبات کی وہ گرمی نہیں پائی جاتی جو ان کے دوسرے اشعار میں ہے۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ اسے شعرائے مشرکین سے معرکہ آرائی کا نقطۂ آغاز کہا جا سکتا ہے۔ [۲]

حضرت حسانؓ نے شاعر رسول ہونے کے بعد اپنی طلاقت لسانی کے جو جوہر دکھلائے اس کا لوہا کفار و مشرکین کو بھی ماننا پڑا۔ آپ نے ان کے شعراء کی ہجوگوئی کے جواب میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ عہد نبوی میں جتنے غزوات و لڑائیاں ہوئیں ان کی ہو بہو تصویر کھینچ کر رکھ دی۔ ان کے اشعار میں مفاخرت بھی ہوتی تھی اور مسلمانوں کی برتری کا ذکر بھی۔ شہداء اسلام کے مرثیے بھی ہوتے تھے اور مجاہدوں اور غازیوں کی جرأت و ثبات کی داستان بھی۔ حقیقت میں ان کی اس دور کی شاعری ان تمام واقعات و حوادث کی

---

[۱] آغانی ۴/۱۴۵ و ابن عساکر ۴/۱۸۶۔ [۲] سیرت ابن ہشام ۱/۴۵۴ و دیوان حسان صفحہ ۱۹

پہلے جاہلیت کے دور میں ان کی ہجو کا نشانہ زیادہ تر قبیلہ اوس کے لوگ ہوا کرتے تھے لیکن اسلام میں آنے کے بعد اب انھیں اخوت و مودت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور دوسروں کے مقابلے میں انھیں اپنے سے زیادہ قریب پاتے ہیں۔

وقد صابرت فیہ بنو الاوس کلھم | وکان لھم ذکر ھناک رفیع
وحامی بنو النجار فیہ وصابروا | وما کان منھم فی اللقاء جزوع
امام رسول اللہ لا یخذ لونہ | لھم ناصر من ربھم وشفیع

(یعنی جنگ احد میں قبیلہ اوس کے تمام لوگوں نے بڑے ہی صبر سے کام لیا۔ حالانکہ ان کا وہاں بڑا نام تھا۔ اس جنگ میں بنو نجار نے بھی بڑی حمیت اور صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا اور ان میں کوئی آدمی ایسا نہ تھا جو جنگ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گھبرانے والا ہو۔ وہ آپ کو یوں ہی بے مدد نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ آپ پروردگار کی جانب سے ان کے لئے مددگار اور شفیع ہیں")

وہ اسلامی دور کی شاعری میں جہاں اپنے قبیلہ خزرج کا ذکر کرتے ہیں تو ساتھ ہی ان کے کارناموں کا بھی ذکر کرتے جاتے ہیں۔ اور اس طرح ان کی عصبیت پھیلتے پھیلتے انصار ہی نہیں بلکہ قحطان کی تمام شاخوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ ان کی یہ عصبیت اس موقع پر پہلے ظاہر ہوا کرتی تھی جہاں شعرائے مشرکین کو وہ مخاطب کرتے ہیں اور ان اشعار میں دینی عصبیت کے پہلو بہ پہلو خاندانی عصبیت بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ لیکن عدنانی قبیلوں کے مقابلے میں وہ کبھی اس کا اظہار نہیں کرتے تھے اور اگر کرتے بھی تھے تو بہت دبے الفاظ میں۔ لیکن ایک مرتبہ غزوہ حنین کے موقع پر جب رسول اکرمؐ مال غنیمت تقسیم فرماتے ہیں تو خصوصیت کے ساتھ آپ کے جود و نوال سے مہاجرین فیضیاب ہوتے ہیں اور انصار محروم رہ جاتے ہیں تو ان کے دل میں یہ خلش پیدا ہوتی ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ خود انصار کو بھی شکایت ہوتی ہے حسان

انصار کی ترجمانی فرماتے ہوئے نہایت ترم لہجہ میں بارگاہ رسالت میں عرض پرداز ہوتے ہیں ؎

آتِ الرسول فقل یاخیر مؤتمن	للمؤمنین اذا ما عُدّد البشر
علامَ تدعی سلیم وھی نازحۃ	قدام قوم ھم آووا ھم نصروا
سماھم اللہ انصاراً لنصرتھم	دین الھدیٰ دعوان الحرب تستعر
وسارعوا فی سبیل اللہ واعترفوا	للنائبات وما خاموا وما ضجروا
والناس اَلبٌ علینا فیک لیس لنا	الا السیوف واطراف القنا وزر

یعنی رسول اللہ کے پاس چلو۔ آپ سے کہو۔ اے مومنین کی سب سے اعلیٰ جائے پناہ، جب دنیا کے انسانوں کا شمار کیا جا رہا ہو قبیلہ سلیم کو کس بنا پر بلایا جاتا ہے۔ جب وہ اس قوم کے سامنے بالکل خالی ہے۔ جس نے پناہ دی۔ اور جس نے اعانت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام انصار رکھا ہے کیونکہ انھوں نے دین ہدایت کے کاموں میں اس وقت نصرت و اعانت کی جب خونریز جنگ کی آگ خوب بھڑک رہی تھی اور انھوں نے راہ خدا میں تیزی سے آگے بڑھ کر مقابلے کئے اور نازل ہونے والے شدائد میں نہایت صبر و استقلال سے کام کیا نہ انھوں نے ضعف دکھایا اور نہ دل تنگ ہوئے۔ آپ کے سلسلے میں لوگ ہجوم کر کے ہم پر ٹوٹ پڑے۔ ہمارے لئے تلواروں اور نیزوں کی نوکوں کے سوا اور کوئی جائے پناہ نہیں تھی)

رسول اکرمؐ کو انصار کے احساسات کی خبر ملتی ہے تو آپ تمام انصار کو جمع ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ اور جب اکٹھا ہو جاتے ہیں تو آپ ان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں " اے گروہ انصار! کیا دنیا کی ظاہری چمک دمک تمہارے دلوں میں سما گئی ہے۔ کیا تم اسلام کے لئے لائے تھے؟ کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ لوگ اپنے گھروں کو اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں میں خدا اور اس کے رسول کی محبت لیکر جاؤ۔ ؟ قسم ہے۔۔

اس ذات کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے۔ اگر ہجرت کا معاملہ نہ ہوتا تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد تھا۔ اگر تمام خاندانوں کو اکٹھا کیا جائے تو میں انصار ہی کے خاندان میں ہونے کو ترجیح دوں گا۔ یہ فرمانا تھا کہ انصار رو پڑے۔ اور آپ سے معذرت خواہ ہوئے۔ اس موقع پر حسان نے بھی معذرت آمیز اشعار پیش کئے[۱]

ایک مرتبہ جب مہاجرین کی تعداد مدینہ میں بہت بڑھ گئی تو ان کی خاندانی عصبیت کو پھر ابھرنے کا موقع ملتا ہے وہ ایک قصیدے میں ان پر تعریض کرتے ہیں ؎

امسی الجلابیب قد عزّوا وقد کثروا   وابن الفریعة امسی بیضة البلد

(یہ قلاش لوگ اب باعزت ہو گئے ہیں اور ان کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔ فریعہ کا بیٹا شہر میں منفرد ہو کر رہ گیا ہے)

مدینہ کے منافقین قریش کو طنزیہ طور پر "جلابیب" کہا کرتے تھے۔ رسول اکرمؐ نے جب حسان کے اشعار سنے تو ان کی یہ تعریض آپ کو بہت ناگوار ہوئی۔ آپ نے بلا کر ان کی سرزنش کی۔ اور آئندہ سے احتراز کے لئے کہا۔

صفوان بن المعطل نے حسان کے انھیں اشعار کی بنا پر ان کے اوپر تلوار سے حملہ کر دیا اور انھیں بری طرح زخمی کر دیا۔ اور حسان سے مخاطب ہو کر کہا کہ ؎

تلقّ ذُباب السیفِ عنّی فانّنی   غلامٌ اذا هُوجیتُ لستُ بشاعرٍ[۲]

(یہ لو! میری طرف سے تلوار کی دھار۔ کیونکہ میں وہ نوجوان ہوں کہ جب میری ہجو کی جاتی ہے تو اس کا جواب شاعر کی طرح میں نظم میں نہیں دیا کرتا۔ کیونکہ میں شاعر نہیں ہوں۔)

صفوان بن المعطل کو حسان سے محض اس بنا پر کد نہیں پہونچا تھا۔ بلکہ اسکی

---

[۱] سیرت ابن ہشام ۲/۱۹۷   [۲] آغانی ۴/۱۵۵ و سیرت ابن ہشام ۲/۳۰۴

رنجش کی وجہ دوسری تھی اور یہ شعر تو محض بہانہ تھا۔ اس کا سرا اگر تلاش کیا جائے تو واقعۂ افک میں ملے گا۔

کہا جاتا ہے کہ صفوان نے ان پر حملہ کیا تو بنی الحارث بن الخزرج کے ثابت بن قیس بن شماس نے لپک کر صفوان کو پکڑ لیا۔ اور ان کے دونوں ہاتھ ان کی گردن پہ باندھ کر ان کو بنی الحارث کے محلے میں لے گئے۔ راستے میں عبداللہ بن رواحہ رضؓ ملے انھوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ ثابت نے کہا ذرا دیکھو اس نے حسان بن ثابت پر تلوار چلائی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کو قتل ہی کر دیا ہے۔ عبداللہ بن رواحہ رضؓ نے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی کچھ خبر ہے؟ انھوں نے کہا بالکل نہیں۔ عبداللہ بن رواحہ رضؓ نے کہا۔ تم لوگوں نے بڑی زیادتی کی۔ اچھا تم ان کو چھوڑ دو۔ ثابت نے صفوان کو چھوڑ دیا پھر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے پورا ماجرا بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ حسان نے مجھے بدنام کرنے کی کوشش کی اور میری ہجو کی۔ میں نے جوشِ انتقام میں ان کو مارا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان رضؓ سے کہا "حسان! اللہ نے میری قوم کو اسلام کی ہدایت بخشی۔ تم محض اسی لئے ان پر بری نظریں ڈالتے ہو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اچھا جو زخم تم کو لگا ہے اسے معاف کر دو۔ انھوں نے کہا۔ میں نے آپ کی خاطر اسے معاف کر دیا۔

محمد بن ابراہیم بن الحارث سے مروی ہے کہ اس ضرب کے عوض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان رضؓ کو بیرحاء عطا فرمایا۔ یہ آج تک مدینے میں بنی حدیلہ کا قصر ہے۔ پہلے یہ ابو طلحہ بن سہل کی ملک تھا۔ انھوں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تصدق کر دیا تھا۔ آپ نے اسے حسان کو دیدیا۔ اور سیرین رضؓ نامی ایک قبطی باندی بھی دی۔ اس کے بطن سے عبدالرحمٰن بن حسان پیدا ہوئے [1] (باقی آئندہ)

---

[1] تاریخ طبری ۱/۳۲۴۔

میخائیل نعیمہ

جنابہ فرزانہ فیروز حبیب ایم۔اے شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی
علی گڈھ

ایک ہمہ وصف ادیب ہے جس کے نغموں میں عقلیت کا عنصر غالب ہے اور شعر میں فلسفہ کی آمیزش ہے۔ ۱۹۰۲ء میں اپنے وطن بسکنتا کو خیرباد کہا اور مدرسہ المعلمین الدرسیہ میں داخلہ لیا۔ مدرسہ والوں نے چار سال بعد اپنے خرچ پر اسے روس بھیج دیا۔ جہاں وہ پانچ سال تک مصروفِ تعلیم رہا۔ ۱۹۱۱ء میں اس نے شمالی امریکہ کا رُخ کیا اور واشنگٹن پہنچا۔ جہاں پہلے سے اس کے دو بھائی موجود تھے۔ ۱۹۱۶ء تک قانون اور ادب کی تعلیم میں مصروف رہا وہاں اس کے تنقیدی مضامین بھی شائع ہوئے اور افسانے بھی۔ نسیب عوضہ نے اسے نیویارک آنے کی دعوت دی اور وہاں پہونچکر اس نے وہاں کے ادیبوں اور شاعروں سے تعلقات پیدا کرلئے۔ ۱۹۱۸ء میں امریکہ کے محکمہ دفاع میں ملازمت کرلی اور فرانس کے معرکہ جنگ میں شریک ہوئے۔ لڑائی ختم ہوتے ہی ۱۹۱۹ء میں ملازمت سے استعفیٰ دے کر نیویارک واپس آگیا۔ جہاں تیرہ ۱۳ سال قیام کیا اور اسی مدت میں ادبی کام کرتے رہے معمولی تنخواہ پر ایک دوکان میں ملازمت کرلی پھر جبران کی وفات کے بعد ان کا جی نہ لگا اور مضامین کے مسودے اور ضروری یادداشتیں ساتھ لے کر ۱۹۳۲ء میں لبنان واپس لگئے۔ میخائیل نعیمہ کی تخلیقات اس کی گہری علمیت وسیع تجربے اور غیر معمولی قوتِ اخذ پر دلالت کرتی ہیں۔ نثر اور نظم دونوں میں طبع آزمائی کی ہے اور جو کچھ لکھا ہے۔ خوب لکھا ہے۔

نثری کارنامہ اس کی ادبی زندگی کا آغاز ایسے ماحول میں ہوا جہاں اسے بآسانی ابتدائی سطح

یر اخباری مضامین اور کچھ گمنام لکھنے والوں کے مقالات کے علاوہ اور کچھ میسر نہ تھا۔
اس وقت بھی مضامین میں نغمہ ریحانیہ کی گونج تھی۔ اور جبران کے ادب کی شہرت
شروع ہو رہی تھی۔ اس نے بھی خوش آگیں مستقبل کی امید میں ادبی کام شروع کیا۔ انتظام
و انصرام کی خداداد صلاحیت لیکر پیدا ہوا تھا۔ علمی اور ادبی سوسائیٹیوں کی انتظامی
ذمہ داری نے اسے ہر حیثیت سے ممتاز بنا دیا۔

میخائیل کی تحریریں بلاغت کا صحیح مصداق ہیں۔ ایک ادیب نے اس پر تبصرہ کرتے
ہوئے لکھا ہے۔ کہ "اس کے لفظوں میں اعتدال ہے اور معنی میں گہرائی اور وسعت کی کوئی حد
نہیں ہے۔" جدید و قدیم ادب کی پیوندکاری میں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ پرانے ڈھانچے
میں نئی روح سمونے کا کام بہت کم لوگوں نے اس سے بہتر کیا ہے۔ زندگی اور ادب کے معیاروں
کی تصحیح اس نے پوری طرح کی ہے۔ ادبی انقلاب اور عمرانی انقلاب کے دواعی اور اسباب
اس کی دو مایہ ناز کتاب الغربال اور المفاخر سے ہم سمجھ سکتے ہیں۔ جبران خلیل جبران
اس کی اہم تصنیف ہے۔ جس میں جبران کی شخصیت کو ان کے ادب، فن اور فلسفہ کی تحلیل
و تجزیہ کے بعد متعارف کرایا ہے۔ اگر یہ کتاب نہ ہوتی تو جبران کے بہت سے مخفی خصائص
ہمارے سامنے نہ آتے یہ کتاب صرف سوانح نہیں بلکہ اس کے زمانہ کی علمی اور ادبی تاریخ
ہے۔ نثری کارنامہ کی فہرست میں اگر ان کتابوں کے علاوہ دوسری کتابیں نہ ہوتیں تو
بھی اس کی شہرت کے لئے کافی تھیں۔ ڈراموں میں "الآباء والبنون" نے غیر فانی مقام
حاصل کیا ہے۔ ۱۹۱۸ء میں یہ ڈرامہ پہلی بار نیویارک سے شائع ہوا۔ اور ۱۹۲۳ء میں الغربال
کی اشاعت ہوئی۔ اس کی دوسری منظوم اور منثور کتابیں یہ ہیں۔

دیوان ہمس الجفون، کان ماکان، المراحل، مذاکرات الارقش، زاد المعاد،
البیادر لقاء، الاوثان، فی مہب الریح، صوت العالم، النور والدیجور، مرداد، درو
کا کایہ۔

ڈرامہ میں الفاظ و محاورات اور زبان کے استعمال میں افراد کا مقام اور مرتبہ کا خ
لحاظ کیا ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں کے لئے فصیح زبان میں مکالمہ اور جاہل و کم علم لوگوں ک
لئے عامی زبان کا استعمال ہوا ہے۔ ناولوں میں عاقر کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہو
سوسائٹی کا سچا نقشہ اس طرح کھینچا ہے جو بہت سی روایتی عادات و حرکات سے نفرت، دلا
شعری کارنامے ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۳ء تک پانچ سال انگریزی میں اشعار کہے اور اپنے تاثرا
کا اظہار کیا۔ مگر اب اس کی علمی ترقی اور فکری گہرائی اتنی بڑھ گئی تھی کہ اشعار کے ذریعہ تما
تاثرات اور حقایق کا اظہار مشکل نظر آرہا تھا۔ شعری طاقت کی یہ کمی اس کے بہت سے خیا
اور تاثرات کو اس کے سینہ میں مقید رکھتی تھی۔ لہذا اس نے شعر کو چھوڑ کر نثر میں لکھنا ش
کیا۔ اس کا پہلا قصیدہ النہر المتجمد کے نام سے مشہور ہے۔ روس میں قیام کے دو
اس نے روسی زبان میں یہ قصیدہ کہا تھا۔ میو یارک آکر عربی میں اس کا منظوم ترجمہ لکھ
دریا کے سوکھ جانے کی وجہ سے اس کی طبیعت میں طرح طرح کے اندیشے پیدا ہوئے اور وہ ا
اس طرح ہم کلام ہوا۔

یا نہر ہل نضبت میاہک فانقطعت عن الخریر
ام ہل ہرمت و خار عزمک فانقطعت عن السیر

یا نہر ذا قلبی اراہ کما اراک مکبلا
والفرق انک سرت تنشط عن عقالک وہولا

(اے دریا کیا تیرا پانی خشک ہو گیا جس سے مرمراہٹ منقطع ہو گئی۔ یا تو بوڑھا ہو گیا
تیرا عزم کمزور ہو گیا جس کی وجہ سے تو نے بہنا بند کر دیا۔ اے دریا تمہاری طرح م
بھی پابہ زنجیر ہے فرق صرف اتنا ہے کہ تم کبھی اپنی زنجیروں سے چھٹکارا حاصل کر لوگے مگ
ایسا نہ کر سکے گا)

الفاظ میں موسیقیت ہے۔ مروجہ اوزان اور بحور سے کلام آزاد ہے۔ ش

سفر بنا کر پیش کرتا ہے اور اپنے مبہم تاثرات کو سوالیہ نشان بنا کر پیش کیا ہے۔
ان سادہ اور صاف ہے اور ترکیب الفاظ تعقید سے خالی ہے۔ الفاظ سے مفہوم تک
ائی بلا کسی انتظار کے ہوتی ہے۔ اپنے نفس کو خطاب کر کے کہتا ہے۔

من الأمواج جئت (کیا تم موجوں سے نکلے ہوئے ہو)

من البرق انفلت (یا بجلی سے کوندے ہو)

م مع الرعد انحدرت (یا کڑک سے پھسل گئے ہو)

من الفجر انبثقت (یا صبح کی سفیدی سے پھوٹ پڑے ہو)

ام من الشمس هبطت (یا سورج کی بلندی سے آگئے ہو)

هل من الالحان انت (ارے تم نغموں کا تار تو نہیں ہو)

انت فیض من الله (پھر تو تم فیض خداوندی ہو)

سری تخلیقات | میخائیل نعیمہ کے شذرات و امثال کو کتابی شکل میں بیروت سے
ئع کیا گیا ہے۔ اس میں اس کے ایسے افکار شامل ہیں جن کا بیشتر حصہ مہجر میں ہوا
افکار کا ترجمہ پیش ہے۔

) تم نے اپنی عمر خدا کے گھر کی خدمت میں صرف کر دی کب گھر کے خدا کی خدمت
کروگے۔

) کچھ لوگ سیڑھیوں کی طرح ہیں، اس پر چڑھنے والے چڑھتے ہیں اترتے ہیں۔ لیکن
وہ خود نہ چڑھتے ہیں نہ اترتے ہیں۔

) غلام بادشاہ غلاموں کے ہی بادشاہ ہوتے ہیں۔

) شیر کی موت کے بعد بھی رعب ہوتا ہے اور کتا زندگی میں بھی اس سے خالی
ہوتا ہے۔

نعیمہ کی دوسری باقی کتابیں زیادہ تر لبنان میں لکھی گئیں مہجر امریکی سے ان کا

تعلق نہیں ہے اس لیئے ان کا تعارف و تبصرہ ہماری بحث سے خالی ہے۔

حرف آخر | ہم نے گذشتہ صفحات میں اس کی کوشش کی ہے کہ ادب مہجر کا ایک خاکہ اور جائزہ پیش کریں جو جدید عربی ادب میں ایک بڑا اور قیمتی اضافہ ہے۔ ہم نے مہاجرین کے ترک وطن اس کے اسباب، جذبات اور ان کے تاثرات پیش کرکے یہ نتیجہ دینا چاہا ہے کہ وطن کی محبت ایک فطری اور ان مٹ جذبہ ہے جو خارجی و داخلی اثرات کو قبول نہیں کرتا، اس کے بعد ادب، و شعر پھر اہم شعراء و ادبا کا تعارف اور ان کے ادب و شعر کے اثرات سے بحث کی ہے۔ اس کا دعویٰ بالکل نہیں ہے کہ اس کا پورا حق ادا کیا ہے مگر اس سے یقیناً یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ ہمارے عربی ادب کا یہ کتنا قیمتی ذخیرہ ہے، جس کی جانب ہمیں توجہ مبذول کرنے کی ازحد ضرورت ہے۔

۱۹۵۴ء حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۔ العلم والعلماء ۔ اسلام کا نظامِ عفت و عصمت ۔
تاریخ صقلیہ ، تاریخ ملت جلد نہم

۱۹۵۵ء اسلام کا زرعی نظام ، تاریخ ادبیات ایران ، تاریخ علم فقہ ، تاریخ ملت حصہ دہم سلاطین ہند اوّل
تذکرہ علامہ محمد بن طاہر محدث پٹنی

۱۹۵۶ء ترجمان السنہ جلد ثالث ۔ اسلام کا نظام حکومت طبع جدید دلپذیر ترتیب ، جدید بین الاقوامی
سیاسی معلومات جلد دوم ۔ خلفائے راشدین اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات

۱۹۵۷ء لغات القرآن جلد پنجم صدیق اکبر ، تاریخ ملت حصہ یازدہم سلاطین ہند دوم ، انقلاب روس ، روس انقلاب کے بعد

۱۹۵۸ء لغات القرآن جلد ششم سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ، تاریخ گجرات ، جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد سوم

۱۹۵۹ء حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط ، ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ ، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ، مصائب و رکوع

۱۹۶۰ء تفسیر مظہری اردو پارہ ۲۹ ۔ ۳۰ ۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط
امام غزالی کا فلسفۂ مذہب و اخلاق ۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام ۔

۱۹۶۱ء تفسیر مظہری اردو جلد اوّل ، مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط ، اسلامی کتب خانے ، عرب و ہند
تاریخ ہند پر نئی روشنی

۱۹۶۲ء تفسیر مظہری اردو جلد دوم ۔ اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں ، معارف الآثار ۔
نیل سے فرات تک ۔

۱۹۶۳ء تفسیر مظہری اردو جلد سوم ۔ تاریخ ردہ ، پیر کشی ضلع بجنور ۔ علماء ہند کا شاندار ماضی اوّل

۱۹۶۴ء تفسیر مظہری اردو جلد چہارم ، حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط ، عرب و ہند عہد رسالت میں
ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں ۔

۱۹۶۵ء ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد اوّل ۔ تاریخی مقالات
لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر ، ایشیا میں آخری نوآبادیات

۱۹۶۶ء تفسیر مظہری اردو جلد پنجم ۔ رموز عشق ۔ خواجہ بندہ نواز کا تصوف و سلوک ۔
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ۔

۱۹۶۷ء ترجمان السنہ جلد چہارم ، تفسیر مظہری اردو جلد ششم ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ

۱۹۶۸ء تفسیر مظہری اردو جلد ہفتم ، تین تذکرے ۔ شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات
اسلامی ہند کی عظمت رفتہ ۔

۱۹۶۹ء تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم ، تاریخ الفخری ، حیات ذاکر حسین ، دین الٰہی اور اس کا پس منظر

۱۹۷۰ء حیات عبدالحی ، تفسیر مظہری اردو جلد نہم ، مآثر و معارف ، احکام شرعیہ میں حالات زمانہ کی رعایت

۱۹۷۱ء تفسیر مظہری اردو جلد دہم ، بیماری اور اس کا روحانی علاج ، خلافت راشدہ اور ہندوستان

۱۹۷۲ء فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ، انتخاب الترغیب والترہیب ۔ اخبار التنزیل
عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برہان

مرتبہ

سعید احمد اکبرآبادی

مطبوعاتِ ندوۃ المصنفین دہلی

۱۹۳۹ء اسلام میں غلامی کی حقیقت۔ اسلام کا اقتصادی نظام۔ قانونِ شریعت کے نفاذ کا مسئلہ۔ تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام۔ سوشلزم کی بنیادی حقیقت۔

۱۹۴۰ء غلامانِ اسلام۔ اخلاق و فلسفۂ اخلاق۔ فہمِ قرآن۔ تاریخِ ملت حصہ اول "نبیِ عربی صلعم"۔ صراطِ مستقیم (انگریزی)

۱۹۴۱ء قصص القرآن جلد اول۔ وحیِ الٰہی۔ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات حصہ اول۔

۱۹۴۲ء قصص القرآن جلد دوم۔ اسلام کا اقتصادی نظام (طبع دوم بڑی تقطیع مع ضروری اضافات) مسلمانوں کا عروج و زوال۔ تاریخِ ملت حصہ دوم "خلافتِ راشدہ"۔

۱۹۴۳ء مکمل لغات القرآن مع فہرستِ الفاظ جلد اول۔ اسلام کا نظامِ حکومت۔ مرقیہ۔ تاریخِ ملت حصہ سوم "خلافتِ بنی امیہ"

۱۹۴۴ء قصص القرآن جلد سوم۔ لغات القرآن جلد دوم۔ مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت (کامل)

۱۹۴۵ء قصص القرآن جلد چہارم۔ قرآن اور تصوف۔ اسلام کا اقتصادی نظام (طبع سوم جس میں غیر معمولی اضافے کیے گئے)

۱۹۴۶ء ترجمان السنہ جلد اول۔ خلاصہ سفرنامہ ابنِ بطوطہ۔ جمہوریہ یوگوسلاویہ اور مارشل ٹیٹو۔

۱۹۴۷ء مسلمانوں کا نظمِ مملکت۔ مسلمانوں کا عروج و زوال (طبع دوم جس میں سیکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے اور متعدد ابواب بڑھائے گئے ہیں) لغات القرآن جلد سوم۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ۔

۱۹۴۸ء ترجمان السنہ جلد دوم۔ تاریخِ ملت حصہ چہارم "خلافتِ ہسپانیہ"۔ تاریخِ ملت حصہ پنجم "خلافتِ عباسیہ اول"

۱۹۴۹ء قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات (حکمائے اسلام کے شاندار کارنامے (کامل) تاریخِ ملت حصہ ششم "خلافتِ عباسیہ دوم" بصائر۔

۱۹۵۰ء تاریخِ ملت حصہ ہفتم "تاریخِ مصر و مغربِ اقصیٰ" تدوینِ قرآن۔ اسلام کا نظامِ مساجد۔ اشاعتِ اسلام (یعنی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا)۔

۱۹۵۱ء لغات القرآن جلد چہارم۔ عرب اور اسلام۔ تاریخِ ملت حصہ ہشتم "خلافتِ عثمانیہ"۔ جارج برنارڈ شا۔

۱۹۵۲ء تاریخِ اسلام پر ایک طائرانہ نظر۔ فلسفہ کیا ہے؟ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد اول (جس کو ازسرِ نو مرتب اور سیکڑوں صفحوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ کتابتِ حدیث۔

۱۹۵۳ء تاریخِ مشائخِ چشت۔ قرآن اور تعمیرِ سیرت۔ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ۔

برہان

جلد نمبر ۸۰ | ربیع الاول ۱۳۹۸ھ مطابق فروری ۱۹۷۸ء | شمارہ ۲

فہرست مضامین

نظرات

ہمارے عزیز اور فاضل دوست ڈاکٹر عبدالحق انصاری صدر شعبۂ عربی، فا
واسلامیات وشوابھارتی شانتی نکیتن نے گذشتہ سال اپنے شعبہ میں کسی اپنے پسندیدہ مو
پر ایک توسیعی لکچر کی فرمائش کی تھی اور یونیورسٹی سے اوس کی منظوری بھی لے لی تھی۔ لیکن میں
عدیم الفرصتی کا عذر کیا اور بات ٹل گئی۔ لیکن اس سال انھوں نے پھر اسی دعوت ک
اعادہ کیا تو اب میرے لئے اوس کو منظور کر لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔
یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں" چنانچہ اوس کے لئے ۱۲ر جنوری کی تاریخ کا تعین ہو
اور میں نے لکچر کے لئے ابوریحان البیرونی المتوفی سنہ ۴۴۰ھ اور ہندوستان کے موضو
کا انتخاب کیا ۱۰ر جنوری کی شب میں اپر انڈیا اکسپریس سے روانہ ہو کر ۱۲ر کی صبح کو وشوابھا
—— پہونچا۔ پہلے جب کبھی یہاں آیا یونیورسٹی کے گسٹ ہاؤس میں قیام کیا۔ لیکن اس
ڈاکٹر صاحب نے خود اپنے وسیع، کشادہ اور خوبصورت بنگلہ پر قیام کا انتظام کیا تھا
شام کو چار بجے ڈپارٹمنٹ کے ایک ہال میں ڈاکٹر صاحب کی ابتدائی تقریر کے بعد لک
شروع ہوا۔ ابھی دو صفحے باقی تھے کہ ہال میں اندھیرا ہو گیا۔ کئی دن سے بجلی کا تسلسل
قائم نہیں تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی بجلی غائب اور پورے علاقہ میں گھپ اندھیرا تھ
لیمپ کا انتظام کیا گیا۔ لیکن میرے لئے اوس میں پڑھنا ممکن نہ تھا۔ آخر لکچر کو پونچ
کرنا پڑا۔ اس کے بعد سوال وجواب اور ڈاکٹر صاحب کی صدارتی تقریر جو کچھ ہوا
لیمپ کی روشنی میں ہوا۔ ہال میں شعبہ کے اساتذہ اور طلبا وطالبات کے علاوہ د
شعبوں کے اساتذہ اور طلبا کا بھی خاصہ اجتماع تھا اور سب نے لکچر دلچسپی سے س
سخت اندھیرے کی وجہ سے کہیں جانے یا پڑھنے پڑھانے کا موقع نہیں تھا۔ گھر آکر کچھ
ڈاکٹر صاحب اور ان کے رفیق شعبہ ڈاکٹر عابد علی صاحب سے گلگپ کی۔ نماز باجماعت اد

…ہایت حکلف اور لذیذ ڈنر کھایا اور پڑ کر سو گیا۔ اس وقت تک بجلی نہیں آئی تھی۔
صبح سویرے ہی ناشتہ کے بعد ڈاکٹر صاحب اور ان کی محترمہ بیگم کی مسافر نوازی کا شکریہ ادا
کے واپس روانہ ہوا۔

راستہ میں مونگیر پڑتا تھا، امیر شریعت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی اور اون
خانقاہ سے جو رابطۂ روحانی و قلبی ہے اوس کی وجہ سے اوس سے یونہی گذر جانا آسان نہ
تھا، پہلے سے اطلاع کر دی گئی تھی۔ اس لئے اسٹیشن پر مولانا کے صاحبزادہ مولانا محمد ولی
ایم۔ اے۔ جو خود بھی جید عالم ہیں۔ جامعہ رحمانیہ کے چند حضرات کے ساتھ موجود تھے
ان کے ساتھ خانقاہ آیا۔ خانقاہ کی عالی شان مسجد سے متصل ایک نہایت آرام دہ کمرہ
میں قیام کیا، یہاں آئندہ مارچ کے تیسرے ہفتہ میں جامعہ رحمانیہ کے زیر انتظام بہار کے
تمام مدارس عربیہ کا ایک متحدہ کنونشن ہو رہا ہے اس سلسلہ میں تیاری کمیٹی کے جلسے دو دن
سے ہو رہے تھے، اور اس میں شرکت کے لئے امارت شرعیہ اور مدارس عربیہ کے نمائندہ
حضرات بڑی تعداد میں آئے ہوئے تھے، آج مغرب کے بعد ان حضرات کا پھر اجتماع تھا۔
اس میں شرکت کی دعوت خاکسار کو بھی ملی۔ چنانچہ شریک ہوا۔ اور کنونشن کے مقاصد پر
گفتگو کی۔ یہاں یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ بہار میں اس وقت ایک ہزار سے کچھ
اوپر مدارس عربیہ ہیں۔ جن میں آٹھ سو کے قریب وہ مدارس ہیں جو اسلامک ایجوکیشن بورڈ
سے متعلق ہیں، ان میں عربی اور فارسی کے سرکاری امتحانات کی تعلیم ہوتی ہے اور گورنمنٹ سے
انہیں امداد ملتی ہے۔ اور دو سو سے کچھ زائد غیر ملحقہ مدارس ہیں۔ معلوم ہوا کہ عالم اور فاضل
وغیرہ سرکاری امتحانات میں پانچ پانچ ہزار امیدوار شریک ہوتے ہیں ان دونوں قسم کے چند
در چند مشترکہ دینی، تعلیمی اور ملی مسائل و معاملات ہیں ان پر غور کرنے اور اون کا حل پیدا کرنے
کے لئے ہی یہ کنونشن ہو رہا ہے۔ اس وقت ان حضرات میں بڑا جوش اور ولولہ ہے اور بڑی لگن سے
کام کر رہے ہیں۔ میں تو عشاء کی اذان کے بعد چلا آیا۔ یہ حضرات نماز کے بعد پھر بیٹھے اور ایک بجے
تک گفتگو کرتے رہے اور دوسرے دن نماز فجر کے بعد ان کی پھر نشست ہوئی یہ نو دس بجے تک جاری رہی

کہتے ہیں "بد اچھا بد نام برا"۔ خاکسار کے ساتھ تقریر کی ایسی تہمت لگی ہوئی ہے کہ کہیں نجی
ذاتی ملاقات کو جاتا ہوں تو وہاں بھی یہ تاوان ادا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ دوسرے دن یعنی ۱۵
جامعہ رحمانیہ کے اساتذہ اور طلبا نے اس کی فرمائش کی اور میں نے ہامی بھرلی۔ مغرب کے
بعد جامعہ کے کشادہ اور وسیع دارالحدیث ہال میں مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب
کی صدارت میں جلسہ منعقد ہوا۔ حضرت امیر شریعت، جامعہ کے حضرات اساتذہ و طلبا ا
شہر کے چند اصحاب سے ہال بھرا ہوا تھا۔ تلاوت کلام مجید کے بعد جناب صدر نے ایک
ہیچمیرز کی نسبت جو کچھ فرمایا اس پر دل میں ندامت اور شرمندگی کے ساتھ مولانا محمد علی
کا یہ مصرعہ بار بار یاد آرہا تھا:۔ اک فاسق و فاجر میں اور ایسی کراماتیں!
اس کے بعد "حالات حاضرہ اور مدارس عربیہ کا کردار" کے موضوع پر تقریر شروع ہو
جو کم و بیش ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی۔ اس پر بھی حضرت امیر شریعت نے از راہ حوصلہ
افزائی فرمایا "اے کاش آپ اسی طرح اور بولے چلے جاتے۔ آخر میں مولانا محمد ولی رحمانی
نے شکریہ میں تقریر کی اور جلسہ ختم ہوگیا۔

جامعہ کے حضرات اساتذہ نے بڑا کرم یہ کیا جس کے لئے میں بیحد شکر گزار ہوں کہ ان سب
مل جلکر مکلف عشائیہ کا اہتمام کیا تھا جو مرغ و ماہی پر مشتمل تھا۔ خانقاہ رحمانیہ اور جامعہ رحمانیہ
کی علمی اور دینی فضا، پھر حضرت امیر شریعت، میاں محمد ولی اور میاں روح اللہ شاہد رحمانی
کا غیر معمولی لطف و مدارات اور حضرات اساتذہ و طلبا کی محبت اور ان کا التفات، ایک دن
اور دو شب کے قیام میں ان سب سے لطف اندوز ہوکر ۱۵ کی صبح کو تین سکھیا اکسپریس سے روانہ ہوا
۱۶ر کو علی الصباح دہلی واپس گیا۔
دنیا کا چلن روز بروز بگڑتا جاتا ہے جسے محسوس کر کے سخت مایوسی اور وحشت ہوتی ہے
اسی لئے غنیمت ہیں وہ لمحات زندگی جو ایسے عبّاد صالحین و ابرار کی معیت و صحبت میں بسر ہوں
کہ ان سے ایمان تازہ ہوجاتا اور دل میں ایک حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

اجتہاد کا تاریخی پس منظر

اجتہاد استصلاحی

(۱۵)

جناب مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی

علیگڑھ

ائمہ مجتہدین نے اجتہاد استصلاحی کو منضبط کرنے کے لئے اس کے قواعد و قوانین کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) جلب مصالح و دفع مفاسد (مصالح حاصل کرنا اور مفاسد دور کرنا) یعنی احکام و قوانین کے ذریعہ وہ مادی و اخلاقی مصالح حاصل کرنا جن کی سوسائٹی کو ضرورت ہو یا وہ مادی و اخلاقی مفاسد دور کرنا جن سے سوسائٹی کو نقصان ہو۔

(۲) فتح ذرائع و سد ذرائع (ذرائع کھولنا اور ان کو بند کرنا) یعنی احکام و قوانین کے ذریعہ ان راستوں اور ذریعوں کو کھولنا جن سے مصالح حاصل ہوتے اور مفاسد دور ہوتے ہیں یا ان راستوں اور ذریعوں پر بندش لگانا جو مصالح حاصل کرنے اور مفاسد دور کرنے میں رکاوٹ بنتے ہوں۔

(۳) تغیر احکام بتغیر زماں (زمانہ کی تبدیلی سے احکام کی تبدیلی) یعنی نئے احکام و قوانین کے ذریعہ پہلے احکام و قوانین (جن کی زمانہ کی تبدیلی کی وجہ سے مصلحت بدل گئی یا اب ان سے مفاسد نہیں دور ہو رہے ہیں) کی تبدیلی

ہر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) جلبِ مصالح ودفعِ مفاسد۔

جلبِ مصالح ودفع مفاسد | عام اصول وقواعد کے تحت مصالح حاصل کرنے اور مفاسد دور کرنے کے لئے احکام وقوانین وضع کرنے یا موجودہ احکام وقوانین کا موقع ومحل متعین کرنے کی بکثرت مثالیں صحابہ کرام کے زمانہ میں پائی جاتی ہیں۔ جن کے بارے میں محققین کا فیصلہ ہے کہ وہ مصلحت مرسلہ کے تحت ہیں:۔

ان الصحابۃ رضوان اللّٰہ علیھم عملوا اموراً المطلق المصلحۃ لا لتقدم شاھد بالاعتبار[1]

صحابۂ کرام نے بہت سے امور میں مطلق مصلحت کا اعتبار کیا ہے جبکہ ان میں اعتبار کے لئے پہلے سے کوئی شاہد (متعین طور پر) موجود نہ تھا۔

صحابہ کی مثالیں | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت مسلمہ جن شورشوں اور بغاوتوں میں گھر گئی تھی تاریخ کا ادنیٰ طالب علم ان سے واقف ہے ایسی حالت میں صحابہ کرامؓ اگر متعین نصوص پر جمے رہتے اور عام اصول وقواعد کے تحت مطلق مصلحت کا لحاظ نہ کرتے تو امت مسلمہ کا شیرازہ اسی وقت منتشر ہو گیا ہوتا لیکن یہ حضرات چونکہ رازدار نبوت اور مزاج شناس شریعت تھے اس بناء پر انھوں نے عام اصول وقواعد کے تحت بہت سے ایسے اقدامات کئے اور احکام وقوانین وضع کئے جن کی نظیر متعین طور پر موجود نہ تھی مثلاً

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جمع قرآن کا انتظام کیا فتنۂ ارتداد کو دبایا جسمیں بعض سے قتل وقتال کا حکم دیا بعض کو قید کیا بعض کو معافی دی اور بعض کو آگ میں جلانے کا

---

[1] ابن فرحون۔ تبصرۃ الحکام فی القضایا بالسیاسۃ الشرعیہ۔

حکم دیا غیر مسلم حاجت مندوں کی کفالت کو حکومت کے ذمہ قرار دیا۔ شرابی کی سزا چالیس[۴۰] کوڑے مقرر کی۔ لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کو آگ میں جلانے کا حکم دیا وغیرہ[۵۰]

حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو زمین و جائداد رکھنے سے قانوناً روک دیا۔ یہانتک کہ اگر کوئی غیر مسلم اسلام قبول کر لیتا تو اس کی تمام جائداد غیر منقولہ ضبط کر کے بستی کے غیر مسلموں میں تقسیم کر دی جاتی اور اس نو مسلم کا سرکاری خزانہ سے وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔[۵۲]

شرابی کی سزا اسّی کوڑے مقرر کی۔ ایک موقع پر چوری میں مال کی دوگنی قیمت کا حکم دیا۔ اہل صنعت و حرفت (رنگریز درزی وغیرہ) ضائع شدہ مال کا تاوان وصول کرنیکا حکم دیا۔ سرکاری خزانہ کی چوری اور مالکہ کے آئینہ کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں دیا عدت میں نکاح اور جماع سے حرمت کا حکم دیا۔ گھوڑوں پر صدقہ مقرر کیا۔ چراگاہ کو بلا معاوضہ سرکاری تحویل میں لے لیا۔ غیر مسلموں کو حکومت میں شریک و دخیل بنایا ملکی انتظام کے لئے الگ الگ شعبے اور صیغے قائم کئے افسران کے اموال کی فہرست تیار کرنے کا حکم دیا۔ خراج کا نظم قائم کیا[۵۳] ایک کے قتل میں شریک جماعت کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ شاطبی کہتے ہیں۔

یجوز قتل الجماعة بالواحد و المستند فیه المصلحة المرسلة	ایک کے بدلہ جماعت کا قتل کرنا جائز ہے اور مستند اس میں مصلحت مرسلہ ہے۔ کیونکہ

---

[۵۱] ابن حجر فتح الباری شرح بخاری ج ۹ باب جمع القرآن و قاضی ابویعلی الاحکام السلطانیہ فصل فی ولایات الامام و محمد بن احمد بن سہل السرخسیؒ المبسوط باب المرتدین و کتاب الخراج لابی یوسف و احمد بن حسین بیہقی سنن الکبریٰ — کتاب الاشربۃ۔ [۵۲] جوہری طنطاوی نظام العالم و الامم ج ۲ ص ۱۸۳ و ۱۸۴ — [۵۳] مسلم ج ۱ کتاب الطلاق و علی بن حسام متقی کنز العمال ج ۲ کتاب الاجارہ۔ امام مالک موطا باب مالا قطع فیہ و محمد مصطفٰے شلبی تعلیل الاحکام النوع الرابع — و طحاوی ج ۱ باب زکوٰۃ الخیل فتح الباری ج ۲ ابو عبید کتاب الاموال باب فی تقبیل السواد ابو یوسف کتاب الخراج فی تقبیل السواد۔ بلاذری فتوح البلدان

اذ لا نص علی عین المسئلۃ لکنہ — اس مسئلہ میں کوئی خاص نص نہیں ہے۔ لیکن
منقول عن عمر بن الخطاب رض [1] — حضرت عمرؓ سے یہ منقول ہے۔

ان کے علاوہ حضرت عمرؓ کے یہاں مصلحت مرسلہ کی اور بہت مثالیں ملتی ہیں۔
اسی طرح حضرت عثمان و حضرت علی وغیرہ کے یہاں مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت عثمان نے ایک مصحف پر لوگوں کو جمع کیا اور حضرت علی نے غالی قسم کے شیعہ رافضی کو جلانے کا حکم دیا۔

وعلی حرق الغلاۃ من الشیعۃ — اور حضرت علی نے غالی شیعہ روافض
الروافض [2] — کو جلایا۔

تابعین کی مثالیں تابعین نے بھی مصلحت مرسلہ کے تحت بہت سے مسائل حل کیے مثلاً حضرت عمرؒ بن العزیز نے سرکاری سطح پر حدیثوں کے جمع کرنے کا انتظام کیا مسافروں کے لئے راستہ میں سرائے بنانے کا حکم دیا۔ ابن ابی لیلیٰؒ نے بچوں کے کھیل کود کے معاملات اور ان کے لڑائی جھگڑے میں بچوں کی شہادت قبول کی اور شہادت کے لئے بالغ مرد ہونے کی شرط میں اس صورت کو داخل نہیں سمجھا کیونکہ اس کا تعلق بالغوں کے معاملات سے ہے۔ اور یہ خالص بچوں کا معاملہ ہے۔
قاضی شریحؒ نے دھوبی سے کپڑے کی قیمت وصول کرنے کا حکم دیا۔ جب اس نے کہا کہ میرا گھر جل گیا ہے ایسی حالت میں آپ تاوان کا حکم دے رہے ہیں۔ تو جواب میں فرمایا کہ اگر اس کا گھر جل جاتا تو تم اپنی اجرت لیتے یا نہ لیتے؟ قاضی شریحؒ و ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک کسی شخص نے مکان بنانے کے لئے عاریۃً زمین لی اور واپسی کا کوئی وقت نہیں متعین کیا۔ مکان بنانے کے بعد زمین کا مالک اپنی زمین واپس لینا چاہیئے تو مالک کو مکان کی قیمت اس دن کے حساب سے دینی پڑے گی جس دن وہ زمین واپس

---

[1] شاطبی الاعتصام ج۲ الفرق بین البدع والمصالح۔ [2] عبدالوہاب خلاف علم اصول الفقہ المصلحۃ المرسلۃ۔

ے گا۔ یہ مسائل ایسے ہیں کہ جن کے لئے کوئی متعین نص موجود نہیں ہے ان میں صرف مصلحت مرسلہ کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ ؎۱

امام مالک نے مستقل اصل تسلیم کی ہے

فقہاء نے بھی مصلحت مرسلہ کے تحت بہت سے مسائل حل کئے ہیں۔ لیکن امام مالکؒ نے اس کو اجتہاد کی مستقل اصل تسلیم کیا اور دوسرے اماموں (ظاہریہ کے علاوہ) نے اس کو اجتہاد کی دوسری اصل میں شامل کیا ہے۔ مثلاً امام مالکؒ نے چوری اور غصب کی تہمت میں اقرار کرانے کے لئے قید کرنے کی اجازت دی اور بعض مالکیوں سے مارنے کی اجازت بھی منقول ہے۔ یہ سزائیں جرم ثابت ہونے سے پہلے کی ہیں۔ حکومت کو سخت حالات میں جبکہ سرکاری خزانہ خالی ہو جبریہ ٹیکس وصول کرنے کی اجازت ہے۔ مالی قصور میں مالی سزا دینے کی اجازت ہے جیسے کوئی زعفران میں ملاوٹ کرے تو اس کو غریبوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے بھی دودھ میں پانی کی ملاوٹ دیکھی تو اس کو پھینکنے کا حکم دیا تھا۔ حلال کمائی کے دروازے بند ہوں اور حرام کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ ہو تو بقدر ضرورت کی اجازت ہے وغیرہ ؎۲ ۔

"مصلحت مرسلہ" سے کام لینے میں چونکہ ہوا وہوس کے غلبہ پا جانے کا زیادہ اندیشہ تھا۔ اس بناء پر امام مالکؒ نے اس کے لئے تین شرطیں بھی مقرر کی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

(۱) مصلحت حقیقی ہو وہمی نہ ہو یعنی حکم وضع کرنے سے واقعۃً مصلحت حاصل کرنا یا مضرت دفع کرنا مقصود ہو کہ اس کے ترک سے لوگ مشقت وتنگی میں مبتلا رہیں۔ وہمی کی مثال یہ کہ طلاق میں گڑبڑی دیکھکر شوہر سے طلاق کا حق سلب کرکے عدالت کو یہ

؎۱ شافعی کتاب الام ج ۔ محمد سعید رمضان بوطی۔ ضوابط المصلحہ موقف العلماء من عصر الصحابۃ الی عصر الائمۃ المجتہدین ؎۲ شاطبی الاعتصام ج۲ الباب الثامن۔

حق دیدیا جائے۔

(۲) مصلحت عام ہو شخصی نہ ہو یعنی اس کا تعلق عام یا اکثر لوگوں سے ہو فرد یا چند افراد سے نہ ہو کہ کسی رئیس یا امیر کی مصلحت ملحوظ رکھکر کوئی حکم وضع کیا جائے۔

(۳) مصلحت کا ٹکراؤ کسی ثابت شدہ حکم سے نہ ہو۔ یعنی نص خاص سے ٹکراؤ نہ ہو۔ جیسے میراث میں بیٹے اور بیٹی کی برابری کا حکم دیا جائے [1]

امام احمد نے بکثرت مسائل حل کئے ہیں

امام احمد نے مصلحت مرسلہ کے تحت مخنّث (ہیجڑا) کو شہر بدر کرنے کا حکم دیا۔ مرد کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کو آگ میں جلانے کا اختیار دیا ایک عورت کو دوسری عورت کے ساتھ بدفعلی کا اندیشہ ہو تو ان میں خلوت (تنہائی) کو حرام قرار دیا وغیرہ [2]۔ دراصل امام احمد نے سیاست شرعیہ کے تحت بہت سے مسائل حل کئے ہیں جو استصلاح میں داخل ہیں۔ چنانچہ سیاست شرعیہ کی تعریف یہ ہے۔

السیاسۃ ما کان فعلا یکون معہ الناس اقرب الی الصلاح وابعد عن الفساد وان لم یضعہ الرسول ولا نزل بہ وحی [3]

سیاست وہ فعل ہے کہ جس کے ذریعہ لوگ صلاح سے قریب اور فساد سے دور رہیں اگرچہ اس کو رسول اللہ نے نہ کیا ہو اور نہ اس کے لئے وحی نازل ہوئی ہو۔

دوسری تعریف یہ ہے۔

ان السیاسۃ فعل ینشئ من الحاکم لمصلحۃ یراہا وان لم یرد بذلک الفعل دلیل خبری۔ [4]

سیاست وہ فعل ہے جس کو حاکم مصلحت کے پیش نظر مناسب سمجھ کر کرتا ہے اگرچہ اس فعل کی کوئی دلیل نہ مردی ہو

---

[1] الاعتصام ج۲ وعبدالوہاب خلاف علم اصول الفقہ الدلیل السادس۔ [2] ابن قیم۔ اعلام الموقعین ج۴ کلام الامام احمد فی السیاسۃ الشرعیۃ۔ [3] ابن قیم الطرق الحکمیہ فصل جواز العمل فی السلطنۃ بالسیاسۃ الشرعیۃ [4] ابن تیمیہ جامع التعزیر الخاتمہ فی السیاسۃ

ایک اور جگہ ہے۔

انما القانون الموضوع لرعاية الآداب والمصالح وانتظام الاحوال [1]

سیاست وہ قانون ہے جو آداب و مصالح اور انتظام احوال کے لئے وضع کیا گیا ہو۔

ظاہر ہے کہ اس کا دائرہ استصلاح سے کم وسیع نہیں ہے اسی بنا پر عام تاثر یہ ہے کہ امام مالک کے بعد مصلحت مرسلہ سے امام احمد نے زیادہ کام لیا ہے۔ بلکہ بعض تشریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام احمد کے یہاں امام مالک سے بھی زیادہ وسعت ہے، جیسا کہ ابن قیم اور ابن تیمیہ کی کتابوں میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

امام ابو حنیفہ کے اختلاف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا

امام ابو حنیفہ نے استحسان و عرف کے تحت ایسے مسائل بھی حل کئے ہیں جن کا تعلق استصلاح سے گذر چکا۔ مثلاً اہل پیشہ (دھوبی رنگریز وغیرہ) کو ضامن ٹھہرانا مشترک مزدور و مشترک چرواہے کو ضامن ٹھہرانا وغیرہ [2] پھر احناف کے یہاں مسائل حل کرنے میں "رائے" جس قدر زیادہ استعمال ہوتی ہے اس کے پیش نظر مصلحت مرسلہ سے کام لینے میں زیادہ دشواری نہ ہونی چاہئے فرق صرف اصطلاح کا رہ جاتا ہے اگر اپنی وضع کردہ اصطلاح سے مسائل حل ہو جاتے ہیں تو دوسرے کی اصطلاح قبول کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

امام شافعی کا اختلاف اور اس کی حقیقت

امام شافعی استصلاح کے مخالف مشہور رہے ہیں لیکن مصلحت کے بارے میں زنجانی نے انکا یہ مسلک نقل کیا ہے۔

ذهب الشافعي الى ان التمسك بالمصالح المستندة الى كلى الشرع وان لم تكن مستندة الى الجزئيات الخاصة المعينة جائز [3]

امام شافعی کے نزدیک ان مصالح سے استدلال درست ہے جنکی سند شریعت کے کلیات عام اصول و قواعد ہوں اگرچہ خاص معین جزئی ان کی سند نہ ہو۔

---

[1] ابن تیمیہ جامع التعزیر الخاتمہ فی السیاستہ۔ [2] محمد سعید رمضان بوطی ضوابط المصلحۃ موقف العلماء الخ۔ [3] شہاب الدین محمود بن احمد زنجانی تخریج الفروع علی الاصول کتاب الخراج مسئلہ۔

یہ وہی مصلحت مرسلہ ہے جس کی تعریف پہلے گذر چکی۔

پھر امام شافعی نے بہت سے استصلاحی مسائل قیاس کے تحت حل کئے ہیں مثلاً گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہیں اس گواہی پر عدالت نے دونوں کے درمیان جدائی کردی پھر گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کرلیا تو گواہ مہر مثل کے ضامن ہوں گے اور اگر عورت سے قربت نہیں ہوئی اور طلاق ہوگئی تو گواہ نصف مہر مثل کے ضامن ہوں گے اسی طرح غاصب (چھیننے والا) نے اگر مغصوبہ (چھینے ہوئے) مال میں بکثرت ایسے تصرفات کرلئے ہیں کہ جن کے لئے مالک ہونا ضروری ہے جبکہ وہ مالک نہیں ہے تو ایسی صورت میں اصل مالک چاہے تو تصرفات برقرار رکھ سکتا ہے وغیرہ [۱]

ائمہ کے مذکورہ طرز عمل سے ثابت ہے کہ مصلحت مرسلہ کے تحت سبھی نے مسائل حل کئے ہیں کسی نے الگ مستقل اصطلاح وضع کی اور کسی نے دوسری اصطلاحوں میں اس کو داخل کیا۔ امام غزالی نے استحسان کی طرح استصلاح کو بھی موہوم دلائل سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن یہ صرف نزاع لفظی واصطلاحی ہے نتیجہ کے لحاظ سے کوئی خاص اثر نہیں مرتب ہوتا۔ اعتراضات سے بچنے کے لئے جس طرح حنفیوں کا استحسان قیاس کی ایک قسم قرار دیا جاتا ہے اسی طرح مالکیوں کا استصلاح بھی قیاس کا ایک قسم بنایا جاسکتا ہے۔ ایسی صورت میں قیاس کی دو قسمیں کی جائیں گی۔

(ا) قیاس خاص جس میں علت کو مدار بنا کر مسائل کا حل نکالا جائے۔

(ب) قیاس عام جس میں مطلق مصلحت کو مدار بنا کر مسائل کا حل نکالا جائے۔

اسی طرز عمل کی بناء پر قرافی مالکی نے کہا ہے۔

---

[۱] ضوابط المصلحۃ حوالہ بالا۔

...صلحة المرسلة غير ما يقرح بانكارها ... لكنهم عند التفريع تجدهم يعللون ... مطلق المصلحة لا يطالبون انفسهم ... عند الفروق والجوامع بابداء ... شاهد لها بالاعتبار بل يعتمدون ... على مجرد المناسبة اى كون الشيئ انسب ... وموفق هذا هو المصلحة المرسلة[1]

ہمارے علاوہ دوسرے فقہاء مصلحت مرسلہ کا صراحۃً انکار کرتے ہیں لیکن جب وہ مسائل کی تفریع کرتے ہیں تو مطلق مصلحت کو علت قرار دیتے ہیں جس کے اعتبار کے لئے کسی متعین شاہد کو بھی ضروری نہیں سمجھتے بلکہ صرف مناسبت کو کافی سمجھتے ہیں یعنی کسی چیز کا مناسب و موفق ہونا ہم اسی کو مصلحت مرسلہ کہتے ہیں۔

...صلحت مرسلہ اور ...صوص شرعیہ کا ٹکراؤ

مصلحت مرسلہ کے باب میں ائمہ کے درمیان اصل اختلاف اس وقت ظاہر ہونا چاہیئے جب مصلحت اور شرعی نصوص کا ٹکراؤ ہوتا ہے ...حضرات اس کو مستقل ماخذ تسلیم کرتے ہیں وہ اس کے ذریعہ عام نصوص شرعیہ کی ...صیص (نص کے عام الفاظ جن کو شامل ہیں ان میں سے بعض افراد کو کم کر دینا یا نکال دینا) ...قائل ہیں اور جو مستقل ماخذ نہیں تسلیم کرتے وہ اس کے ذریعہ تخصیص کے قائل ...یں ہیں لیکن جیسا کہ معلوم ہو گا کہ یہ حضرات بھی مسائل حل کرتے وقت عام نصوص ...خاص کرنے میں دریغ نہیں کرتے ہیں اگر مصلحت کو مستقل حیثیت نہیں دیتے تو قیاس ...ی یا خفی (استحسان) میں شامل کر کے یا اس کے تابع بنا کر کرتے ہیں عمل اور نتیجہ کے ...ظ سے اس میں بھی زیادہ فرق نہیں ظاہر ہوتا بس کہیں کہیں کچھ اختلاف کی صورت ...دا ہوتی ہے۔

...صوص شرعیہ ...دو قسمیں

نصوص شرعیہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) نصوص خاص اور (۲) نصوص عام

---

[1] ...شہاب الدین احمد قرافی تنقیح الفصول ص ۲۰۰ و مصطفےٰ احمد زرقا ر الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ...استصلاح والمصالح المرسلۃ۔

نصوص خاص کی مثال جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت میں شا
بیاہ کی بات چیت کرنے (منگنی) سے منع فرمایا جبکہ دوسرے کی بات چیت چل رہی
یا بھاؤ کرنے سے منع فرمایا جبکہ دوسرا بھاؤ کر رہا ہو۔ نصوص عام کی مثال جیس
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکہ کی بیع سے منع فرمایا یا جال میں جو پہلی مچ
نکلے یا غوطہ لگانے والا پہلا موتی نکالے اس پر شرط کر کے خرید و فروخت کا معاملہ ک
سے منع فرمایا۔

نصوصِ خاص میں محدود چیزوں اور مخصوص و معین حالتوں کے بارے میں
کرنے یا نہ کرنے کا حکم ہوتا ہے اور نصوص عام میں ایک ہی جنس کی غیر محدود چیز
اور غیر معین امور و حالات کے بارے میں کرنے یا نہ کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ فقہا
نزدیک نصوصِ خاص مراد و مقصود کے ثبوت اور اس پر دلالت کرنے میں قطع
ہوتے ہیں۔ اور نصوص عام مراد و مقصود کے ثبوت اور اس پر دلالت کرنے میں
غیر قطعی ہوتے ہیں یعنی ہر عام میں اس کے بعض افراد کے نکلنے یا داخل نہ ہونے
احتمال ہوتا ہے۔ امام مالکؒ۔ امام احمدؒ۔ اور امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔ ا
امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نصوص عام بھی قطعی ہوتے ہیں یعنی اس میں تخصیص
احتمال نہیں ہوتا لیکن اگر کسی دلیل سے بعض افراد نہ داخل کئے جائیں تو بچ
بقیہ افراد پر اس کی دلالت ظنی (غیر قطعی) ہو جاتی اور دوسرے بعض افرا
کے داخل نہ ہونے کا احتمال پیدا ہو جاتا ہے اس کی تفصیل اجتہاد توضیحی میں
گذر چکی۔

مصلحت مرسلہ کا ٹکراؤ اگر نصوص قطعی (خاص) سے ہے تو بالاتفاق مصلح
کا اعتبار نہ ہوگا اور نصوص پر عمل کیا جائے گا۔ ایسے نصوص سے جو مصلحت ٹکرائ
اس کا شمار مفسدہ میں ہوگا۔ مثلاً جس نص سے مطلقہ۔ بیوہ اور حاملہ عورت

دت و مدت کا ثبوت ہوتا ہے وہ نص قطعی اور خاص ہے۔ اس میں جو مصلحت
رہا ہے اس کا ٹکراؤ اگر بالفرض کسی مصلحت مرسلہ سے ہوتا ہے اور اس کی بناء پر
ن کی مدت ختم کرنے یا کم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ پوری
ت بہر حال گذارنی ہوگی۔

اور اگر مصلحت مرسلہ کا ٹکراؤ نصوص غیر قطعی (عام) سے ہو تو اس میں فقہاء
درمیان اختلاف ہے۔

فع کا
لک

شوافع مصلحت کے ذریعہ عام نصوص کی تخصیص کے قائل نہیں ہیں لیکن
اگر شدید ضرورت ہو یا عام ضرر کی صورت پیدا ہو تو وہ اس قاعدہ
ستثنیٰ ہوگی اور شدید ضرورت کے لئے جو قاعدہ مقرر ہے اس کے پیش نظر
حت پر عمل ہوگا۔ نص پر عمل نہ ہوگا مثلاً۔ اسلام اور کفر کی جنگ میں دشمن نے
قیدیوں کو سامنے کر دیا اور یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر ان مسلموں پر حملہ نہ کیا گیا
س کی پسپائی ناممکن ہوگی اور وہ غالب آجائیں گے تو ایسی حالت میں باوجود
کے کہ مسلم کا ناحق قتل حرام ہے۔ اور یہ حرمت نص قطعی سے ثابت ہے پھر بھی
قیدیوں کو قتل کر کے دشمن پر غلبہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ شوافع چونکہ استحسان
ستصلاح دونوں کے قائل نہیں ہیں، اس لئے ان کے یہاں مصلحت کے ذریعہ عام
و خاص کرنے کا دائرہ نسبتہً تنگ ہے۔ لیکن چونکہ قیاس کا دائرہ ان کے
زیادہ وسیع ہے اور قیاس کے ذریعہ نصوص عام میں وہ تخصیص کے قائل ہیں
لئے عمل اور نتیجہ کے لحاظ سے زیادہ تنگی نہیں رہ جاتی اور مصلحت قیاس کے
آجاتی ہے۔

ہر ایسی مصلحت جس کے لئے متعین نص نہ ہو
لیکن اس کے اعتبار کے لئے شریعت میں

بر و اکل مصلحۃ لم یات بھا
ں ولکن شھد الشرع

باعتبار ہاں اجعتہ الی القیاس [۱] دلیل موجود ہو تو شوافع نے قیاس کی طرف
رجوع کر کے اس کا اعتبار کیا ہے۔

حنابلہ کا مسلک | حنابلہؒ مصلحت مرسلہ کو زیادہ وزن دیتے اور سیاست شرعیہ میں ایک
خاص حیثیت تسلیم کرتے ہیں اس کے باوجود وہ اس کے ذریعہ عام نصوص کو خاص
کرنے کے قائل نہیں ہیں بلکہ جہاں ضرورت ہوتی ہے قیاس کے تابع بنا کر پھر قیاس
کے ذریعہ عام میں تخصیص کرتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص کے پاس رہنے کے لئے مکان
نہیں ہے اور دوسرے کے پاس نہایت کشادہ مکان موجود ہے تو مالک مکان
کو اس کے رکھنے پر مجبور کرنے کی اجازت ہے بمختلف پیشہ والے اگر اپنا پیشہ چھوڑ
اور لوگوں کو اس کے بغیر تکلیف ہو تو اہل پیشہ کو زیادہ اجرت دیئے بغیر کام کرنے پر مجبور
کیا جا سکتا ہے۔ بازار بھاؤ مقرر کرنے کی اجازت ہے جبکہ دوکان دار بھاؤ
بڑھا دیں اور لوگوں کو اس سے تکلیف ہوتی ہو وغیرہ [۲]

غور سے دیکھا جائے تو ان سب میں عام نصوص کو مصلحت کے ذریعہ خاص
کرنے کی صورت پائی جاتی ہے براہ راست نہ سہی قیاس و سیاست شرعیہ کے
ذریعہ سہی عمل اور نتیجہ کے لحاظ سے کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔

احناف کا مسلک | احنافؒ کے نزدیک مصلحت مرسلہ کے ذریعہ عام نصوص کو
خاص کرنے میں زیادہ پیچیدگی ہے کیونکہ وہ عام کو دوسرے ائمہ کی طرح غیر قطعی
نہیں سمجھتے بلکہ اس کی قطعیت کے قائل ہیں البتہ اگر کسی دلیل سے اس میں بعض

---

[۱] الغزالی۔ المستصفی جزء اول و معروف دوالیبی المدخل الی علم اصول الفقہ المذہب
والاستصلاح۔

[۲] ابن قیم۔ الطرق الحکمیہ صد ۲۳۹ ــــ و ابو زہرہ ابن حنبل المصالح ــ

افراد داخل نہ کئے جائیں تو پھر بقیہ افراد پر اس کی دلالت غیر قطعی (ظنی) ہو جاتی ہے۔ لیکن
قائلین احناف کے یہاں بھی تخصیص کی موجود ہیں مثلاً شہادت کے باب میں عام
حکم ہے کہ دیکھ کر ہونی چاہئے محض سننے کی بنیاد پر شہادت کافی نہیں ہے لیکن وقف
ثابت کرنے کے لئے سنکر شہادت دینے کی اجازت ہے کہ اس کے بغیر اوقاف
کے تلف ہو جانے کا خوف ہے۔ نسب اور وفات کے ثبوت میں بھی سنکر شہادت
دینے کا اعتبار ہے۔ اسی طرح رسول اللہ نے بیع معدوم (جو چیز موجود نہ ہو)
سے منع فرمایا لیکن احناف کے نزدیک موسمی پھلوں کی بیع جائز ہے جبکہ کچھ نکل آئے
ہوں اور ان میں انتفاع کی صلاحیت ظاہر ہو گئی ہو اگرچہ کچھ پھل بعد میں نکلیں اور
اس وقت موجود نہ ہوں۔ حنفی فقہ میں ایسی اور بھی مثالیں موجود ہیں۔ جن میں
عام نصوص کو خاص کرنے کی شکل پائی جاتی ہے اور مصلحت کے علاوہ اور کوئی
محرک بظاہر سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ پھر استحسان (جس کا دوسرا نام قیاس
خفی ہے) کی ایک شکل استحسانِ ضرورت ہے جو مصلحت پر مبنی ہوتا ہے احناف
نے اس سے نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ کام لیا ہے۔ اس کے بعد مصلحت کے ذریعہ
عام نصوص کو خاص نہ کرنے کی بات عمل اور نتیجہ کے لحاظ سے کوئی خاص اثر نہیں پیدا
کرتی۔ ایک طرف احناف کا اصول ہے اور دوسری طرف عمل اور نتیجہ ہے۔ جن کی
نظر اصول پر ہے۔ وہ عام کو خاص نہ کرنے کا مسلک احناف کی طرف منسوب کر سکتے
ہیں اور جن کی نظر عمل اور نتیجہ پر ہے وہ عام کو خاص کرنے کا مسلک ان کی طرف
منسوب کر سکتے ہیں۔

مالکیہ کا مسلک مالکیہ براہ راست مصلحت مرسلہ کے ذریعہ عام نصوص کو خاص
کرنے کے قائل ہیں مثلاً جس شخص پر چوری یا قتل کی تہمت ہو تو اقرار کرانے کے لئے

۱؎ ردالمحتار لابن عابدین ج ۴ کتاب الشہادات۔

اس کو قید کرنے اور سزا دینے کی اجازت ہے۔ حالانکہ عام نصوص سے اس کی اجازت
نہیں ثابت ہوتی۔ اونچی معاشرت یا جس معاشرت میں رواج نہ ہو ماں پر اپنے بچے
کو دودھ پلانا واجب نہیں ہے حالانکہ نص سے کسی کی خصوصیت نہیں ثابت ہوتی۔
دعویٰ کے ثبوت میں اگر مدعی گواہ نہ پیش کر سکے تو مدعیٰ علیہ سے اس صورت میں قسم
دلائی جائے جبکہ وہ مدعی کے میل جول والا ہو۔ بالعموم مدعیٰ علیہ سے قسم نہ دلائی جائے
کیونکہ ایسی صورت میں شرفار پریشانی میں مبتلا ہوں گے اور ہر کس و ناکس ان کے
خلاف دعویٰ دائر کرنے میں جری ہو جائے گا حالانکہ گواہ نہ پیش کرنے کی صورت
میں مدعیٰ علیہ سے قسم دلانے کی عام نص مشہور ہے۔

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر — مدعی کے ذمہ گواہ پیش کرنا اور انکار کرنے والے
کے ذمہ قسم ہے۔

مالکیہ کے نزدیک مصلحتِ مرسلہ کے اعتبار کی شرطیں اوپر گذر چکی ہیں جن
کے بعد براہ راست اس کے ذریعہ نصوصِ عام کو خاص کرنے میں کوئی دشواری
نہیں رہتی لیکن اس میں چونکہ نص کے مقابلہ میں مصلحت کو ترجیح دینے کی شکل پائی
جاتی ہے۔ اس بنار پر بعض لوگوں نے امام مالک کی طرف اس نسبت کو پسند نہیں
کیا اور ان کے مسائل کی توجیہ کی ہے۔ لیکن مصلحتِ مرسلہ کی جو وضاحت کی گئی ہے
اس کے لحاظ سے نص کے مقابلہ میں مجرد مصلحت کو ترجیح دینے کا سوال ہی نہیں پیدا
ہوتا بلکہ عام اصول و قواعد جو نص سے ثابت ہیں اور ان سے جو مصلحت نکلتی ہے۔
اس کو بعض حالات میں اس مصلحت پر ترجیح دینا ہے جو دوسری عام نص سے ثابت
ہے ظاہر ہے کہ بہ صورت حالات کے لحاظ سے ایک نص پر دوسری نص کو ترجیح دینے
کی ہے نہ کہ مجرد مصلحت کو نص پر ترجیح دینے کی۔

طوفی کا مسلک | نجم الدین طوفی حنبلی نے فقہار اربعہ کے مذکورہ مسلک سے اختلاف

...یا ہے ۔ مثلاً

(۱) مصلحت میں مرسلہ کی قید نہیں ہے بلکہ مجرد مصلحت مراد لی ہے

(۲) مصلحت کو نص اور اجماع سے بھی زیادہ قوی تسلیم کیا ہے یعنی ٹکراؤ کی صورت میں بہر حال اس کو تقدم حاصل ہوگا خواہ نص خاص ہو یا عام ۔

(۳) مصلحت کی حیثیت بیان و تخصیص کی ہے جس طرح حدیث کی حیثیت بیان و تخصیص کی ہے اور اس حیثیت سے وہ قرآن پر مقدم ہوتی ہے اسی طرح مصلحت بھی مقدم ہوگی ۔

طوفی (ابو الربیع سلیمان بن عبد القوی بن عبد الکریم پیدائش ۶۵۷ وفات ۷۱۶ھ) نے اپنے مسلک کی بنیاد حدیث لاضرر ولاضرار فی الاسلام (اسلام میں نہ نقصان اٹھانا ہے اور نہ نقصان پہونچانا ہے ۔) پر رکھی ہے اور اس کی شرح اور وضاحت میں مصلحت پر گفتگو کی ہے ۔ [۱]

اس مسلک کو بالعموم نہیں قبول کیا گیا بلکہ اس پر سخت نکیر کی گئی اور طوفی کو شیعہ ثابت کیا گیا (اگرچہ شیعوں کا یہ مسلک نہیں ہے ۔ [۲]) اس بنا پر زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں ہے ۔ (باقی آئندہ)

پن کوڈ کے لئے گذارش

بڑے شہروں میں جن حضرات کی خدمت میں یہ رسالہ پہونچتا ہے ۔ ان حضرات سے گذارش ہے کہ وہ جب کسی ضرورت سے دفتر کو خط تحریر فرمائیں یا منی آڈر وغیرہ ارسال کریں تو پن کوڈ ضرور تحریر فرمادیں ۔ (منیجر)

[۱] مصطفیٰ زید ۔ المصلحۃ فی التشریع الاسلامی و نجم الدین طوفی ۔

[۲] محمد سعید رمضان ۔ ضوابط المصلحۃ و ابو زہرہ مالک و ابن حنبل وغیرہ ۔

اسلام کے فلسفہ سیاست کی بنیادیں

(۴)

از ڈاکٹر ماجد علی خاں لکچرر اسلامیات جامعہ ملیہ اسلامیہ
دہلی

(۶) شوریٰ (Counsel) دینی حکومت یا سیاست شرعیہ کا ایک اہم بنیادی اصول ش
ہے جس کی جانب قرآن کریم بھی اشارہ کرتا ہے۔

وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ۔ اور ان کے (یعنی مسلمانوں کا) معاملات
آپس کے مشورے سے چلتے ہیں۔

شوریٰ کی اہمیت کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کی ایک سور
(جس کی ایک آیت اوپر درج ہے) اسی نام سے موسوم ہے۔ دینی حکومت میں رئیس
مملکت تمام امور باہمی مشورہ سے کرتا ہے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مش
کا حکم دیا گیا۔

وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ (آل عمران ۱۵۹) اور اپنے معاملات میں ان سے (یعنی مسلما
مشورہ کرو پھر جب تم (کسی رائے کو اخ
کرکے) پختہ عزم کر لو تو اللہ پر بھروسہ کر

یہ آیت جنگ احد کے بعد نازل ہوئی ہے۔ جنگ احد میں حضور اکرم صلی
علیہ وسلم کی رائے مدینہ منورہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کی نہیں تھی۔ لیکن مس
(خاص طور سے نوجوانوں) کی رائے کا احترام کرتے ہوئے آپ نے باہر نکل کر جنگ

کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں نہیں رہا۔ جس کا آپ کی طبیعت پر بہت اثر تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خاص طور سے بدستور ان سے معاملات میں مشورہ لینے پر زور دیا گیا۔ اور یہ بتایا گیا کہ مشاورت کے بعد جب ایک بات طے ہو جائے۔ اور پختہ ارادہ کر لیا جائے تو پھر اللہ پر توکل کر کے اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ اسی سلسلہ میں حضرت علی کی ایک روایت قابل غور ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا "عزم کیا ہے" آپؐ نے فرمایا:

"مشاورۃ اھل الرائے ثم اتباعھم" (ابن کثیر)

یعنی اہل رائے سے مشورہ کر کے اس کی (ثابت قدمی سے) اتباع کی جائے۔

اس کے علاوہ "مجمع الزوائد" میں حضرت علیؓ کی حدیث ہے۔ یا رسول اللہ جو بات ہم کتاب وسنت میں نہ پائیں اس میں کیا طریقہ استعمال کریں۔ فرمایا۔ فقہاء عابدین (سمجھدار خدا پرستوں) سے مشورہ کرو"

ولا تمضوا فیہ رای خاصۃ . (اور کسی ایک دو کی رائے مت جاری کرو") لہ

حضرت علیؓ سے ایک دوسری روایت تفسیر روح المعانی میں اس طرح درج ہے۔

"اجمعوا العابدین من امتی واجعلوہ بینکم شوریٰ ولا تقضوا برای واحد" ۲ھ

میری امت کے عابد (نیک اور صاحب الرائے) لوگوں کو جمع کرو اور اس معاملہ پر آپس میں مشورہ کرو۔ اور کسی ایک کی رائے پر فیصلہ نہ کرو۔

سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہو گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

لہ ترجمہ وتفسیر از شیخ الہند مولانا محمود حسن ومولانا شبیر احمد عثمانی صـ ۹۲

۲ھ روح المعانی ج ۲۵ - صـ ۴۲

اپنے امور مشورے کے بعد طے فرماتے تھے۔ غزوہ بدر میں جانے سے قبل آپ نے
صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ اس کے بعد جب راستے میں آپؐ کو قریش کے لشکر کے بارے
میں علم ہوا تو لشکر سے مقابلہ کرنے کے بارے میں آپؐ نے تاریخی مشورہ کیا۔ اور
جب اپنے تمام ساتھیوں کو اس پر متفق پایا تب ہی جنگ کا ارادہ کرکے آگے بڑھے
پھر غزوۂ بدر کے بعد آپؐ نے قیدیوں سے سلوک کے بارے میں صحابہؓ سے مشورہ
کیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے کے مطابق فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیا۔ اسی
طرح ہر موقع پر آپؐ نے مذہبی، دفاعی اور سیاسی معاملات میں صحابہؓ سے مشورے
کئے۔ ہدایہ کنز اور طبرانی میں نقل کیا گیا ہے کہ قبیلہ غطفان کے سردار عیینہ بن
حصینؓ اور حارث بن عوفؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عہد جاہلیت
کے طریقہ کے مطابق مدینہ منورہ کی آدھی کھجوروں کا مطالبہ کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے مدینہ کے ذمہ داروں حضرت سعدؓ بن عبادۃ اور سعد بن معاذ
وغیرہ کو بلایا اور مشورہ کیا۔ پھر آپؐ نے ان کی رائے کے مطابق عمل کیا [۱]
اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی خاص جگہ کے متعلق کوئی معاملہ ہو تو
رئیس مملکت کو چاہیئے کہ اس جگہ کے ذمہ دار لوگوں سے مشورہ کرے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور خلفائے راشدین کے دور
خلافت میں اس قسم کے واقعات بکثرت نظر آئیں گے جن سے دینی حکومت میں
ایسی مشورہ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

امام راغب اصفہانی مشوریٰ کے متعلق تشریح کرتے ہیں" مشوریٰ کا مفہوم
آراء کا حاصل کرنا ہے اس کے لئے پہلے دو سمتیں متعین ہوتی ہیں۔ ایک سمت
رائے لینے والے ہوتے ہیں، دوسری طرف رائے دینے والے ایسی حالت میں

---

[۱] حیاۃ الصحابہؓ ج ۲ ص ۳۷-۳۸

ایک سمت کے اصحاب دوسری سمت کے لوگوں سے رائے طلب کرتے ہیں۔ اور سلامتی و کامیابی کے لئے ایک فیصلہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ پس اس کا نام شوریٰ ہے۔[۵۱]

علامہ ابو حیان اندلسی کے مطابق "شوریٰ اس اظہار رائے کے اس مطالبے کا نام ہے جس کا خطاب امت کے افراد سے ہو۔ جس کے ماتحت امت کے افراد اجتماعی صورت میں آپس میں مل کر بیٹھیں۔ دنیا کے متعلقہ معاملات کی بہتری کے لئے اپنی عقل اور اجتہاد سے کام لیں۔ اس اصول پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب حکومت کے ارکان اور امت کے قابل اعتماد افراد اپنے بہترین فائدوں کے لئے جمع ہو کر رائے طلب کریں اور رائے دیں تو یہ سمجھا جائے گا کہ شوریٰ اپنی حقیقت پیش کر رہا ہے"

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں۔ کہ "شوریٰ کی روح یہ ہے کہ جماعت کے افراد میں سے ہر فرد اپنے علم اور قابلیت کے مطابق اپنی آراء اور خیالات پیش کر دیتا ہے۔ ایک دوسرے کے نظریات آپس میں ملتے ہیں اور اس سے ایک اچھا فیصلہ ہاتھ آجاتا ہے۔"[۵۲]

غرض کہ شوریٰ دینی حکومت کا ایک بنیادی عنصر ہے جس کے بغیر سیاست شرعیہ نامکمل رہتی ہے۔ اور بغیر شوریٰ کی حکومت دراصل ڈکٹیٹر شپ ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا ہے۔

۸۔ آزادی رائے اور حریت ضمیر (Freedom of opinion and Liberty of conscince)

ایسی حکومت کے امور میں جس کی بنیاد اللہ کی حاکمیت اور انسان کی عبدیت و

---

۵۱ مفردات القرآن۔ امام راغب اصفہانی (لفظ شوریٰ) ج ۲ ص ۵۴۲ ، اسلام کا نظام حکومت ص ۲۰۶

۵۲ تفسیر منظہری پ ۴ آل عمران ج ۲ ص ۱۶۲ ، اسلام کا نظام حکومت ص ۲۱۲

خلافت کے تصور پر ہوگی۔ آزادی رائے اور حریت ضمیر کی پوری اجازت ہوگی
اس لئے سیاست شرعیہ میں آزادی رائے اور حریت ضمیر دو ستون کی حیثیت
رکھتے ہیں۔ البتہ آزادی رائے اور حریت ضمیر کی نوعیت کسی حد تک متعین کی
جاسکتی ہے۔ سیاست شرعیہ میں حکومتی معاملات اور انتظامیہ کے سلسلہ
میں پبلک کو پورا اختیار ہے۔ لیکن وہ دینی مسلمات اور عقائد و اعمال جو قرآن
و سنت سے قطعی طور پر ثابت ہیں۔ آزادی رائے اور حریت ضمیر کا ہدف
نہیں بن سکتے۔ البتہ دینی معاملات میں ماہرین شریعت کو اصول شریعت کے ماتحت
رائے دینے کی پوری آزادی ہوگی۔ اس بارے میں آئندہ کسی مناسب جگہ پر
مستقل گفتگو کی جائے گی۔ بہر حال اسلامی حکومت میں آزادی رائے اور حریت
ضمیر کا مطلب یہ ہے کہ دائرہ شریعت میں رہتے ہوئے ہر انسان اس حق کو استعمال
کرسکتا ہے۔

آزادی رائے اور آزادی ضمیر اسلام کے ابتدائی دور سے ہی سیاست
شرعیہ کی ایک بنیاد رہی ہے۔ خلفاء راشدین کے دور میں اس کے نظائر کثرت
سے ملتے ہیں۔ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ شہری بھی خلیفۂ وقت کو بغیر کسی خوف کے قانون
حدود کے اندر تنبیہ کرسکتا تھا۔ اور اپنی رائے کا اظہار کرسکتا تھا۔ ایک طرف
تو ان کو اطاعت امیر کی تاکید تھی چاہے امیر ایک "حبشی غلام" ہی کیوں نہ ہو
بشرطیکہ وہ شریعت اسلامیہ کے مطابق چل رہا ہو۔ اور دوسری طرف ان کو اس
بات کی اجازت دی گئی تھی کہ اگر وہ امیر (حاکم) کو شریعت کے خلاف (یعنی قانون
کے خلاف) عمل کرتے ہوئے دیکھیں تو بے خطر اس کی گرفت کریں۔ اپنی رائے کا
اظہار کریں۔ کیونکہ دینی حکومت میں بنیادی طور پر حاکمیت اللہ ہی کی ہوتی ہے
اور لوگ اللہ کے حکم کے پیش نظر ہی امیر کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس لئے لوگوں

امیر (حاکم) کی اطاعت اسی وقت تک واجب ہے جب تک وہ اللہ کی اطاعت کر رہا ہو۔

آزادی رائے کے سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث منقول ہیں۔ ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سب سے افضل جہاد کسی ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔" [۱] حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا طاعة فی المعصیة انما الطاعة فی المعروف [۲]

"کسی گناہ کے کام میں کسی کی اطاعت واجب نہیں۔ اطاعت صرف نیک کاموں میں واجب ہے"

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلك اضعف الایمان۔

"جو شخص کسی ناجائز امر کو ہوتے ہوئے دیکھے اگر اس کو قدرت ہو تو اس کو ہاتھ سے بند کر دے اگر اتنی مقدرت نہ ہو تو زبان سے اس پر انکار کر دے اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے یہ ایمان کا بہت ہی کم درجہ ہے"۔

حضرت عائشہ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے۔

"یا یھا الناس ان اللہ تعالیٰ یقول لکم مروا بالمعروف ونھوا عن المنکر قبل ان تدعوا فلا اجیب لکم وتسألونی فلا اعطیکم وتستنصرونی فلا انصرکم فما زاد علیھن حتی نزل [۳]

"لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نیک باتوں کا حکم کرتے رہو اور برائیوں سے روکتے رہو۔ مبادا وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو۔ تم سوال کرو اور سوال پورا نہ کیا جائے۔ تم اپنے دشمنوں کے خلاف مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں"۔

---

[۱] ترمذی و ابوداؤد، کذا فی المشکوٰۃ [۲] بخاری و مسلم کذا فی المشکوٰۃ

[۳] مسلم و الترمذی ــــ والنسائی کذا فی الترغیب۔

اس موضوع پر بہت کثرت سے احادیث منقول ہیں۔ ان سب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزادی رائے کی نہ صرف اجازت دی ہے۔ بلکہ لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا ہے اور اس کو اختیار نہ کرنے کی صورت میں تنبیہ بھی کی ہے۔ البتہ یہ سب شرعی حدود کے اندر رہنا ضروری ہے۔ نیز شرعی حدود کے ٹوٹنے کے وقت ہر مسلمان کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے خلاف آواز بلند کرے۔ اور اگر ایسا نہیں کرے گا تو اللہ کے یہاں جوابدہ ہوگا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی شخص آتا اور آپؐ کے نبوی رعب وجلال کی وجہ سے اس کی بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی تو آپؐ بات کرنے لئے اس کی ہمت بندھاتے اور اوس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرماتے "ڈرو نہیں۔ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ بلکہ ایک ایسی عورت کا لڑکا ہوں۔ جو پکا ہوا اور خشک کھانا کھاتی تھی۔" ؎۱

ایک حدیث میں حضرت عبادہؓ نقل کرتے ہیں۔

بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعۃ ..... وان نقوم او نقول بالحق حیثما کنا لا نخاف فی اللہ لومۃ لائم	"ہمنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی تھی ..... اور یہ کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں گے حق بات کے ساتھ قائم ہوں گے یا حق بات کہیں گے اور خدا کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں کریں گے۔" ؎۲

قرآن کریم میں اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔ (المائدۃ: ۵۴) "اور وہ لوگ (یعنی مومنین) کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہیں ڈرتے ہیں۔"

؎۱ مستدرک ج ۳ ص ۴۷ (سیرت النبی حصہ دوم ص ۳۳۶) ؎۲ بخاری۔ کتاب الاحکام

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ آزادی رائے اور حریت ضمیر سیاست شرعیہ کا ایک
بنیادی اصول ہے۔ قانونی حدود میں رہتے ہوئے دینی حکومت کا ہر فرد حکومت پر،
اس کے احکام پر اور خود امیر (سربراہِ حکومت) پر آزادانہ تنقید کر سکتا ہے۔

۔ اخوۃ (Fraternity) دینی حکومت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بسنے
والے تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ٥ (الحجرات ۴۹: ۱۰)

"مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، اس لئے اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔

مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے۔

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح ۴۸: ۲۹) "(وہ) آپس میں (ایک دوسرے پر) رحمدل ہیں"۔

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (المائدۃ ۵: ۵۴) "(وہ) مومنوں کے لئے نرم ہیں"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مومنین کی مثال ایک جسم کی طرح ہے اگر اسکے
کسی عضو کو کوئی مرض لاحق ہو جائے تو اس کا تمام جسم متاثر ہوگا۔ جس طرح بے خوابی یا بخار
سے ہوتا ہے"۔ ۱؎۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
"مومنین ایک عمارت کی طرح ہیں جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو سہارا دیتا ہے" ۲؎
حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنے بھائی کی
مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم" اس پر صحابہؓ نے تعجب سے عرض کیا "یا رسول اللہ ہم
اس کی مدد کریں گے جبکہ وہ مظلوم ہوگا۔ لیکن ظالم کی مدد کس طرح کریں گے" آپؐ نے
فرمایا "ان کو ظلم سے باز رکھو یا روک دو۔ یہی اس کی مدد ہے"۔ ۳؎
ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا "ایک مسلم دوسرے مسلم کا بھائی ہے وہ اس پر

۱؎ مسلم و بخاری فی ریاض الصالحین۔ ۲؎ ایضاً ۳؎ بخاری۔

کوئی ظلم نہیں کرتا، نہ اس کی تحقیر کرتا ہے اور نہ ہی اس کو دھوکا دیتا ہے۔ اور تقویٰ یہاں ہے۔ یہ کہکر آپؐ نے اپنے سینہ کی طرف تین بار اشارہ کیا[۱] ایک مشہور حدیث میں حضورؐ نے فرمایا" تم سے کوئی (کامل) مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے"۔ [۲]

اس موضوع پر کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں۔ جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سیاست شرعیہ میں اخوۃ کتنا اہم مقام ہے اور اس معاملہ میں مال، قوم، قبیلہ اور رنگ ونسل کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ انسان کے اعمالِ صالحہ ہی دراصل بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

۹۔ غیر مسلموں کے حقوق (Rights of Non Muslims) اسلام غیر مسلموں کے مذہب، تہذیب، عائلی زندگی، جان مال و آبرو کے تحفظ کی پوری ضمانت دیتا ہے۔ وہ لوگ شہری آزادی میں مسلمانوں کے برابر کے شریک ہیں۔ قانون کی نظر میں مسلم اور غیر مسلم سب برابر ہیں۔ دراصل اس لحاظ سے اسلام ایک عالمی سماج کی تشکیل کرتا ہے یہ ہی وہ پہلا مذہب ہے۔ جس نے" کل انسان اخوۃ " (تمام انسان بھائی بھائی ہیں) کی صدا بلند کی اور بحیثیت انسان سب کو برابر بتایا۔ اس لئے اسلام غیر مسلموں کے ساتھ معاشی معاملات میں مسلمانوں سے الگ کوئی امتیازی سلوک روا نہیں رکھتا نہ صرف یہ بلکہ وہ غیر مسلم جو ریاست کے دفاع میں مسلمانوں کے شریک ہوں گے ان سے وہ محصول بھی نہیں لیا جائے گا جو جزیہ کے نام سے کتب فقہ میں مذکور ہے دینی حکومت تمام مسلم رعایا سے زکوٰۃ وصول کرنے کی پوری طرح مجاز ہے۔ لیکن زکوٰۃ غیر مسلم رعایا سے نہیں لی جاتی ہے بلکہ اس کی جگہ ایک دوسرا ٹیکس (محصول) جزیہ لیا جاتا ہے۔ اس ٹیکس (محصول) کے بدلہ میں غیر مسلموں کو ان کے مذہب، تہذیب جان و مال و آبرو کی حفاظت کی ضمانت دی جاتی ہے۔ لیکن اگر کسی مسلم حکومت

---

[۱] مسلم کذا فی المشکوٰۃ [۲] مسلم و بخاری

غیر مسلم رعایا حکومت کے دفاع میں بخوشی شرکت قبول کرتی ہے۔ تو ان سے جزیہ نہیں
جائے گا۔ کیونکہ اب وہ خود مسلمانوں کے ساتھ ریاست اور اہل ریاست کے
ع اور حفاظت میں شریک ہیں۔ اس لئے یہ کہنا کہ جزیہ اس وجہ سے لیا جاتا ہے
نی حکومت میں ان کو سیکنڈ گریڈ (ثانوی) شہری قرار دیا جاتا ہے غلط ہے۔
غیر مسلم اپنے دین میں آزاد ہیں۔ دین کے معاملہ میں ان پر زبردستی نہیں کی
ئے گی اس سلسلہ میں شرعی دلائل "رواداری" کے تحت ملاحظہ فرمائے جائیں۔
قانون کی نظر میں مسلم اور غیر مسلم سب برابر ہوں گے۔ دور نبوی میں ایک
ان نے ایک غیر مسلم کو قتل کر دیا۔ اس کا مقدمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
ت میں لایا گیا۔ آپؐ نے مسلمان کو قصاص میں قتل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا "اسکی
غیر مسلم کی) حفاظت میرا بنیادی فرض ہے"۔ ۱؎
اپنے زمانہ خلافت میں حضرت علیؓ نے ایک عیسائی پر اپنی زرہ چرانے کا دعویٰ
س کو (یعنی عیسائی کو) انھوں نے کوفہ کے بازار میں اس گم شدہ زرہ کو فروخت
ہوئے دیکھا تھا۔ انہوں نے امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے اس سے وہ زرہ
ی نہیں۔ بلکہ قاضی کی عدالت میں دعویٰ کیا۔ لیکن چونکہ حضرت علیؓ اس کی کوئی شہادت
نہیں کر سکتے اس لئے قاضی نے ان کے خلاف فیصلہ دے دیا اور زرہ عیسائی
پاس ہی رہی۔ ۲؎
اس نوع کی مثالیں بکثرت تاریخ اسلام میں ملیں گی جن سے یہ صاف ظاہر
قانون کی نظر میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔
رواداری (TOLERANCE) اسلام اپنے عقائد اور طریقۂ حیات کسی دوسری قوم

۱؎ دار قطنی ۲؎ بیہقی

یا کسی دوسرے مذہب کے ماننے والوں پر زبردستی نہیں ٹھونستا ہے۔ قرآن کریم صاف صاف اعلان کرتا ہے :-

لَاۤ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (البقرہ: ۲۵۶) "دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔"

نہ صرف غیر مسلموں کے مذہبی رہنما بلکہ ان کے (باطل) معبودوں کے لئے بھی غلط الفاظ استعمال نہیں کئے جائیں گے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (الانعام: ۱۰۸) "یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جن معبودوں کو پکارتے ہیں اُنہیں گالیاں نہ دو۔"

مذہبی اختلافات کے مباحث بھی (اگر ضرورت پڑی تو) احسن طریقہ سے ہوں گے جن کے لئے انگریزی لفظ Dialogue (باہمی بات چیت یا گفتگو) زیادہ مناسب ہے :-

لَا تُجَادِلُوْۤا اَھْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (العنکبوت: ۴۶) "اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) کے ساتھ مباحثہ نہ کرو۔ مگر احسن طریقہ سے۔"

اس طرح دینی حکومت میں غیر مسلموں کو اپنا مذہب ماننے اور اُس پہ چلنے کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔ جو قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات سے بھی ظاہر ہوتا ہے:

ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّ مِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ (التغابن ۶۴: ۲) "وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے۔ اور کوئی مومن۔"

لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ (الکفرون ۱۰۹: ۶) "تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔"

(باقی)

گذارش ادارہ کی فیس ممبری یا برہان کا سالانہ چندہ روانہ کرتے وقت رسالہ کے پتہ کی چٹ کا نمبر ضرور تحریر فرما دیا کریں۔

حسان بن ثابت رضؓ

(۷)

جناب مولوی عبدالرحمن صاحب پرواز اصلاحی بمبئی

حسان اور واقعۂ افک

مہاجرین کرام پر طنز ہو یا اور کوئی واقعہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اتنا باعثِ ملال نہ تھا۔ جتنا واقعۂ افک۔ اس واقع پر رسول اکرمؐ کو حسان کی ذات سے بجا طور پر رنج پہونچا۔ ہم اس کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتے۔ اس کے متعلق تفسیر وحدیث اور سیرت کی کتابوں میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ [۱] اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ غزوہ بنی المصطلق ۵ھ میں رسول اکرمؐ کے ہمراہ تھیں۔ لوگوں کا قافلہ کسی جگہ اترا۔ اسی اثناء میں حضرت عائشہؓ کا ہار کھو جاتا ہے۔ آپ اس کی تلاش میں لگ گئیں۔ اور بہت دور چلی گئیں۔ .... قافلے والوں کو اس کا پتہ نہ چلا۔ اور قافلہ وہاں سے آگے بڑھ جاتا ہے۔ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ سواری کے اوپر ہودج میں تشریف رکھتی ہیں۔ حضرت عائشہؓ ہار کی تلاش سے لوٹتی ہیں تو اتنے میں قافلہ کو نہیں پاتیں۔ اور اسی جگہ ٹھہر جاتی ہیں۔ صفوان بن المعطل سلمی جو لشکر کی دیکھ بھال اور سامان کی نگہبانی پر مقرر تھے۔ اس جگہ پہونچتے ہیں۔ تاکہ گرے پڑے اسباب کو اکٹھا کرلیں۔ اور اسے قافلہ والوں کو پہونچا دیں۔ حضرت عائشہؓ کو اس عالم میں دیکھتے ہیں

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھئے سیرت ابن ہشام ۲/۲۹۷ و تاریخ طبری ۲/۱۶۱۰ اور صحیح بخاری ۵/۵۲ وغیرہ

تو آپ کو اپنی اونٹنی پر سوار کر لیتے ہیں۔ جس وقت وہ انھیں لیکر قافلہ کے پاس
ہیں تو منافقین کو موقع مل جاتا ہے۔ اور وہ چہ می گوئیاں شروع کر دیتے ہیں۔ یہ
نازک موقع تھا۔ لوگوں میں حضرت عائشہؓ کی جانب سے شکوک و شبہات
ہوتے ہیں۔

رسول اکرمؐ کو یہ صورت حال دیکھکر سخت صدمہ پہونچتا ہے۔ عجیب حیص بیص
میں پڑ جاتے ہیں۔ اور اس دوران کچھ دنوں کے لئے حضرت عائشہؓ سے قطع تع
اختیار فرما لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ کی برأت میں سورۂ نور کی آیت
نازل ہوتی ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡکِ عُصۡبَۃٌ مِّنۡکُمۡ ؕ لَا تَحۡسَبُوۡہُ شَرًّا لَّکُمۡ ؕ بَلۡ ہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ؕ لِکُلِّ امۡرِیًٔ مِّنۡہُمۡ مَّا اکۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ ۚ وَ الَّذِیۡ تَوَلّٰی کِبۡرَہٗ مِنۡہُمۡ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ (سورۃ نور)۔

جو لوگ لائے ہیں یہ طوفان۔ تمہیں میں ا
جماعت ہیں۔ تم ان کو نہ سمجھو برا اپنے حق
بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں ہر آدمی
لئے ان میں سے وہ ہے جتنا اس نے گنا
اور جس نے اٹھایا ہے اس کا بڑا بوجھ ا
کے واسطے بڑا عذاب ہے۔

افواہیں پھیلانے والوں میں عبداللہ بن اُبَی اور زید بن رفاعہ (جو غالباً ر
بن زید یہودی کا بیٹا تھا) پیش پیش تھے۔ اس میں جو لوگ غلط فہمی کا شکار ہو
ان میں مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش اور حسان بن ثابت بھی تھے۔ بعض ر
میں غلطی سے آیت " والذی تولیٰ کبرہ منہم لہٗ عذاب عظیم"، کا مصداق حضرت
حسانؓ کو بتایا گیا ہے۔ مگر یہ راویوں کی غلط فہمی ہے۔ دراصل اس الزام کا م
اور فتنہ کا اصل بانی عبداللہ بن اُبَی تھا۔ حسان کی کمزوری اس سے زیادہ نہ
کردہ منافقوں کے پھیلائے ہوئے اس فتنے میں مبتلا ہو گئے۔ حافظ ابن کثیرؒ

صحیح کہا ہے کہ اگر یہ روایت صحیح بخاری میں نہ ہوتی تو قابل فکر تک نہ تھی۔ [۱]

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ مسطح بن اثاثہ۔ حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش کو حد قذف لگانے کا حکم دیا گیا۔ کیونکہ یہی لوگ اس تہمت کی اشاعت کے سبب بنے۔ پس انمیں سے ہر ایک کو اسّی اسّی کوڑے لگائے گئے [۲]

لیکن ابن عبد البرؒ انھیں کوڑے کی سزا دیئے جانے سے انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ نے انھیں اس زمرہ سے الگ کر دیا تھا۔ [۳] ان کے نزدیک ایسی ناگوار بات ایسے شخص سے منسوب کرنا جو شاعر رسول ہو کسی طرح زیب نہیں دیتا۔

حضرت عائشہ رضؓ کو واقعۂ افک سے جو روحانی صدمہ پہونچا تھا اس کی بنا پر حسانؓ سے ان کی ناراضگی فطری امر تھی۔ وہ اس واقعہ کے بعد ان سے کبیدہ خاطر رہنے لگیں۔ حضرت حسانؓ کو اس کا پورا پورا احساس تھا۔ چنانچہ وہ حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں پہونچکر معذرت خواہ ہوتے ہیں اور ان کی شان میں نہایت شاندار الفاظ میں قصیدہ پیش کرتے ہیں جس سے تلافی مافات ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں:-

حصانٌ رزانٌ ما تزنُّ بریبۃٍ ۔ وتصبح غرثیٰ من لحوم الغوافل

(وہ (حضرت عائشہ رضؓ) عفیفہ ہیں، باوقار ہیں۔ انھیں کسی شبہہ کی بنا پر متہم نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی صبح اس طرح سے ہوتی ہے کہ بے خبر مومن عورتوں کی غیبت سے بالکل پاک ہوتی ہیں)

بے خبر اس لئے کہا کہ وہ دوسری عورتوں کے مجوزہ شر و فساد سے بالکل ناواقف ہوتی ہیں اور اپنی نیکی۔ صداقت اور پاکدامنی کی بنا پر فضول باتیں سننے کا خیال تک نہیں رکھتیں۔

---

[۱] تفسیر ابن کثیر سورۂ نور۔ [۲] سیرت ابن ہشام ۲/۲۶۱۔ [۳] الاستیعاب ۱/۳۴۷

عقیلۃُ حیٍّ من لوئِ بن غالب　　　کرام المساعی مجدہم غیر زائل

(وہ اس قبیلہ لوی بن غالب کی ایک عاقلہ خاتون ہیں جو حصول مجد و شرف کے لئے برابر کوشاں رہتے ہیں اور جن کا مجد و شرف زوال پذیر نہیں)

مُھذبۃ قد طیّب اللہ خیمہا　　　وطہرھا من کل سوءٍ و باطل

(وہ ایک ایسی تہذیب یافتہ خاتون ہیں جن کی فطرت ہی اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ بنائی ہے اور ہر شر و باطل سے انھیں پاک رکھا ہے)

فان کنتُ قد قلت الذی قد زعمتم　　　فلا رفعتْ سوطی الیّ اناملی

(پس اگر میرے منہ سے کچھ نکل گیا جس کا تم لوگ تذکرہ کرتے ہو تو خوب سمجھ لو اس سے میرا مطلب یہ نہ تھا کہ میں اپنا کوڑا اپنے ہاتھ سے اپنے پر مار لوں، یعنی اس سے میرا مطلب ہرگز یہ نہ تھا کہ ۔ اُمّ المومنین پر کوئی حرف آئے ۔

وکیف و ودی ما حَیِیتُ و نُصرتی　　　لآلِ رسول اللہ زین المحافل

(اور یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ جب میری محبت و مودت اور میری مدد و نصرت جب تک میں زندہ ہوں آل رسول ہی کے لئے وقف ہے)

لہ رُتَبٌ عالٍ علی الناس کلہم　　　تقاصر عنہ سورۃ المتطاول

(دنیا کے تمام انسانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اونچا ہے۔ بتکلف طویل بننے والے شخص کی اچھل کود آپ کے مقام بلند پر پہونچنے سے قاصر رہے گی)

فان الذی قد قیل لیس بلائطٍ　　　ولکنّہ قول امرئٍ بی ماحلٍ [1]

(جو بات الزام و تہمت کی کہی گئی ہے وہ رہنے والی چیز نہیں لیکن یہ اس شخص کا قول ہے جو میری چغلخوری کرتا ہے ۔

حسان رضہ کے یہ معذرت آمیز اشعار سن کر حضرت عائشہ رضہ کی ناراضگی یکدم

---

[1] آغانی ۴/۱۶۲

ختم ہو جاتی ہے۔ شاعر رسول کی حیثیت سے ان کی نگاہ میں حسان کا جو مرتبہ تھا۔ وہ بحال ہو جاتا ہے۔ انھوں نے رسول اکرمؐ کی شان میں جو مدحیہ اشعار کہے تھے۔ اور اسلام کی طرف سے جو مدافعانہ خدمات انجام دی تھیں اس کا وہ ہمیشہ لحاظ رکھتی تھیں اور دل سے قدر کرتی تھیں۔ جب کبھی ان کے نزدیک حسانؓ کو کوئی برا بھلا کہتا تو وہ منع کرتی تھیں۔ وہ رسول اکرمؐ کا اکثر یہ قول دہرایا کرتی تھیں۔ کہ

ذالك حاجز بيننا وبين المنافقين — وہ ہمارے اور منافقوں کے درمیان ایک آڑ
لايحبه الا مومن ولا يبغضه الا منافق[۵۱] — ہیں ان سے سوائے مومن کے کوئی محبت نہیں کریگا
اور منافق کے سوا ان سے کوئی دشمنی نہ کریگا۔

کہتے ہیں کہ جب حسانؓ کی وفات ہوئی تو ان کا جنازہ حضرت عائشہؓ کے قریب سے گذرا۔ پاس بیٹھنے والوں میں سے کچھ لوگ چہ می گوئیاں کرنے لگے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے انھیں منع کیا۔ اور فرمایا یہ ایسے شخص ہیں۔ جنھوں نے رسول اکرمؐ کی شان میں ایسا شعر کہا ہے ؎

فان ابی ووالدہ وعرضی — لعرض محمد منکم وقاءُ

(سن لو میرے باپ اور میری ساری عزت و آبرو غرض ہر چیز آبروئے محمدؐ بچانے کے لئے ذمہ دار ہے)

اس شعر پر تو رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تجھے اپنے روبرو کھڑے ہونے کے موقع پر ظہور میں آنے والے خوف سے محفوظ رکھے۔[۵۲]

شخصیت کا نفسیاتی تجزیہ ہر صاحب کمال کے لئے بعض نقائص کا ہونا قدرتی امر ہے۔ دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے سوا کمزوریوں سے کوئی خالی نہیں رہا ہے حسانؓ کے متعلق مستند ذرائع سے جس قدر واقعات ملتے ہیں جہاں ان سے

---

[۵۱] ابن عساکر ۴/ ۱۸۵ [۵۲] آغانی ۴/ ۱۶۴ و بلوغ الارب جلد چہارم۔

ان کے گوناگوں کمالات پر روشنی پڑتی ہے وہاں ان کی بعض ایسی کمزوریوں کا بھی پتہ
چلتا ہے جس نے ان کی شخصیت کو واقعہ نگاروں کے درمیان موضوع بحث بنا دیا ہے
جب ان کی شخصیت پر بحث کی جاتی ہے تو جہاں ان کی سب سے بڑی خصوصیت برجستہ
گوئی اور قادر الکلامی کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جسمانی
لحاظ سے ان میں ایسے اوصاف تھے جو دوسروں میں نہ تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کی زبان اتنی
لمبی اور دراز تھی کہ وہ اسے کھینچ کر ناک کی لو تک پہنچا دیتے تھے۔ اور خود لوگوں سے
کہا کرتے تھے کہ پورے عرب میں یہ خصوصیت کسی بڑے سے بڑے زبان آور کو حاصل نہیں
خدا کی قسم اگر میں اسے بال پہ رکھ دوں تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور اگر چٹان پر
رکھ دوں تو اسے بھی چکنا چور کر دے۔

وہ ظاہری لحاظ سے بھی بڑی پرکشش شخصیت تھے۔ بناؤ سنگار کے ساتھ ہمیشہ
اپنی شخصیت کو لوگوں کے سامنے نمایاں رکھنے کا اہتمام رکھتے تھے۔ لوگوں کو ہمیشہ یہ باور
کرانے کی کوشش کرتے کہ لوگ ان کی رعب دار شخصیت کو تسلیم کریں۔ اس لئے جب
وہ اپنے بالوں پہ خضاب لگاتے تھے تو اپنی پوری داڑھی پر نہیں لگاتے تھے۔ بلکہ صرف
اپنی مونچھوں، ٹھوڑی اور نیچے کے درمیانی بالوں ہی کو رنگتے تھے۔ ان کے صاحبزادے
عبد الرحمن رضؓ نے ایک دن ان سے پوچھا کہ والد صاحب ایسا کیوں آپ کرتے ہیں؟ تو انھوں
نے جواب دیا۔ اس لئے تاکہ میں ایک خونخوار شیر کی طرح لوگوں کو نظر آؤں۔ [۱]

دوسری طرف ان کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ فطری طور پہ دل کے نہایت
کمزور واقع ہوئے تھے۔ انھوں نے میدان جنگ میں بنفس نفیس کبھی شرکت نہیں فرمائی
ان کے جُبن اور بزدلی کے سلسلہ میں حضرت صفیہ رضؓ بنت عبد المطلب نے بڑا
دلچسپ واقعہ سنایا ہے۔ فرماتی ہیں غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت حسانؓ ہمارے

---

[۱] اغانی ۴/۱۳۶ و الشعر و الشعراء ۱/۲۶۴ - [۲] استیعاب ۱/۳۴۸ و الشعر و الشعراء ۱/۲۶۴

تھا ایک قلعہ میں تھے۔ اس میں بہت سی عورتیں اور بچے بھی تھے۔ ایک یہودی
ھر سے گذرا اور قلعہ کے گرد گھومنے لگا۔ ان دنوں بنو قریظہ معاہدہ توڑ کر
مانوں سے برسرِ پیکار تھے اور ہمیں خطرہ تھا کہ ان کے حملے کی صورت میں ہمارے پاس
عت کا کوئی سامان نہیں۔ صحابہ دشمن کے مقابلہ پر گئے ہوئے تھے۔ اور کسی طرح
ی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے کہا حسان! یہ یہودی آپ کے سامنے قلعہ کا چکر
رہا ہے۔ اور کچھ بعید نہیں کہ یہ دوسرے یہودیوں کو ہمارے متعلق جا کر آگاہ کر دے
اتر کر اسے قتل کر ڈالئے۔ حضرت حسان رضؓ نے شاعرانہ زبان میں کہا: "عبدالمطلب کی
۔ خدا تمہیں معاف فرمائے۔ تم جانتی ہو کہ میں اس مصرف کا نہیں"۔ حضرت صفیہ رضؓ
اتی ہیں۔ میں نے یہ بات سنی تو ایک کھمبا لیکر نیچے اتری۔ اور یہودی کو جہنم رسید
یا۔ واپسی پر حضرت حسان سے کہا کہ اب تو جا کر مقتول کا اسلحہ اتار لیجئے۔ میرے لئے
ر مانع ہے کہ مقتول مرد ہے اور ایک عورت کے لئے زیبا نہیں کہ وہ مرد کا سامان
رے۔ حسان نے برملا کہا۔ عبدالمطلب کی بیٹی۔ مجھے سامان سے کیا سروکار؟" [۱]

اس کے علاوہ ایک دوسرا واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حسان نے ایک مرتبہ
ن کے سرے پر ایک گڑے ہوئے کھمبے پر اتنے زور سے وار کیا جیسے معلوم ہو کہ وہ
ی دشمن پر حملہ کر رہے ہوں۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ رسول اکرمؐ کے دوسرے
حاب مشرکین کے ساتھ جنگ۔ وجدال میں مصروف تھے۔ اور میدان جنگ میں
ھ بڑھ کر دشمنوں پر حملہ کر رہے تھے۔ اس وقت جب مشرکین حسان کے دو بدو
تے ہیں تو وہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ [۲]

اسی طرح ایک مرتبہ رسول اکرمؐ نے حسان کو پڑھتے ہوئے ایسے اشعار سن لئے
ن میں ادعائے جنگ وجدال تھا۔ تو آپ نے بے ساختہ تبسم فرمایا۔ حسان جیسے

[۱] آغانی ۴/۱۶۵ و ۱۶۶۔ تاریخ طبری ۲/۵۰ [۲] آغانی ۴/۱۶۵ و انساب الاشراف ۱/۲۲۴ و سیر اعلام النبلاء ۲/۳۷۔

دل گردے کے آدمی کا یہ فرمانا کہ ؎

لقد غدوت امام القوم منتطقاً بصارمٍ مثل لون الملح قطا

دمیں قوم کے سامنے سفید شمشیرِ براں کمر میں باندھ کر نکلا)

تو بھلا کیسے موزوں ہو سکتا تھا۔ ؎[1]

ارباب سیر میں سے بہت سے لوگوں نے جبن و بزدلی کے الزام سے انھیں بر

قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ انھیں میں ابن الکلبی بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ حسان

وبہادر ضرور تھے اور ان کی کم ہمتی فطری طور پر نہ تھی۔ بلکہ عارضی طور سے

ہو گئی تھی۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے اندر ایک بیماری پیدا ہو گئی تھی۔

اپنی اسی بیماری کی بنا پر وہ جنگ میں شرکت سے معذور ہو گئے تھے۔ اور ان میں

کی جرأت نہیں رہ گئی تھی۔ ؎[2]

وہ بیماری کیا تھی تو اس کی تصریح ابن الکلبی نے نہیں کی ہے۔ البتہ اس سلسلے

ایک روایت واقدی سے بیان کی جاتی ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ ان کے ہاتھ میں

لگ گئی تھی جس سے ان کے بازو کی ایک رگ کٹ گئی تھی۔ ؎[3]

حسانؓ کی طرف سے دفاع کرنے والوں میں اصمعیؒ ابن عبد البرؒ بھی ہیں۔ انھوں

ان تمام الزامات سے انھیں بری قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ جو عام طور سے ان پر

جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگوں کا یہ کہنا کہ وہ بزدل اور ڈرپوک تھے۔ تو بھلا یہ کیسے

درست ہو سکتا ہے۔ کیونکہ انھوں نے بیشمار مشرکوں کی ہجو کی اپنے ان اشعار جن میں

طرح طرح کے عیوب لگائے اور ان پر طنز کیا۔ ان پر پھبتیاں کسیں اور فقرے چست کے

اگر ان میں اس قسم کی کمزوری فطری طور پر ہوتی تو مخالفین انھیں کہاں بخشتے۔ وہ ان

اس عیب کا ضرور تذکرہ کرتے۔ ان میں یہ کمزوری اس لئے آگئی تھی کہ صفوان بن المعط

؎[1] آغانی ۴/۱۶۶، ؎[2] سیر اعلام النبلاء ۲/۳۷۳ ۔ ؎[3] آغانی ۴/۱۶۶۔

ں بری طرح زخمی کر دیا تھا۔ ؎۱

غزوات اور لڑائیوں میں شرکت کا مسئلہ ایسا نہ تھا کہ اس میں اختلاف ہو مگر ت نبوی پر لکھنے والے مورخین چونکہ اس بات کا بڑا اہتمام کرتے ہیں کہ اس کی تمام ت بیان کریں اور ہر شخص کا ان میں ذکر کریں جو ان میں شریک ہوا ہو۔ جب ں فہرست میں حسان کا نام نامی نہیں پاتے تو لامحالہ ان کی ذات معرض بحث میں آ گئی۔

ڈاکٹر احسان النص کہتے ہیں کہ حسان کو جہاد اسلامی میں شرکت سے اس لئے ور نہیں خیال کیا جا سکتا کہ صفوان بن المعطل نے انھیں زخمی کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ نہ چھٹی ہجری میں واقعہ افک کے بعد ہوا۔ اور حسان کی شرکت تو اس سے ی نہ ہوئی تھی۔ ؎۲

لیکن ڈاکٹر سید حنفی حسنین کہتے ہیں کہ وہ تمام معرکے جس میں ان کی عدم شرکت کا واقعہ نگاروں نے کیا ہے وہ سب کی سب اسلامی جنگیں ہیں۔ بہت زیادہ ن اس بات کا ہے کہ ان کے بازو کی رگوں کے کٹنے کا واقعہ زمانہ جاہلیت میں آیا ہو۔ یا اسلام میں داخل ہونے سے کچھ پہلے کا ہو۔ ابن الکلبی اور واقدی ں باتوں کی نشان دہی کی ہے۔ اس کی تائید حسان کے کلام سے بھی ہوتی ہے ؎

اضر بجسمی مرالدھور وحان قراع یدی الاکحل

وقد کنت اشھد وقع الحروب ویحمر فی کفی المنصل۔ ؎۳

اس کے علاوہ جتنی روایتیں عدم شرکت کے متعلق بیان کی جاتی ہیں وہ اس وقت ق رکھتی ہیں جبکہ ان کی عمر ساٹھ سے متجاوز ہو چکی تھی۔ اور ظاہر ہے ساٹھ سے اوپر ھا آدمی میدان کارزار میں کیا داد شجاعت دے سکتا ہے۔

پھر بھی ابن عباسؓ سے ایک روایت اور بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوات

ستیعاب ۱/۳۴۸ ؎۲ حسان بن ثابت وحیاتہ۔ ص ۳۲ ؎۳ اعلام العرب حسان بن ثابت۔

میں انھوں نے شرکت کی تھی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں۔

قیل لابن عباس قدم حسان اللعین فقال ابن عباسؓ ماھو بلعین قد جاھد مع رسول اللہ بنفسہ ولسانہ [1]	ابن عباسؓ سے کہا گیا حسان ملعون آیا۔ فرمایا۔ وہ ملعون کیونکر ہو سکتے ہیں۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر اپنے نفس اور زبان سے جہاد کیا ہے۔

بہر حال انھوں نے غزوات میں شرکت کی ہو یا نہ کی ہو۔ وہ جس میدان کے شہسوار اور مجاہد تھے وہ شعر و شاعری کا میدان تھا۔ اور اس میدان میں ان کی زبان وہی کام کرتی تھی جو میدان جنگ میں تلوار کیا کرتی تھی۔ وہ مشرکین و کفار کے بڑے بڑے زبان آوروں کے مقابل میں ڈٹ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور اپنی طاقت لسانی کے وہ جوہر دکھلاتے تھے کہ بڑے بڑے مخالفین اسلام کو پناہ نہ ملتی تھی۔ ان کا سب سے بڑا کمال زبان آوری اور لسانی تھا۔ اور انھوں نے اسی قوتِ خدا داد سے دینِ قیم کی خدمت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ان کا کام یہی تھا کہ میدان جنگ میں قوت بازو کے بجائے اپنی قوت گویائی کا مظاہرہ کریں اور بلاشبہ انھوں نے اپنے فرض کو بدرجۂ کمال انجام دیا۔ وہ اس میدان میں شیر ببر ہی نظر آتے ہیں نہ کسی سے دبے اور نہ کسی سے مرعوب ہوئے اچھے اچھے شاعروں نے ان کا لوہا مانا۔ اور ان کے مقابلے میں اپنی شکست تسلیم کر لی۔ ابن عساکر سے ایک روایت بھی اسی مضمون کی منقول ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے مقابلہ کے لئے انھیں مدعو فرماتے تو حسانؓ یہی کہتے تھے کہ آپ اس شیر کے پاس دم جھاڑنے والے کو بھیجدیں۔ [2]

---

[1] تہذیب التہذیب ۲/۲۴۸۔ [2] ابن عساکر ۴/۱۸۵۔

کوئی ضروری نہیں ہے کہ ایک شخص قادرالکلام شاعر بھی ہو اور جنگجو سپاہی بھی۔
جب تک شاعر ہے وہ سیف و سناں سے بے نیاز ہے۔ شاعر کی زبان سیف
کا کام دیتی ہے۔ جب تک اس کے پاس قوت بیانیہ موجود ہے دشمن کے
بلے میں وہ کم سے کچھ اہمیت نہیں رکھتی۔

اس کے علاوہ جب ہم ان کی شخصیت کا ذہنی تجزیہ کرتے ہیں تو ان میں چند نمایاں
ان اور بھی دکھائی دیتے ہیں وہ نہایت حساس اور جلد متاثر ہو جانے والے
تھے۔ ان میں خود ستائی اور خود نمائی کا مادہ بھی تھا۔ عام عربوں کی طرح صرف
کی حمایت و طرفداری ہی ان میں نہ تھی بلکہ خاندانی عصبیت میں بھی انھیں حد
غلو تھا۔ اپنے خلاف تنقید اور کوئی معمولی توہین بھی وہ برداشت نہ کر سکتے
وہ اپنے انھیں خصائص طبعی کی بنا پر دور جاہلیت میں اعشیٰ کے ان حملوں
اغ پا ہو گئے جبکہ اس نے شراب خانے میں ان پر بخالت و کنجوسی کی پھبتی
ی۔ اور تاؤ میں آکر شراب فروش سے کل کی کل شراب لیکر انڈیل دی تھی۔

ان کے فخر و غرور اور خود ستائی کی کیفیت دیکھنی ہو تو اس کا اندازہ اس
یت سے کیا جا سکتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مشہور شاعر حطیئہ کے سامنے اپنا
سنا رہے تھے۔ حسان نے لاعلمی میں اس سے کہا۔ اے بدو! یہ اشعار تمہیں کیسے
وم ہوتے ہیں۔ حطیئہ بولا۔ یہ اشعار کچھ برے نہیں ہیں۔ اس پر حسان کو غصہ آگیا
وگوں کی طرف مخاطب ہو کر بولے دیکھو یہ بدو کیا بکتا ہے۔ پھر اس سے نام اور
پوچھی تو اس نے کہا ابو ملیکہ۔ چنانچہ اسی کنیت کے ساتھ تمسخر کرتے ہوئے کہا کہ
لئے یہی بہتر ہے کہ تمہیں ایک عورت ہی کی کنیت کے ساتھ پکارا کروں۔ [۱]
ان کی قومی عصبیت کا غلو دیکھنا ہو تو ان کی اس بات سے اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے،

---

[۱] آغانی ۴/۱۶۷۔

جبکہ انھوں نے اپنی بیوی عمرہ کو محض اس بنا پر طلاق دیدی کہ اس نے ان کے
پر طعنہ زنی کی تھی ؎۱ -

ان کی یہ قومی اور خاندانی عصبیت اسلام میں آنے کے بعد بھی باقی رہی - او
اسی بنا پر مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر انھوں نے رسول اکرمؐ کے سامنے اس
کیا - اور اسی کے اثرات تھے کہ وہ مہاجرین پر تعریض بھی کر بیٹھے - بہر حال ان کی
ذہنی کیفیتیں ان کے دونوں دور کے کلام میں دیکھی جاسکتی ہیں اسی وجہ سے ان
اور محاسن کے ساتھ ان کے ذہنی رجحانات بھی تنقید کا موضوع بن گئے -

خاندانی حالات | حسانؓ کے دو بھائی تھے ایک اوسؓ بن ثابت جن کی ماں سخطی
حارثہ ہیں جو صرف باپ کی طرف سے بھائی تھے - وہ ان انصاریوں میں سے
جنھوں نے عقبہ اخیرہ میں شرکت کی - حضرت عثمانؓ بن عفان جب ہجرت کر
میں آئے تو انھیں سے ان کی مواخات کرائی گئی تھی - اس مواخات کا اثر ان
بعد بھی دونوں خاندانوں میں باقی رہا - غزوہ احد میں شہادت پائی - ؎۲

حسانؓ کے دوسرے بھائی ابو شیخ ابیؓ بن ثابت ہیں - ان کی ماں بھی
بنت حارثہ ہیں - بعض لوگوں کے نزدیک عمرہ بنت مسعود - اور وہ ان انص
سے ہیں جنھوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی اور احد میں بھی لڑے - اور رجیع
میں وہ ان لوگوں کے ساتھ شہید کر دیئے گئے جن کو بنو سلیم نے دھوکے سے قت

حسانؓ کی دو بہنیں بھی تھیں - کبشہ و لبنیٰ اور یہ دونوں بہنیں بھی با
طرف سے بہنیں تھیں ان کی ماں بھی سخطی بنت حارثہ ہیں - دونوں نے

؎۱ آغانی ۳/۱۴ - ؎۲ طبقات بن سعد ۳/۶۳ و سیرت ابن ہشام ۲
؎۳ ابن سعد ۳/۶۳ و ۸/۳۳۰ -

مانہ پایا اور مسلمان ہوئیں ۔[۱]

کے علاوہ ان کی دو اور بہنوں کا ذکر کتاب الاغانی میں ملتا ہے جن میں سے

کا نام خولہ اور دوسری کا نام فارعہ تھا ۔[۲]

حسان رض نے جاہلیت کے زمانہ میں کن کن عورتوں سے شادیاں کیں ان کے

لق کچھ قطعی طور سے نہیں کہا جا سکتا ہاں اتنا معلوم ہے کہ ان کی وہ بیوی جو قبیلہ

سے تعلق رکھتی تھیں ان کا نام عمرہ بنت صامت بن خالد ہے ۔ ان سے ان کی

جاہلیت میں شادی ہوئی تھی ۔ وہ گرچہ اپنے شوہر کی بڑی وفادار تھیں ۔

دونوں کے درمیان کسی بات پر رنجش ہوئی اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ

وں نے حسان کے ماموں پر طعنہ زنی کی اور اپنی خاندانی برتری جتائی ۔ حسان

غ پا ہو گئے اور انھیں طلاق دیدی ۔ پھر جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو اپنی حرکت پہ نادم

ے ۔ اس واقعہ کی مناسبت سے انھوں نے ایک قصیدہ بھی کہا جس کا پہلا شعر ہے

عت عمرۃ صرما فابتکر ۔۔۔۔ انما یدھن للقلب الحصر

دنوں کے بعد کسی دن حسان چند عورتوں کے پاس سے گذرے ان کے ساتھ

بھی موجود تھی ۔ اس نے ایک عورت سے اشارہ کیا کہ وہ ان سے چھیڑ چھاڑ کرے

ان کو ماموں پر طنز کرے ۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا ۔ حسان سنتے ہی بپھر گئے

اپنے ماموں اور نسب کا اظہار نہایت فخریہ انداز میں کرنے لگے ۔[۳]

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ عمرہ ہی دراصل وہ عورت ہے جس سے مشہور

قیس بن الخطیم نے تشبیب کی تھی قیس کی یہ تشبیب بربنائے مخاصمت تھی

انھوں نے اس کی بہن لیلیٰ کے ساتھ تشبیب کی تھی ۔ لیکن بعض لوگ اس

---

۱ ابن سعد ۸/۳۲۹ ۔ ۲ آغانی ۳۲/۳ ۔ ۳ آغانی ۱۷/۳

کو صحیح نہیں مانتے۔ ان کا کہنا ہے کہ جس عمرہ سے قیس نے تشبیب کی وہ عمرہ بنت
رواحہ ہے۔ جو عبداللہ بن رواحہ کی بہن اور نعمان بن بشیر کی ماں نہیں۔[1]

حسانؓ اپنے اشعار میں زیادہ تر جس عورت کا ذکر کرتے ہیں وہ "شعثا" ہے
کے دیوان کی شرح میں بتایا گیا ہے کہ وہ بھی ان کی بیوی تھی۔ ان کی لڑکی امّ فراس
سے پیدا ہوئی تھی۔ بعض لوگوں کے خیال میں شعثا سلام بن مشکم یہودی کی لڑکی
اور وہ حسان کی معشوقہ تھی۔ لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ خزاعہ کی ایک عورت تھی

لیکن ہم ان کے دیوان میں کچھ ایسے اشعار بھی پاتے ہیں جس میں انھوں نے
کے قبیلہ کی ہجو کی ہے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبیلۂ اسلم سے تعلق رکھتی
اور قبیلۂ اسلم حسان کے ساتھ رشتۂ ازدواج پر خوش نہ تھا۔[2]

ان کے دیوان کی شرح میں یہ بھی مذکور ہے کہ حسان نے قبیلۂ اسلم کی جس عورت
شادی کی تھی اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس پر انھوں نے کہا ؎

غلامٌ اتاہُ اللومُ من شطرِ خالہ ۔۔۔ لہٗ جانبٌ وافٍ وآخر اکشَ

اس موقع پر وہ جواب میں ان سے کہتی ہے ؎

غلامٌ اتاہُ اللومُ من نحوِ عمّہٖ ۔۔۔ ومن خیر اعراق ابن حسان

بہرحال شعثا کی شخصیت ہمارے لئے عجیب وغریب معمہ بن گئی ہے اس
دور کی شاعری میں شعثا کے تعلق سے ان کی تشبیبیں بھی ملتی ہیں۔ حالانکہ
طور سے ایک اسلامی شاعر کے منصب کے خلاف یہ بات معلوم ہوتی ہے۔
ہے کہ اس میں انھوں نے عام شاہراہ کی پیروی کی ہے۔ قرائن سے یہی معلوم
ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں جس شعثا سے ان کا تعارف ہوا اس سے ان

---

[1] آغانی ۱۱/۳۰ - [2] شرح دیوان حسان برقوقی۔ [3] دیوان ص ۲۶۷

رشتہ زوجیت قائم نہ ہو سکا۔ اس لئے اس کی یاد انھیں ستاتی رہی اور کبھی کبھی بے اختیار، ان کی زبان پر اس کا ذکر آجاتا تھا۔

زمانۂ اسلام میں حسان نے "سیرین" سے شادی کی۔ یہ حضرت ماریہ قبطیہؓ کی بہن تھیں۔ جن کے بطن سے رسول اکرمؐ کے صاحبزادے پیدا ہوئے سیرین کو رسول اکرمؐ نے صفوان المعطل کے مجروح کرنے پر ان کی دلجوئی کے لئے مرحمت فرمایا تھا۔ اور انھیں سے حسان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔ [1]

حسان کی اولاد ذکور میں سے سوائے عبدالرحمٰن کے ہمیں کسی اور کے متعلق کوئی علم نہیں اور ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ انھوں نے ابوالولید اور ابوالحسام کنیت کیوں رکھی تھی۔ ممکن ہے پہلے اس نام کے ان کے لڑکے رہے ہوں۔ البتہ ہم ان کے دیوان میں ام الولید کے نام سے تشبیب بھی پاتے ہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ وہ ان کی بیویوں میں سے کوئی رہی ہوں۔

ان کی لڑکیوں میں سے ام فراس سے ہم ضرور واقف ہیں اور یہ ان کی بیوی شعثا سے پیدا ہوئیں۔ ان کی ایک اور صاحبزادی لیلیٰ نام کی بھی تھیں جن سے کبھی کبھی ان کی شاعرانہ چھیڑ چھاڑ رہا کرتی تھی۔ اس کے علاوہ ان کے دیوان میں ایک اور صاحبزادی کا مرثیہ بھی ملتا ہے۔ لیکن اس میں نام کی تصریح نہیں ہے۔

عبدالرحمٰن کے بہت سے لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ جن سے ولید۔ اسمٰعیل حسام۔ ام فراس۔ فریعہ اور سعید تھے۔ سعید بھی شاعر تھے۔ ان کی ماں ام ولد تھیں [2] ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد پھر حسان کی نسل میں کوئی باقی نہیں رہا۔ [3]

شعر و شاعری کا گھرانہ مبرد نحوی کہتے ہیں کہ حسان کے خاندان میں کئی پشتوں تک شعر و شاعری کا پتہ چلتا ہے۔ اور اس امر میں وہ جاہلیت کے مشہور

---

[1] استیعاب ۱/۳۴۶ والشعر والشعراء ۱/۲۶۶۔ [2] ابن سعد ۵/۱۹۶۔ [3] الشعر والشعراء ۱/۲۶۷

شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ان کے خاندان میں علی الترتیب چھ شاعر پائے جاتے ہیں
"سعید بن عبدالرحمن بن حسان بن ثابت بن المنذر بن حرام"
یعنی ایک طرف اگر ان کا پردادا شاعر ہے تو دوسری جانب پوتا بھی شاعری کی حیثیت سے شہرت رکھتا ہے[۱]
اس کا یہ مطلب نہیں کہ شاعری کوئی ورثہ کی چیز ہے۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ شاعری ان کے رگ و پے
میں سمائی ہوئی تھی اسی بنا پر ابن رشیق حسان کے گھرانہ کو مشہور شاعرانہ گھرانہ قرار دیتے ہیں۔[۲]
انکے والد ثابت کے چند شعر محفوظ رہ گئے ہیں جنھیں انھوں نے قبیلۂ مزنیہ کی ہجو میں کہے تھے[۳]
حسان کو اپنے والد سے شاعری ہی ورثہ میں نہیں ملی تھی بلکہ ہجو گوئی کی پوری قدرت بھی۔ ان کے والد
نے مزینہ کی ہجو میں یہ اشعار اس وقت کہے تھے جبکہ انھوں نے انکو قید کر لیا تھا۔ انکے والد کو چھڑانے کیلئے فدیہ
کی پیشکش کی گئی تو انھوں نے تیس ۳۰ بکریوں کا مطالبہ کیا۔ انکی قوم نے انکے پاس بھیجدیئے اور فدیہ دیکر انکی
رہائی عمل میں آئی شاعری کی روائت انھیں تک محدود نہ تھی۔ بلکہ انکی دونوں بہنیں خولہ اور رفاعہ بھی شاعرہ
تھیں۔ خولہ بنت ثابت کے اشعار بھی کچھ محفوظ رہ گئے ہیں جسمیں سے مندرجہ ذیل اشعار بھی ہیں۔

یا خلیلیَّ نابی سُھدی — لم تنم عینی ولم تکد

(اے میرے دوست میری نیند ہرن ہوگئی ہے — اور آنکھ ہے کہ لگتی ہی نہیں۔)

کیف تلحونی علی رجل — آنسٍ تلتذہ کبدی

(تم ایسے یار آشنا کے بارے میں کیسے ملامت کر رہے ہو جس سے جگر کو لذت مل رہی ہے)

مثل ضوء البدر صورتہ — لیس بالزُّمیلة النکدِ

(اس کی صورت تو چاند کی روشنی کے مانند ہے۔ وہ ڈرپوک اور بدبخت نہیں ہے)

فارعہ بنت ثابت سے جو اشعار منسوب ہیں انکے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ وہ عبدالرحمن بن الحارث
بن ہشام المخزومی کے بارے میں کہے گئے ہیں۔ اور اس سے اس کا عاشقانہ تعلق تھا[۴] لیکن کچھ
لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اشعار زبیر بن بکار کے ہیں جو اس نے ابن زہیر مخنث کے لئے کہے تھے۔ (باقی)

---

[۱] الکامل للمبرد۔ [۲] العمدہ ۲/۲۸۹۔ [۳] معجم ما استعجم البکری ۳/۹۶۷۔ [۴] آغانی ۳/۳۳

سفرنامہ پاکستان

پھر لاہور میں

(۱۲)

سعید احمد اکبر آبادی

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی ڈاکٹر صاحب سے میرا تعلق اُس زمانہ سے ہے جب کہ میں اورینٹل کالج میں داخلہ لے کر وولنر ہوسٹل میں رہتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کا علامہ اقبال کے ہاں بڑا درخور تھا۔ علامہ کے ہاں میری رسائی انہیں کے ذریعہ ہوئی، علامہ کا پنجابی زبان میں یہ فقرہ اب تک میرے کانوں میں گونج رہا ہے۔ ایک مرتبہ میں چغتائی صاحب کے ساتھ علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو علامہ نے چغتائی صاحب کو دیکھتے ہی کہا "کہو! ماسٹر جی، کی گل ہے" (علامہ ان کو ہمیشہ ماسٹر کہتے تھے۔ کیونکہ یہ اس زمانہ میں ایک اسکول میں پڑھاتے اور فقط انٹرمیجیٹ تھے) انہیں کی وساطت سے علامہ نے مجھ سے امام رازی کی مشہور کتاب "المباحث المشرقیہ" کے دو باب جو زمان و مکاں پر ہیں اُن کا ترجمہ اردو میں کرایا تھا اور اس ترجمہ سے خوش ہو کر علامہ نے اپنے دستخط سے ایک کتاب مجکو عنایت بھی فرمائی تھی۔ ڈاکٹر چغتائی ... نے میرے اس ترجمہ کا ذکر اقبال پر اپنے ایک مضمون میں بھی کیا ہے جو سہ ماہی اردو ادب، علی گڈھ میں چھپا تھا، موصوف بڑے باوضع، شریف اور بڑی محبت کے انسان ہیں۔ مجھ سے ان کی دوستی نہیں برادرانہ تعلق ہے، مجکو خوشی ہے کہ اب بھی دنیا میں کم از کم ایک بزرگ تو ایسے ہیں جو مجھے فقط "سعید" کہکر پکارتے ہیں۔ اس وقت ان کی عمر ۸۰ سے متجاوز ہے۔ لیکن رواں

دواں اب بھی رہتے ہیں، بڑے مذہبی اور کٹر مسلمان ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے محقق اور مصنف ہیں۔ تاج محل پر اون کی کتاب جو اصلاً فرنچ میں تھی اور پھر اردو میں اور غالباً انگریزی میں بھی اوس کا ترجمہ چھپا تحقیق کا شہکار ہے اسی کتاب پر اون کو فرانس سے ڈاکٹر کی ڈگری ملی ہے۔ اسی تحقیق کے سلسلہ میں وہ آگرہ بھی آئے تھے۔ اور ہمارے گھر مقیم رہے تھے، اس تقریب سے انہوں نے کتاب کے مقدمہ میں والد صاحب مرحوم ڈاکٹر ابرار حسین صاحب اور میرا شکریہ ادا کیا ہے۔ اسی سلسلہ میں وہ برسوں لندن اور پیرس میں بھی رہے۔ اون کا خاص موضوع آثار قدیمہ اور مغل بادشاہوں کی تاریخی عمارتیں اور اون کے کتبات ہیں۔ پونا میں اسی کے پروفیسر رہ چکے ہیں۔ اسی موضوع پر متعدد بلند پایہ کتابیں اور سینکڑوں مقالات شائع کر چکے ہیں۔ حضرت بلال رضؓ پر بھی اون کی ایک بڑی اچھی کتاب اردو میں ہے۔ مرقع چغتائی (دیوان غالب) والے عبدالرحمٰن چغتائی جو مغل آرٹ کے مشہور آرٹسٹ تھے ان کے بڑے بھائی تھے۔ چند برس ہوئے ان کا انتقال ہوگیا۔ دونوں بھائی پہلے اندرون شہر محلہ چابک سواران میں رہتے تھے۔ تقسیم کے بعد ڈاکٹر چغتائی نے اپنی کوٹھی گلبرگ میں بنالی ہے۔ اسی میں اون کی نہایت شاندار اور نہایت قیمتی ذاتی لائبریری ہے۔ لاہور کی علمی وادبی .. برادری کے اہم اور ممتاز رکن ہیں جسے انگریزی میں (Doyen) کہتے ہیں، ۱۹۶۹ء میں جب لاہور آیا تھا تو ان سے اطمینان کی ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ اس مرتبہ یونہی رواروی میں ملنا ہوتا رہا۔ جس کا افسوس ہے۔

جسٹس ایس۔ اے رحمٰن | پہلے پاکستان کی سپریم کورٹ کے جج تھے، پھر پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہوئے۔ نہایت شریف، سچے اور پکے مرد مسلمان۔ اقبال اور اون کے کلام کے عاشق ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے شام ہمدرد کی ایک مجلس میں "اقبال اور سوشلزم" پر ایک بڑا گراں قدر مقالہ انگریزی میں پڑھا تھا جو چھپ گیا ہے۔ اوس کی کاپی انہوں نے

بھی دی تھی۔ آج کل پاکستان میں بعض لوگ کہتے ہیں اور اس پر انہوں نے لکھا بھی ہے کہ اقبال
رم کے حامی تھے۔ جسٹس ایس۔ اے رحمٰن نے بڑی تحقیق اور دیدہ دری سے سوشلزم کی حقیقت
ن کی تاریخ کا جائزہ لینے کے بعد کلام اقبال کے حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ خیال غلط
دصوف کی غالباً مستقل کوئی تصنیف نہیں ہے۔ لیکن انہوں نے علمی اور ادبی مجلسوں
یورسٹی میں مختلف مواقع پر خطبات اور مقالات پڑھے ہیں جناب منشی عبدالرحمٰن خاں
ب مکتبہ اشرف المعارف جہلیک ملتان نے ان کا اردو ترجمہ "حدیث دل" کے نام
ئع کر دیا ہے اور برہان میں اس پر تبصرہ ہو چکا ہے یہ خطبات بڑے فکر انگیز اور بصیرت
ہیں، مجھکو جسٹس سر شاہ سلیمان مرحوم کی خدمت میں بھی نیاز حاصل تھا جب کبھی
صاحب کو دیکھتا ہوں سر شاہ سلیمان بے ساختہ یاد آجاتے ہیں اخلاق و عادات اور
و شمائل میں یکسانیت کے ساتھ قد و قامت اور چہرہ بشرہ میں بھی بڑی مشابہت ہے۔
زمانہ میں ان کی خواہش تھی کہ میں اسلام آباد کے اسلامک ریسرچ انسٹیٹوٹ میں ڈائرکٹر
ے پر آجاؤں۔ لیکن جب میری طرف سے سرد مہری دیکھی تو خاموش ہو گئے۔

پروفیسر قدرت اللہ شہاب کانفرنس میں دیرینہ دوستوں میں سے پروفیسر قدرت اللہ شہاب
سے بھی ملاقات کر کے بڑی خوشی ہوئی۔ نہایت مخلص اور بڑے لائق و
رفاضل ہیں۔ مختلف زبانیں جانتے ہیں۔ انڈونیشیا اور چین یا جاپان برسوں رہ چکے
ب ایک عرصہ سے اسلام آباد کے اسلامک ریسرچ انسٹیٹوٹ میں پروفیسر ہیں۔ کم گو ہیں
ایت شائستہ و بائستہ اور بڑے رکھ رکھاؤ اور قرینہ کے انسان ہیں گفتگو بڑی سنجیدگی
ہیں۔ اس مرتبہ میری روا ری کی وجہ سے ان سے ملاقات سرسری ہی ہوئی لیکن
ں جب میں اسلام آباد میں ایک ہفتہ ٹھہرا تھا اسلامک ریسرچ انسٹیٹوٹ کے تمام
رکان کے ساتھ ان سے بھی بڑے اطمینان کی ملاقاتیں ہوئی تھیں اور انہوں نے
عزاز میں ایک نہایت شاندار اور بہت پرتکلف ڈنر بھی دیا تھا اس وقت میں جس

چیز سے زیادہ متاثر ہوا تھا وہ یہ تھی کہ اطعمہ و اشربہ جیسے تھے وہ تو تھے ہی کمرہ کی ا
فرنیچر میں بڑی نفاست اور لطافت تھی۔ اور اون پہ جاپانی مذاق کا اثر معلوم ہوتا
بہرحال ۲۲ مارچ کو کانفرنس ختم ہوگئی تو میاں اسلم کو لاہور سے دور کسی شہ
میں ایک مذہبی جلسہ کی صدارت کرنی تھی وہ وہاں چلے گئے ۲۳ کی صبح کو پہلے سے
قرار داد کے مطابق لفٹنٹ کرنل خواجہ عبدالرشید کار لیکر پہونچ گئے۔ ان کے ساتھ
جسٹس ایس۔ اے رحمٰن کی کوٹھی پرنہ وہ نہیں ملے، پھر ہم ادارۂ ثقافت اسلامیہ کے
دفتر گئے، اسے بھی بند پایا۔ معلوم ہوا کہ جہاں کانفرنس ہوئی تھی وہیں قائداعظم
محمد علی جناح پر ایک سیمینار ہو رہا ہے اور یہ سب حضرات اوس میں شرکت کے لئے گ
ہوئے ہیں۔ اور اسی وجہ سے آج تعطیل بھی ہے۔ میں گھر واپس آگیا اور خواجہ
صاحب کل کی ملاقات کے وعدہ پہ واپس چلے گئے۔

شیخ نذیر حسین صاحب | میں ابھی گھر میں بیٹھا ہی تھا کہ ایک صاحب کرتے، شلوار
میں ملبوس ننگے سر تشریف لائے۔ میں نے ان کو اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا خ
ہوا کہ کسی دفتر میں کلرک یا ہیڈ کلرک ہوں گے یا کوئی کاروبار کرتے ہوں گے۔ لیکن
جب گفتگو شروع ہوئی تو بڑی عالمانہ اور فاضلانہ! معلوم ہوا کہ آپ شیخ نذیر حس
صاحب ہیں، پنجاب یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام جو اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلا
پروفیسر محمد شفیع صاحب مرحوم کے زمانہ یعنی ۱۹۴۸ء سے تیاری ہو رہی ہے اوس
کے اڈیٹر ہیں اور واقعی بڑے فاضل اور لائق ہیں۔ اون سے یہ معلوم کر کے بڑ
مسرت ہوئی کہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی پندرہ جلدیں اب تک چھپ چکی
ہیں۔ دو چھپ رہی ہیں اور باقی ماندہ چار جلدوں کے لئے مواد جمع کیا جا چک
شیخ صاحب کا ہر فنی مطالعہ بڑا وسیع ہے اور رائے بڑی جچی تلی دیتے ہیں
اون کا اصرار تھا کہ میں خود حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ الکشمیری رحمۃ اللہ

سوانح حیات لکھوں۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر قاری محمد رضوان اللہ کا پی۔ ایچ۔ ڈی
مقالہ جو حضرت شاہ صاحب پر ہے اور جو علی گڈھ میں میری نگرانی میں تیار ہوا تھا
شیخ صاحب نے اوس کا تذکرہ کر کے فرمایا: یہ مقالہ ایک یونیورسٹی سے پی۔ ایچ
ی کی ڈگری لینے کی حد تک تو ٹھیک ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب کا حق اس سے
نہیں ہوتا، میں نے عرض کیا: آپ نے بالکل بجا فرمایا۔ اور میں نے اس پر جو مقدمہ
ھا ہے میں نے یہ بات اوس میں لکھ بھی دی ہے، شیخ صاحب نے دوسری فرمائش
کی کہ صدیق اکبرؓ کے بعد سیرت حضرت عثمانؓ لکھنے کا جو وعدہ آپ نے عرصے
رکھا ہے: اب اوس کو پورا ہو جانا چاہیئے۔ لوگوں کو اس کا بڑا انتظار ہے میں
عرض کیا۔ اس میں شبہہ نہیں کہ المسٔولون باقی [illegible] کے مطابق سیرت
حضرت عثمانؓ: میرے ذمہ ملت کا ایک قرض ہے۔ میں اس سے کبھی غافل نہیں رہا
رمیں نے اس سلسلہ میں مواد فراہم بھی کیا ہے۔ لیکن مجھے چھ ماہ کی فرصت درکار
ہے جس میں مجھے کوئی اور کام بالکل نہ کرنا پڑے۔ جونہی وہ فرصت ملی میں کتاب
مل کر دوں گا۔ شیخ صاحب نے یہ بھی دریافت کیا کہ پروفیسر جوزف شاخت نے
کتاب "فقہ اسلامی کے ماخذ" میں حدیث پر جو اعتراضات کیئے ہیں کیا کسی نے
ان اعتراضات کا جواب لکھا ہے" میں نے جواب دیا کہ اول تو ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی
اپنی انگریزی کتاب "حدیث لٹریچر اور اپنی عربی کتاب السیرا لحثیث فی
وین الحدیث" میں ان اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ اور مولانا حبیب الرحمن
صاحب الاعظمی کی کتاب "نصرۃ الحدیث" میں بھی ایک حد تک ان اعتراضات
جواب آگیا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں سب سے اہم جو کام ہے وہ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ
اعظمی کی عربی میں کتاب "الدراسات فی الحدیث" ہے۔ ڈاکٹر اعظمی
یہ کتاب پروفیسر شاخت کے جواب میں ہی لکھی ہے اور اس کتاب پر اون کو کیمرج

یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری ملی ہے۔ میں نے مزید کہا: دراصل جب میں علی
میں تھا ڈاکٹر اعظمی نے میرے شعبہ میں پی ایچ۔ ڈی میں داخلہ لے کر اس موضوع
پر میری نگرانی میں کام شروع کیا تھا۔ لیکن چند ماہ کے بعد وہ ریاست قطر میں
ملازم ہو کر چلے گئے اور یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ چند برس کے بعد اون کو کیمبرج یونیورسٹی
سے پروفیسر آربری کے ماتحت پی۔ ایچ ڈی کرنے کا خیال پیدا ہوا تو انہوں کے کیمبرج
پہونچکر مجھکو لکھا کہ یہاں یونیورسٹی کے قانون کے مطابق میرا داخلہ آپ کے سرٹیفکٹ
پر موقوف ہے۔ از راہ کرم آپ یہ سرٹیفکٹ فوراً بھیجدیجئے، میں نے تعمیل کی، اس سے
اون کو دو فائدے ہوئے ایک تو یہ کہ اون کا داخلہ ہو گیا اور دوسرے یہ کہ اون کو
تین برس کے بجائے دو برس میں ہی مقالہ پیش کرنے کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ اس
کتاب کے مقدمہ میں ڈاکٹر اعظمی نے میرا ذکر بھی محبت سے کیا ہے۔

پھر میں نے کہا: جب نہایت اعلیٰ کاغذ اور ٹائپ کے ساتھ یہ کتاب چھپ گئی
تو ڈاکٹر اعظمی نے اوس کا ایک نسخہ مجھکو بھی بھیجدیا تھا۔ میں نے اس کتاب کو بڑے
شوق اور توجہ سے حرفاً حرفاً پڑھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کتاب بڑی محنت
تحقیق اور دیدہ وری سے لکھی گئی ہے اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس میں شاخت
کے تمام اعتراضات کے تحقیقی اور شافی و دافی جوابات آگئے ہیں فجزاہ اللہ
شیخ نذیر حسین صاحب ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی کی کتاب سے تو واقف تھے اور اسے
پڑھ بھی چکے تھے، لیکن ڈاکٹر اعظمی کی کتاب کا علم مجھ سے ہی ہوا، بہت خوش ہوئے، اور
کے دریافت کرنے پر میں نے بتایا کہ ڈاکٹر اعظمی مکہ مکرمہ کے مدرسہ شرعیہ میں استاذ ہیں
اون کو خط لکھکر آپ کتاب منگوا سکتے ہیں۔ غرضکہ شیخ صاحب بڑے علمی آدمی ہیں۔
اون سے گفتگو کر کے طبیعت بڑی محظوظ ہوئی۔ ایک انسائیکلوپیڈیا کے اڈیٹر کو ایسا ہی
ہونا چاہیئے۔ اس وقت دنیا میں عموماً اور عرب ممالک میں خصوصاً اسلامیات اور عر

ب و زبان پر جو نہایت بلند پایا اور ٹھوس کام ہو رہے ہیں۔ شیخ صاحب کی
اہ اون سب پر ہے۔

مزار حضرت شیخ ہجویری | ظہر کی نماز کے بعد ایک عزیز کے ساتھ حضرت شیخ ابوالحسن علی
ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا۔ حضرت شیخ کو لوگ عام طور پر داتا گنج
بخش کہتے ہیں۔ اوس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ دہلی جاتے
ہوئے جب لاہور آئے تو حضرت شیخ المتوفی ۴۹۵ھ کے مزار پر چلہ کش بھی ہوئے
اور آپ نے یہ شعر بھی پڑھا۔ ؎

گنج بخشِ ہر دو عالم، مظہرِ نورِ خدا
کاملان را پیر کامل ناقصاں را رہنما

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شعر جعلی ہے کیونکہ گنج بخش میں شرک کی بو آتی ہے۔ لیکن
شاعری میں اس قسم کی مبالغہ آرائی عام ہے اور بڑے بڑے صوفیا کا کلام بھی
اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ حضرت شیخ کا مزار ہمیشہ مرجع عوام و خواص رہا ہے
بڑے بڑے اولیاء اللہ نے یہاں چلہ کشی کی ہے۔ سلاطین و امراء نے یہاں آکر عقیدت
و ارادتمندی کے نذرانے پیش کئے ہیں۔ کروڑوں انسانوں نے فاتحہ و سلام
کے پھول چڑھائے ہیں۔ حضرت شیخ کی متعدد تصنیفات کے نام تذکروں میں ملتے
ہیں۔ لیکن آپ کی سب سے زیادہ مشہور اور اہم تصنیف "کشف المحجوب"
ہے جو فن تصوف پر ایک نہایت جامع اور مستند کتاب ہے میں نے اس کتاب
کو پڑھا ہی نہیں ایک زمانہ میں اس کا درس بھی دیا ہے۔ پروفیسر نکلسن نے اس
کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے۔ جی چاہتا تھا کہ کچھ دیر یہاں بیٹھوں لیکن مردوں،
عورتوں اور بچوں کا اس قدر ہجوم اور شور و غل تھا کہ بیٹھ نہ سکا۔ کھڑے کھڑے
فاتحہ پڑھی اور روانہ ہو گیا پاکستان گورنمنٹ نے اب مقبرہ کی عمارت بڑی شاندار اور

وسیع بنادی ہے شہنشاہ ایران نے نہایت قیمتی اور مطلا و مذہب دروازہ نذر

مزار علامہ اقبال پر

یہاں سے فارغ ہوکر علامہ اقبال کے مزار پر حاضر ہوا، اور معلوم نہیں کیوں مزار پر نگاہ پڑتے ہی دل میں ایک ہوک اٹھی اور آ

نکل پڑے، یہاں ایک واقعہ یاد آیا۔ کاندہلہ ضلع مظفر نگر میں ایک صاحب تھے۔ جن کا نام ظہیر الحسن تھا۔ یہ کاندہلہ کے بڑے رئیس، نہایت دیند ا اور مخیر ہونے کے ساتھ نہایت قابل اور بڑے فاضل بھی تھے، علیگڈھ فلسفہ میں ایم۔ اے کیا تھا۔ مطالعہ کے بڑے دہنی تھے، ۱۹۴۷ء میں آزاد ملے ہوئے چند روز ہی ہوئے تھے کہ ایک دن مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلکر گھر میں داخل ہو رہے تھے کہ کسی بدبخت نے اون پر گولی چلاد اور وہ شہید ہو گئے۔ ہم ارکان ندوۃ المصنفین سے اون کے نہایت مخ اور برادرانہ مراسم تھے، ان مولوی ظہیر الحسن صاحب شہید نے خود مجھ بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندہلوی (جو مولوی ص کے رشتہ میں ماموں یا چچا بھی ہوتے تھے) کاندہلہ تشریف لائے تو اپنے گھر جا کے بجائے میرے مکان پر قیام فرمایا۔ شب میں مولانا سو رہے تھے، میری چار قریب ہی تھی۔ ایک دو بجے کا عمل ہوگا کہ مولانا پر کشف کی سی کیفیت طاری اچانک اٹھکر بیٹھ گئے اور آواز دیکر مجھے بھی اٹھادیا۔ پھر فرمایا۔ میاں ظہیر تمہیں معلوم ہے کہ اقبال کا مقام کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: حضرت! میں بندۂ عاصی و خاطی! ان امور غیبی کی نسبت کیا کھہ سکتا ہوں، اس پر "اقبال نے وفات سے چند روز پہلے حضرتِ حق جل شانہ کو مخاطب کر کے رباعی کہی تھی۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر — روزِ محشر عذرہائے من پ

یا اگر بینی حسابم ناگزیر　　از نگاہ مصطفی پنہاں بگیر

اس رباعی میں آخری مصرعہ اقبال نے کس سوز و گداز قلب سے کہا ہے کہ
ت خداوندی کو جوش آگیا اور اس نے اپنی آغوش میں لے اقبال کو کہیں
کہیں پہونچا دیا۔" رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً"

فارسی شاعری میں جامی، رومی، خاقانی، عرفی اور قدسی ایسے نہایت
یم الشان اور بلند پایہ نعت گو شعرا پیدا ہوئے ہیں، لیکن نعت گوئی میں
ال کے تیور ہی کچھ اور ہیں، ایک نظم میں اقبال عالم خیال میں حج کو جاتے
، جب حج سے فارغ ہو کر مکہ سے مدینہ طیبہ جانے لگتے ہیں تو حضرت حق جل شانہ
ز راہ شوخی خطاب کر کے کہتے ہیں :۔

تو باش ایں جا و با خاصاں بیامیز
کہ من دارم ہوائے منزلِ دوست

اچھا اے خدا! تو اپنے خاص نیک بندوں کے ساتھ یہاں رہ میں تو منزل دوست پر
ہنچنے کی آرزو رکھتا ہوں، یہاں دوسرے مصرعہ سے عشق نبوی اور روضۂ اقدس پہ جلد سے
پہونچنے کی تمنا کے باعث اقبال کے دل کی بے قراری و بے چینی کے جو شرارے
رہے ہیں وہ ایک مسلمان کے ایمان کا متاع گرانمایہ ہیں، جس طرح ایک بچہ
کی گود میں ہوتا ہے تو کبھی کبھی پیار میں باپ کی ڈاڑھی پکڑ لیتا اور اس کے
ہ کو ننھے منے ہاتھوں سے تھپ تھپانے لگتا ہے اور باپ اس پہ برا نہیں مانتا
خوش ہوتا ہے، اسی طرح بعض صوفیا نے اپنے اشعار میں خدا کے ساتھ
رخ کلامی کی ہے اور یہ رنگ اقبال کے ہاں بھی ہے [1]

---

[1] چنانچہ اس شعر کے پہلے مصرعہ کا انداز بھی یہی ہے۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ کسی نے یہ شوخ کلامی کبھی نہیں کی اور آپ کے ساتھ عشق و محبت کے اظہار میں بھی آپ کا حد درجہ ادب اور احترام ملحوظ رکھا ہے اسی لئے عارفانہ ہدایت ہے :-

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

یہاں خاموشی تھی، آدمی بھی کم تھے، اس لئے مزار پر آنکھ بند کر کے بیٹھ گیا اور اور فاتحہ پڑھنے لگا۔ اس وقت میری چشم تصور نے کیا دیکھا؟ وہ کسی کو سنانے کی چیز نہیں۔

یہاں سے فارغ ہو کر برادر عزیز مولانا عبدالصمد صارم کے مکان پر آیا، وہاں جناب عبداللہ صاحب قریشی اور قاضی اکرام جو دفتر مرکزی جمعیت علمائے ہند میں ملازم اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کے خادم خاص تھے اور اب وہ پاکستانی ہیں موجود تھے، ریحانہ اور بچے بھی ادھر سے آگئے تھے، سب کے ساتھ چائے پی۔ کچھ دیر بیٹھا اور گھر واپس آگیا۔ میاں اسلم شب میں سفر سے واپس آگئے تھے، صبح ناشتہ کے بعد انھوں نے کہا کہ ادارہ ثقافتِ اسلام کے دفتر میں ایک نشست رکھی گئی ہے۔ اوس میں آپ کو چلنا ہے۔ میں نے کہا، کیسی نشست؟ کیا وہاں کوئی تقریر کرنی ہوگی! بولے جی نہیں! چند خاص خاص حضرات کا اجتماع ہے وہ آپ سے بعض مسائل پر گفتگو اور تبادلۂ خیال کریں گے۔ میں نے ہامی بھر لی اور وقت مقررہ پر ہم دونوں وہاں پہونچ گئے۔ دفتر پہونچکر دیکھا تو لفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید، جسٹس ایس۔ اے رحمٰن۔ ڈاکٹر سعید شیخ اور چند اور حضرات پہلے سے موجود تھے۔ اب گفتگو شروع ہوئی تو جسٹس ایس۔ اے رحمٰن صاحب نے دریافت فرمایا کہ امرجنسی کے نافذ ہونے کے بعد سے ہندوستان کے حالات کیا ہیں؟ میں نے اوس کے جواب میں وہی کہا جو سابقہ قسط میں بیان

ر چکا ہوں۔ اس کے بعد ہندوستان اور پاکستان کے آئندہ تعلقات کے بارہ میں
با دلۂ خیالات ہوا۔ میری طرح یہ سب حضرات اس بات کے متمنی اور خواہش مند تھے کہ
ونوں ملکوں میں دوستی اور خیر اندیشی و صلح جوئی کی فضا زیادہ خوشگوار ہونی چاہیئے
یں نے ہندوستان کے عوام اور گورنمنٹ دونوں کی طرف سے اس بات کا یقین
لایا کہ وہ اس چیز کے دل سے خواہاں ہیں۔ اس سلسلہ میں میں نے خاص طور پر
دیپ نائر، خوشونت سنگھ (السٹریٹیڈ ویکلی) کے مقالات و مضامین اور پی
ں مودی، احمد سعید ملیح آبادی، اور کاکا جی کی کتابوں کا ذکر کیا۔

یہ پر لطف نشست ایک بجے تک رہی۔ اس کے بعد میں ان سب حضرات سے رخصت
وکر میاں اسلم کے ساتھ گھر آیا۔ کھانا کھا کر حسب عادت کچھ دیر آرام کیا۔ پھر ظہر کی نماز
ور چائے سے فارغ ہو کر اسلام آباد جانے کے لئے ایرپورٹ روانہ ہو گیا۔

تبصرے

داڑھی کا وجوب | از حضرت مولانا محمد ذکریا صاحب شیخ الحدیث سہارنپور
چھوٹے سائز کے ۳۲ صفحات۔ کتابت وطباعت بہترین عکسی قیمت ۷۵ پیسے
پتہ :- کتب خانہ یحیوی۔ مظاہر العلوم۔ سہارنپور۔

دین فطرت مذہب اسلام نے دنیا کو جہاں اور ہر شعبے میں ہدایات دی ہیں۔ وہ
انسان کی شکل وصورت چال ڈھال اور لباس کے متعلق بھی ہدایات دی ہیں۔ جن
میں ایک ایک ہدایت ونصیحت میں حکمتوں اور مصلحتوں کے دفتر پوشیدہ ہیں۔ شریعت
کے انہی احکام میں سے داڑھی کا مسئلہ بھی ہے۔ پرانے زمانے میں دنیا کا معمول
جو بھی کچھ رہا ہو مگر اب ایک عرصہ سے دنیا میں داڑھیاں منڈانے کا رواج پڑ
ہے۔ اور دوسروں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں میں بھی یہ وبا اب اس قدر پھیل گئی ہے
رفتہ رفتہ اب اس کا وبا ہونا ذہنوں سے نکل گیا ہے "کاروان کے دل سے احساس
زیاں جاتا رہا"

ایک شرعی حکم سے بے رخی اور روگردانی جیسی کچھ قابل افسوس ہے وہ تو ظاہر
ہی ہے مگر حیرت اس پر ہے کہ ہمارے بھائی فکر وبصیرت سے کام لینا چھوڑ دیتے ہیں
صرف دوسروں کی طرف دیکھتے ہیں۔ جب دوسروں نے داڑھیاں منڈائیں
انھوں نے بھی منڈا دیں۔ جب انھوں نے آدھے کلوں تک داڑھی رکھی تو انھوں
رکھ لی۔ اور اب کچھ دن سے پوری داڑھی رکھنے کا فیشن چل نکلا تو یہ بھی رکھنے لگ
گویا یہ۔ خود کوئی چیز نہیں۔ دوسری قوموں نے جو اپنے سامنے اپنی اپنی تہذیبوں کے

چراغ روشن کر رکھے ہیں یہ غریب بس اُن قوموں کا سایہ ہیں وہ جھکے یہ سایہ بھی جھک
گیا اور جب وہ گرے تو ظاہر ہے کہ سایہ بھی کیسے سیدھا رہ سکتا ہے۔ لاحول ولاقوہ۔

ہمارے لئے کس قدر عبرت کا مقام ہے کہ خود ہمارے ملک میں ایسی قومیں
بھی موجود ہیں۔ جو نہ ہمارا جیسا کامل و مکمل دین رکھتی ہیں نہ ہم سے زیادہ شاندار
تاریخ ان کے پاس ہے نہ ہماری برابر تعداد رکھتی ہیں۔ مگر اس کے باوجود اپنی
تہذیب اپنے اصول اور شکل و صورت کی امتیازی شان کو اپنائے ہوئے ہیں اور نہ صرف
اپنائے ہوئے ہیں بلکہ دوسروں سے منوائے ہوئے ہیں۔ اور ایک ہم ہیں کہ بیاباں میں ایک
خشک تنکے کی طرح ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ چل پڑتے ہیں۔

دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیح شیخ
بتکدے میں برہمن کی پختہ زُنّاری بھی دیکھ

حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم نے اس رسالہ میں بڑے ہی موثر اور
دل نشیں پیرائے میں اس سنتِ نبوی کی اہمیت واضح کی ہے۔ اس موقع پر جب کہ دلوں
سے اس کی برائی دن بدن ختم ہوتی جارہی ہے اور گویا داڑھی رکھنے نہ رکھنے کا معاملہ
خارج از بحث ہونے کو ہے۔ اس کی سخت ضرورت تھی کہ مسلمانوں ۔ مسلم نوجوانوں
کو ان کا یہ بھولا ہوا سبق پھر تازہ کرایا جائے اور انھیں اس کی اہمیت سے باخبر کیا جائے۔

اس رسالہ میں دو فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات
اور صحابہ کرام کے آثار و معمولات اور ائمۂ اربعہ کے مسلک کا بیان ہے۔ اور دوسری
فصل میں علماء و مشائخ کے اقوال اور جن حضرات نے اس موضوع پر لکھا ہے۔
ان کے اقتباسات درج ہیں۔

حضرت مولف زید مجدہم نے ایک جگہ صفحہ ۱ پہ لکھا ہے۔

" یہاں ایک امر نہایت اہم اور قابل تنبیہ یہ ہے کہ بہت سے حضرات ایسے ہیں۔

جو داڑھی منڈانے کو تو معیوب سمجھتے ہیں۔ اور اس سے بچتے بھی ہیں۔ لیکن داڑھی کے کم کرنے اور کتروانے کو معیوب نہیں سمجھتے۔ حالانکہ شریعتِ مطہرہ میں جس طرح داڑھی رکھنے کا حکم ہے اسی طرح اس کی ایک مقدار بھی متعین ہے۔ چنانچہ اس سے کم رکھنا شرعاً معتبر نہیں ہے اور وہ مقدار ایک قُبضہ (مٹھی) ہے اس سے کم کرنا۔ بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک ناجائز اور حرام ہے۔

یہ بات ذرا محلِ تامل ہے کہ مقدار قبضہ (مٹھی) سے کم رکھنا شرعاً غیر معتبر اور حرام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے داڑھی کا حکم دینا اور ایک غیر ملکی جس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی کے سامنے داڑھی رکھنے اور اس کے بڑھانے کو امرِ الٰہی کہنا تو ثابت ہے مگر مقدار کے سلسلہ میں آپؐ سے کوئی صریح حکم ثابت نہیں نہ کسی صحابی سے اس کی وضاحت منقول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ ثابت ہے کہ وہ حج کے موقع پر ایک مٹھی سے زائد کو کٹوا دیتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ کے اس عمل سے زیادتی کی حد بندی تو ہوتی ہے کہ ایک مٹھی سے زائد نہ ہو مگر اس سے کم نہ ہونے پر اس عمل سے کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں تک بھی روایتوں میں ذکر آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام کی داڑھیاں بمقدار قبضہ یا اس سے زائد کا ذکر ہے مگر اس بات کی کوئی سند نہیں ہے کہ یہ مقدار بطور عادت تھی یا اس مقدار کا ہونا لازم تھا۔ دَورِ رسالت اور دورِ صحابہ میں یہ مسئلہ چونکہ کوئی مسئلہ نہ تھا اور سبھی لوگ داڑھیاں رکھتے تھے۔ اس لئے اس وقت اس کے متعلق زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں۔ بعد کے دَور میں اس کے متعلق خاصی تفصیلات ملتی ہیں۔

یہ دو باتیں الگ الگ ہیں۔ اول یہ کہ داڑھی رکھی جائے دوم یہ کہ کتنی رکھی جائے۔ پہلی کے متعلق احادیث میں تاکیدی احکام موجود ہیں۔ دوسری بات کے

لق کوئی نبوی ہدایت موجود نہیں ہے نہ کسی صحابی کا قول ثابت ہے - البتہ حضرت
عمر اور حضرت ابوہریرہ اور بعض دوسرے صحابہ کا عمل ثابت ہے مگر جیسا کہ عرض
یا اس سے زیادتی کی نفی ہوتی ہے ۔کمی کی نہیں - اب اگر ایک شخص خشخشی داڑھی
تا ہے تو آیا وہ داڑھی رکھنے کے نبوی حکم کی تعمیل کر رہا ہے یا نہیں ۔ظاہر ہے کہ
ھی رکھنے کا حکم تو اس نے مانا ہے - البتہ مقدار کے سلسلہ میں وہ آپ کا اور آپ
صحابہ کرام کا پیروکار نہیں ہے ۔ اس کو ہم کوتاہی اور نقص تو کہہ سکتے ہیں مگر اس کو
انے کے برابر کہدینے کا کیا جواز ہے ۔

فقہاء میں سے متعدد حضرات نے کہا ہے کہ داڑھی کا منڈانا اور اس کا چھوٹا
اجائز نہیں ۔مگر سب سے محتاط تعبیر شیخ ابن ہمام کی ہے - انھوں نے فتح القدیر
ھا ہے کہ " واما الآخذ منها وهي مادون القبضه كما يفعله بعض المغاربة
خنثة الرجال فلم يبحه احد " یعنی ایک مٹھی کی مقدار سے کم رکھنا
کہ بعض مغربی لوگ اور مخنث قسم کے لوگ کرتے ہیں تو اس کو کسی نے مباح نہیں
ہے ۔

بہر حال یہ مسئلہ مزید بحث و تحقیق طلب ہے ۔جن علماء نے مٹھی بھر سے کم مقدار
ام کہا ہے یا اس کو منڈانے کے مساوی کہا ہے ۔ ان کا قول محتاج دلیل ہے ۔تاہم
ت میں کوئی شبہہ نہیں ہے کہ جو لوگ خشخشی داڑھی رکھتے ہیں وہ ایک سنت
اور شعار اسلامی کے مکمل اتباع سے محروم ہیں ۔

اس موضوع پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں بعض ان میں سے روایات کے احاطے میں
ریخی شواہد کے فراہم کرنے فقہاء کی بحثیں اور اقوال جمع کرنے میں سب پر فائق
عض کتابوں میں دوسری تہذیبوں سے تقابل کر کے اور جدید سائنسی تحقیقات
سے مسئلہ کو واضح کیا گیا ہے ۔ لیکن زیر تبصرہ رسالہ کی سب سے نمایاں اور ممتاز

خصوصیت اس کی اثر انگیزی اور پُرسوزی ہے۔ امید ہے کہ ہمارے مسلم نوجوان اس کو
دلچسپی سے پڑھیں گے اور اثر لیں گے۔

اسلام اور غیر اسلامی تہذیب	ترجمہ مولوی شمس تبریز خاں۔ صفحات ۱۹۶۔ تقطیع ۲۲×۱۸/۸۔ کتابت طباعت عمدہ مجلد مع گرد پوش

قیمت ۹-۰ روپے

پتہ:۔ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

یہ کتاب تاریخ اسلام کے مشہور عالم و مصلح امام ابن تیمیہ کی کتاب "اقتضاء
الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم" کا ملخص ترجمہ ہے۔ کتاب کا مو
نام سے ظاہر ہے، کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب میں مسئلہ تشبہ کے مختا
پہلوؤں پر کلام ہے، دوسرا باب اس امر کی وضاحت میں ہے کہ اسلام کا رویہ ا
سے پہلے مذاہب کے ساتھ کیا ہے۔ اور تیسرے باب میں دیگر مذاہب و اقوام کے تہوا
اور ان کی تقریبات کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ اور تینوں ابواب میں امام ابن تیمیہ کا ا
انداز تحریر نمایاں ہے کہ بات میں سے بات نکالتے ہوئے بڑے بڑے اہم نکات بیان کرتے
گئے ہیں۔ کتاب کا موضوع اگرچہ تمام تر مذہبی و اصلاحی ہے مگر اس سے اس وقت کے
معاشرے کے بہت سے رسم و رواج اور طور طریق پر بھی اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے۔

کسی ترجمے کی ایک بڑی کامیابی یہ ہوتی ہے کہ اصل مضمون میں کمی بیشی نہ کرنے کے با
اس میں "ترجمہ پن" نہ جھلکنے پائے اس لحاظ سے فاضل مترجم مبارک باد کے مستحق ہیں کہ ا
ابن تیمیہ کے سیل بے کراں کی منڈیریں بھی باندھی ہیں اور ساتھ ہی عبارت ایسی روا
مربوط و مسلسل ہے کہ ترجمہ مستقل کتاب معلوم ہوتا ہے۔ پھر جا بجا مفید حواشی اور تمہیدی و
اضافوں نے مضمون کا سمجھنا بہت آسان کر دیا ہے۔

یہ کتاب امام موصوف کی مقبول ترین کتابوں میں ہے یہ غالباً سب سے پہلے ہندو

سے نواب صدیق حسن خاں کی کتاب "الدین الخالص" کے حاشیہ پر ۱۳۱۲ھ میں چھپی تھی ۱۳۲۳ھ میں المطبعۃ الشرفیہ مصر سے چھپی اور اس کے بعد مطبعۃ انصار السنۃ نے ۱۹۵۰ء اس کا بہت عمدہ ایڈیشن چھاپا۔

امام ابن تیمیہ کے مشہور زمانہ تفردات سے قطع نظر ان کی تصانیف کی جو افادیت ہے وہ ختم نہ ہوگی جس طرح دورِ قدیم میں غیر اسلامی تہذیبوں سے ملت اسلامیہ متاثر ہو رہی تھی کے دور میں بھی مختلف تہذیبیں بڑے زور شور سے پوری طرح مدلل و مبرھن ہو کر یورش کر رہی اس موقع پر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام نے اس کتاب کو شائع کر کے بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے

امام ابن تیمیہ کے ہاں بعض دوسرے ائمہ حدیث کی طرح حدیثوں کی نقد و جرح کے ملہ میں ایک گونہ تشدد ہے اس لئے اچھا ہے کہ انکی کتابوں سے استفادہ کے وقت دیث کو از خود بھی تلاش کر لیا جائے اور دیگر ائمہ حدیث کی آراء کی روشنی میں ان کا م صحت و سقم متعین کیا جائے اس بیان سے احادیث کی تخریج بھی ہو جائے گی جو اہم کام ہے۔

مثال کے طور پر زیر نظر کتاب میں ص ۱۲۸ پر حدیث "من وسع علی عیالہ یوم عاشوراء ع اللہ علیہ سائر سنتہ"، کو امام موصوف نے موضوع کہا ہے حالانکہ دیث متعدد طرق سے منقول ہے امام بیہقی نے کہا ہے کہ یہ اسانید الگ الگ اگرچہ ف ہیں مگر "اذا ضم بعضہا الی بعض اخذت قوۃ" اس کے علاوہ حافظ ابن البر نے کتاب الاستذکار میں اس کو حضرت جابر سے روایت کیا ہے۔ اور اس ند کو صحیح مسلم کے معیار پر صحیح قرار دیا ہے۔ نیز حافظ ابو الفضل بن ناصر اور ظ عراقی وغیرہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے اس کی مفصل بحث راقم کی کتاب

ملاحظہ ہو الرفع والتکمیل ص ۱۹۸ و حاشیہ الرفع والتکمیل ص ۱۲۱ و الاجوبۃ الفاضلۃ ص ۱۲۴

"انتخاب الترغیب" جلد ۲ ص۳۵ میں ہے۔

اسی طرح ص۱۶۴ پر الدعاء موقوف بین السماء والارض حتی تصلی عل
نبیک کو قبر نبوی پر دعاء کے متعلق قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ عام ہے قبر نبوی سے ا
کوئی تعلق نہیں۔

کتاب میں دو ایک جگہ قابل ترمیم عبارات اور قابل اصلاح اغلاطِ کتابت
ہیں۔ مثلاً ص۷۰ "یہ مخالفت بغض للہی نہیں" یہ ایک عامیانہ محاورہ ہے ج
جا عناد اور بغض بے سبب کے مفہوم میں ہے، شریعت کی اصطلاح میں تو "بغض للہ
"حب فی اللہ" بہت اعلیٰ درجہ کے اوصافِ حمیدہ میں سے ہیں۔

ص۱۴۹ " ایسے حالات میں ان حالات کا شکار ہو جاتے ہیں" یہاں "ان
یا "ان افعال" ہونا چاہئے۔

ص۱۰۷ پر زید بن عمرو بن نفیل کے متعلق ہے کہ "وہ قریش کا ذبیحہ نہیں ک
تھا" بہتر ہو کہ آئندہ طباعت میں "نہیں کھاتے تھے" کر دیا جائے۔
یہ زید بن عمرو اسلام سے قبل وفات پا چکے تھے (اصابہ ج ۳ ص۳۱ میں ان کا
ہے) تاہم ان کی فطرتِ سلیمہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے تعلق کا
ہے کہ ان کا نام اس طرح لیا جائے جو ہمارے حلقوں میں احترام کی تعبیر ہے۔

ص۱۰۸ پر ابن شیبہ ہے، ابن ابی شیبہ ہونا چاہیے

ص۱۶۴ - "اذان کو سنی تھی" چھپ گیا ہے، اذان سنی تھی یا اذان کو سنا تھا ہونا چاہیے

ان چند معروضات سے قطع نظر اصل کتاب اور اس کی ترجمانی دونوں ہی قابل
و لائق ستائش ہیں۔ ہم اپنے ناظرین سے اس کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں۔

۱۹۵۴ء
حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ العلم والعلماء۔ اسلام کا نظام عفت و عصمت۔ تاریخ صقلیہ، تاریخ ملت جلد نہم

۱۹۵۵ء
اسلام کا زرعی نظام، تاریخ ادبیات ایران، تاریخ علم فقہ، تاریخ ملت حصہ دہم سلاطین ہند اول
تذکرہ علامہ محمد بن طاہر محدث پٹنی

۱۹۵۶ء
ترجمان السنہ جلد ثالث۔ اسلام کا نظام حکومت (طبع جدید مع جدید ترتیب)، جدید بین الاقوامی
سیاسی معلومات جلد دوم … راشدین اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات

۱۹۵۷ء
لغات القرآن جلد پنجم، صدیق اکبر، تاریخ … سلاطین ہند دوم، انقلاب روس، روس انقلاب کے بعد

۱۹۵۸ء
لغات القرآن جلد ششم، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، تاریخ گجرات، جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد سوم

۱۹۵۹ء
حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط، ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، مصائب و درکرز

۱۹۶۰ء
تفسیر مظہری اردو پارہ ۲۹ ۔ ۳۰۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط
امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام۔

۱۹۶۱ء
تفسیر مظہری اردو جلد اول، مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط۔ اسلامی کتب خانے، عرب و دنیا،
تاریخ ہند پر نئی روشنی

۱۹۶۲ء
تفسیر مظہری اردو جلد دوم۔ اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں، معارف الآثار۔
نیل سے فرات تک۔

۱۹۶۳ء
تفسیر مظہری اردو جلد سوم۔ تاریخ ردہ، پر کشش ضلع بجنور۔ علماء ہند کا شاندار ماضی اول

۱۹۶۴ء
تفسیر مظہری اردو جلد چہارم، حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط، عرب و ہند عہد رسالت میں
ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں۔

۱۹۶۵ء
ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد اول۔ تاریخی مقالات
لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر، ایشیا میں آخری نوآبادیات

۱۹۶۶ء
تفسیر مظہری اردو جلد پنجم۔ رموز عشق۔ خواجہ بندہ نواز کا تصوف و سلوک۔
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں۔

۱۹۶۷ء
ترجمان السنہ جلد چہارم، تفسیر مظہری اردو جلد ششم، حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ

۱۹۶۸ء
تفسیر مظہری اردو جلد ہفتم، تین تذکرے، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات
اسلامی ہند کی عظمت رفتہ۔

۱۹۶۹ء
تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم، تاریخ الفخری، حیات ذاکر حسین، دین الٰہی اور اس کا پس منظر

۱۹۷۰ء
حیات عبدالحق، تفسیر مظہری اردو جلد نہم، مآثر و معارف، احکام شرعیہ میں حالات زمانہ کی رعایت

۱۹۷۱ء
تفسیر مظہری اردو جلد دہم، بیماری اور اس کا روحانی علاج، خلافت راشدہ اور ہندوستان

۱۹۷۲ء
فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، انتخاب الترغیب والترہیب، اخبار التنزیل
عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برہان

مرتبہ
سعید احمد اکبرآبادی

مطبوعات ندوۃ المصنفین دہلی

سنہ ۱۹۳۹ء اسلام میں غلامی کی حقیقت ۔ اسلام کا اقتصادی نظام ۔ قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ ۔
تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام ۔ سوشلزم کی بنیادی حقیقت ۔

سنہ ۱۹۴۰ء غلامانِ اسلام ۔ اخلاق و فلسفۂ اخلاق ۔ فہم قرآن ۔ تاریخ ملت حصہ اول "نبی عربی صلعم" ۔ صراط مستقیم (انگریزی)

سنہ ۱۹۴۱ء قصص القرآن جلد اول ۔ وحی الٰہی ۔ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات حصہ اول ۔

سنہ ۱۹۴۲ء قصص القرآن جلد دوم ۔ اسلام کا اقتصادی نظام (طبع دوم بڑی تقطیع مع ضروری اضافات)
مسلمانوں کا عروج و زوال ۔ تاریخ ملت حصہ دوم "خلافتِ راشدہ" ۔

سنہ ۱۹۴۳ء مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ جلد اول ۔ اسلام کا نظامِ حکومت ۔ سلطنت ۔ تاریخ ملت حصہ سوم "خلافتِ بنی امیہ"

سنہ ۱۹۴۴ء قصص القرآن جلد سوم ۔ لغات القرآن جلد دوم ۔ مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت (کامل)

سنہ ۱۹۴۵ء قصص القرآن جلد چہارم ۔ قرآن اور تصوف ۔ اسلام کا اقتصادی نظام (طبع سوم جس میں غیر معمولی اضافے کیے گئے)

سنہ ۱۹۴۶ء ترجمان السنۃ جلد اول ۔ خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ ۔ جمہوریہ یوگوسلاویہ اور مارشل ٹیٹو ۔

سنہ ۱۹۴۷ء مسلمانوں کا نظمِ مملکت ۔ مسلمانوں کا عروج و زوال (طبع دوم جس میں سیکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے
اور متعدد ابواب بڑھائے گئے ہیں) لغات القرآن جلد سوم ۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ ۔

سنہ ۱۹۴۸ء ترجمان السنۃ جلد دوم ۔ تاریخ ملت حصہ چہارم "خلافتِ ہسپانیہ" ۔ تاریخ ملت حصہ پنجم "خلافتِ عباسیہ اول"

سنہ ۱۹۴۹ء قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات (حکمائے اسلام کے شاندار کارنامے (کامل)
تاریخ ملت حصہ ششم "خلافتِ عباسیہ دوم" بصائر ۔

سنہ ۱۹۵۰ء تاریخ ملت حصہ ہفتم "تاریخ مصر و مغربِ اقصیٰ" ۔ تدوینِ قرآن ۔ اسلام کا نظامِ مساجد ۔
اشاعتِ اسلام (یعنی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا) ۔

سنہ ۱۹۵۱ء لغات القرآن جلد چہارم ۔ عرب اور اسلام ۔ تاریخ ملت حصہ ہشتم "خلافتِ عثمانیہ" ۔ تاریخ بزرگانِ ...

سنہ ۱۹۵۲ء تاریخ اسلام پر ایک طائرانہ نظر ۔ فلسفہ کیا ہے ؟ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد اول (جس کو
از سرِ نو مرتب اور سیکڑوں صفحوں کا اضافہ کیا گیا ہے) ۔ کتابتِ حدیث ۔

سنہ ۱۹۵۳ء تاریخ مشائخ چشت ۔ قرآن اور تعمیرِ سیرت ۔ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ ۔

برہان

جلد نمبر ۸۰	ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ مطابق مارچ ۱۹۷۸ء	شمارہ ۳

فہرست مضامین

نظرات

افسوس ہے ہمارے عزیز دوست اور بچپن کے ساتھی جناب اعجاز صدیقی کا
پچھلے دنوں بمبئی میں اچانک انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
مرحوم مولانا سیماب اکبرآبادی کے فرزند ارجمند اور اون کے خاص تربیت یافتہ
تھے۔ اردو کے بلند پایہ اور قادر الکلام شاعر تو تھے ہی، بڑی بات یہ ہے کہ فن کے
اصول و فروع اور اوس کے رموز و نکات اور زبان کے قواعد اور اوس کے
مصطلحات پر اون کی نگاہ وسیع اور دقیق تھی اس بنا پر وہ نقاد بھی بہت اچھے
تھے۔ نثر بھی شگفتہ لکھتے تھے۔ تقسیم کے بعد آگرہ کے حالات ناقابل برداشت
ہوئے اور وہاں رہنا دشوار ہوگیا تو بمبئی منتقل ہو گئے۔ یہاں اون کو سخت
پریشانیوں اور دشواریوں سے سابقہ پیش آیا، لیکن انھوں نے بڑی ہمت
اور جوانمردی سے ان سب کا مقابلہ کیا۔ "شاعر" کو نہ صرف یہ کہ جاری رکھا
اوس کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوششوں میں لگے رہے اور آخر کار بمبئی ایسے
غدار شہر میں اپنا ایک خاص مرتبہ و مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے
اون کو اردو سے عشق تھا۔ تقسیم کے نتیجہ میں اوس پر جو بیتا پڑی تھی مرحوم
عمر بھر اوس کا ماتم کرتے اور اوس کی اصلاح کی جد و جہد کرتے رہے۔ طبعاً
بڑے خوش خلق، غیور و خوددار، باوضع اور نہایت محنتی اور جفاکش
انسان تھے۔ اون کی وفات سے اردو اپنی فوج کے ایک بہت بڑے مجاہد
سے محروم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اون کو مغفرت و بخشش کی نعمتوں سے نوازے

افسوس ہے انہیں دنوں میں شفیع الدین نیر صاحب کا بھی ۷۳ برس کی عمر میں انتقال دہلی میں
گیا۔ مرحوم اردو زبان کے بچوں کے نامور شاعر اور ادیب تھے اس حیثیت سے انھوں نے
ر اور نظم میں پچاسوں کتابیں لکھیں جو گھر گھر مقبول ہوئیں۔ انھوں نے اپنی زندگی گورنمنٹ کے
ڈل اسکول میں اردو کے ٹیچر کی حیثیت سے شروع کی تھی، ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب جن کو
د بچوں کے ادب سے بڑی دلچسپی تھی اون کو جب مرحوم کی صلاحیتوں کا علم ہوا تو انہیں
معہ ملیہ اسلامیہ لے آئے اور انھوں نے پوری زندگی یہیں بڑی وضعداری، شرافت
ر مروت سے گذار دی۔ تقسیم کے بعد اردو پر زوال آیا تو مرحوم کی شہرت، مقبولیت اور
دلعزیزی بھی متاثر ہوئی جس کا اون کو طبعاً ملال تھا اور وہ اوس کا اظہار بھی کرتے تھے
رحال اون کی کتابیں بچوں کے ادب کی دنیا میں اون کے بقائے دوام کی ضامن ہیں
خلاق و عادات کے اعتبار بڑے سنجیدہ و متین، لیکن دیندار اور خوش مزاج تھے
لہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

اطلاع عرض ہے کہ انسٹیٹیوٹ آف ہسٹری آف مڈیسن اینڈ میڈیکل ریسرچ مدن گیر
دہلی جو عام طور پر ہمدرد انسٹیٹیوٹ کے نام سے معروف ہے اور جس سے میں علی گڈھ سے
کدوش ہونے کے بعد ہی حکیم عبد الحمید صاحب کے اصرار پر وابستہ ہو گیا تھا۔ اب
نے اوس سے تعلق منقطع کر لیا ہے۔ ارادہ یہی ہے کہ علی گڈھ اپنے مکان میں بیٹھکر عمر عزیز
جو مہلت باقی ہے اوس کو تصنیف و تالیف میں بسر کروں گا۔ جو کتابیں پہلے سے منصوبہ
داخل ہیں اور جن پر تھوڑا بہت کام کیا بھی ہے اون کو مکمل اور جو کتابیں چھپ چکی
۔ نظر ثانی کر کے اون کے نئے اڈیشن تیار کروں گا۔ والتوفیق من اللہ وعلیہ التکلان
اثنا میں بالکل اچانک کالی کٹ یونیورسٹی کیرالا نے اپنے شعبۂ عربی میں جس کے پروفیسر
ر صدر ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی ہیں مجھکو وزٹنگ پروفیسر شپ پیش کر دی

میں نے اوس کو سردست اس لئے قبول کرلیا کہ یہ کام عارضی یعنی چند مہینوں کا اور خا
میرے ذوق، طبیعت اور مزاج کا ہے، کام زیادہ بھی نہیں ہے۔ ہفتہ میں صرف پانچ لک
ہیں، پھر کالیکٹ یونیورسٹی شہر سے دور بالکل الگ تھلگ پہاڑی پر واقع اور نہایت
پر فضا، خوبصورت اور دلکش مناظر فطرت سے معمور ہے۔ اس بنا پر یہاں مطالعہ او
یکسوئی سے تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول رہنے کا بڑا موقع ملے گا۔ چنانچہ یکم ما
کو میں کالیکٹ پہونچ گیا اور اپنے عہدہ کا چارج لے لیا، یہاں میرا پتہ یہ ہوگا۔ سعید اح
اکبرآبادی، وزٹنگ پروفیسر شعبہ عربی کالی کٹ یونیورسٹی 673635 ۔ پتہ انگریز
میں لکھیئے، کیونکہ یہاں اردو کوئی نہیں جانتا۔

۲ مارچ کو ڈاکٹر پی۔ کے عبدالغفور صدر آل انڈیا مسلم ایجوکیشن سوسائٹی (جس کی ورکنگ
کمیٹی کا میں دو برس سے ممبر ہوں) سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے کوچین چلنے کا اصرار کیا
جہاں سوسائٹی کی ریاستی شاخ کی سالانہ کانفرنس ۴ اور ۵ مارچ نہایت اعلیٰ پیمانہ
بڑے اہتمام سے ہو رہی تھی، چنانچہ ۳ مارچ کو کالیکٹ سے کوچین تک دو سو میل کا نہایت
خوبصورت اور دلکش راستہ ڈاکٹر پی۔ پی محمد اور اون کی بیگم کے ساتھ کار کے ذریعہ
طے کرکے کوچین پہونچا۔ ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ دوسرے دن صبح سے کانفرنس شروع
تھی، عرب ممالک کے دس نمائندے بھی براہ راست اپنے ممالک سے کانفرنس میں شرکت
کے لئے آئے ہوئے تھے، دو دن بڑی چہل پہل اور پروگراموں کی بھرمار رہی۔ ۵ مارچ
کو دوپہر کے اجلاس میں دعوت اسلام کے موضوع پر انگریزی میں میری تقریر بھی
ہوئی۔

Said Ahmad Akbarabadi
visiting Prof. Deptt of Arabic
university of Calicut
(Kerala)

اجتہاد کا تاریخی پس منظر

(اجتہاد استصلاحی)

(۱۶)

جناب مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

فتح ذرائع وسدّ ذرائع | (۲) فتح ذرائع وسد ذرائع (ذرائع کھولنا اور ان کو بند کرنا۔)

ذریعہ کی تعریف یہ ہے۔

ماکان وسیلۃ وطریقۃ الی الشیٔ [۱] — جو کسی شئی کی طرف راستہ اور اس کا وسیلہ ہو۔

ظاہر ہے کہ عام اصول قواعد کے تحت احکام شرعیہ میں طاعت یا معصیت کا جو راستہ اور وسیلہ ہو اس کا کھولنا یا بند کرنا مراد ہے [۲] شریعت نے ذرائع کھولنے اور بند کرنے خاص اہتمام کیا ہے کہ اس کے بغیر طرح طرح کی دشواریاں ــــــ پیدا ہوتی اور بسا اوقات مقصود فوت ہو جاتا ہے ابن قیمؒ نے سدِ ذرائع کو چوتھائی شریعت قرار دیا ہے اور قرافی نے کہا ہے۔

ان الذریعۃ کما یجب سدّھا یجب فتحھا وتکرہ وتندب وتباح فان الذریعۃ ھی الوسیلۃ فکما ان وسیلۃ المحرم محرمۃ فوسیلۃ الواجب — ذریعہ جیسا کہ اس کا بند کرنا واجب ہے اس کا کھولنا بھی واجب ہے مکروہ ہے مستحب ہے اور مباح ہے کیونکہ ذریعہ وسیلہ ہے۔ جیسے حرام کا وسیلہ حرام ہے واجب کا

---

[۱] ابن قیم اعلام الموقعین ج ۳ فصل فی سد الذرائع۔ [۲] وہبہ زحیلی الوسیط فی اصول الفقہ الاسلامی الذرائع۔ [۳] اعلام الموقعین ج ۳ فصل فی سدّ الذرائع ص ۱۵۹

واجب کالسعی للجمعۃ و للحج [1] وسیلہ واجب ہے مثلاً جمعہ اور حج کے لئے جدوجہد

قرآن وحدیث سے فتح ذرائع کی مثالیں

قرآن وحدیث سے فتح ذرائع کی چند مثالیں یہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و ہرون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جاتے وقت تاکید کی۔

فقولا لہ قولا لینا [2] تم دونوں فرعون سے نرمی سے بات کرنا۔

بدترین دشمن سے نرم بات کرنے کا حکم اسی لئے تھا کہ بات کی سختی کہیں نفرت کا ذریعہ نہ بن جائے۔ اور مقصود فوت ہو جائے۔

نکاح میں میاں بیوی کی رضامندی کافی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان، گواہ، ولی وغیرہ کی جو شرطیں لگائیں وہ اس لئے ہیں کہ نکاح اور سفاح (بدکاری) میں فرق ہو جائے اور نکاح بدکاری کا ذریعہ نہ بن جائے۔

جمعہ۔ عیدین اور نماز خوف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اگرچہ زیادہ سکون و دلجمعی نہ ہوتا کہ کئی اماموں کے پیچھے نماز ملت میں انتشار کا ذریعہ نہ بن جائے۔

پڑی ہوئی چیز اٹھانے والے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہ بنانے کا حکم دیا۔۔۔ (حالانکہ وہ امین ہوتا ہے) تاکہ بدگمانی کا ذریعہ نہ بن جائے۔

رات کو نماز پڑھنے والے کے لئے جب نیند آنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سو رہنے کا حکم دیا کہ شاید وہ نیند کی حالت میں استغفار کے بجائے اپنے اوپر ملامت کرنے لگے اور اونگھ کی حالت میں نماز بددعا کا ذریعہ نہ بن جائے۔

قرآن وحدیث سے سد ذرائع کی مثالیں

قرآن وحدیث سے سد ذرائع کی صد مثالیں یہ ہیں۔

قرآن حکیم میں بتوں کو برا کہنے سے منع کیا گیا کہ کہیں وہ اللہ کو برا کہنے کا ذریعہ نہ بن جائے

---

[1] شہاب الدین احمد قرافی۔ الفروق ج ۲ الفرق الثامن والخمسون۔ [2] طٰہٰ ع ۲

[3] الانعام ع ۱۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو قتل کرنے سے منع فرمایا تھا کہ کہیں وہ اسلام سے نفرت کا ذریعہ نہ بن جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجنبی عورتوں کے ساتھ تنہائی سے منع فرمایا کہ وہ طبیعت کی جولانی کا ذریعہ نہ بن جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدت اور احرام کی حالت میں نکاح سے منع فرمایا کہ وہ ایسی حالت میں بیوی سے قربت کا ذریعہ نہ بن جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرضخواہ کو ہدیہ قبول کرنے سے منع فرمایا کہ وہ قرض کی ادائیگی میں تاخیر کا ذریعہ نہ بن جائے۔

صحابۂ کرام کی مثالیں — صحابۂ کرامؓ نے مرض موت میں بائنہ طلاق دی ہوئی عورت کو وارث بنایا کہ طلاق وراثت سے محروم کرنے کا ذریعہ بنائی گئی ہو۔

صحابۂ کرام نے قتل میں شریک، تمام لوگوں کو قتل کا حکم دیا کہ سب سے قصاص نہ لینا کہیں قتل و خون ریزی میں تعاون کا ذریعہ نہ بن جائے [1]

حضرت عمرؓ نے ایک ایسی بستی جلانیکا حکم دیا جس میں شراب بیچی جاتی تھی کہ وہ شراب کی ممانعت میں رکاوٹ کا ذریعہ بن جائے [2]

حضرت عمر نے حلالہ کرنے والے اور جس کیلئے حلالہ کیا گیا ہے سنگساری کی سزا تجویز کی کہ حلالہ کہیں عیاشی کا ذریعہ نہ بن جائے۔

لا اوتی بمحلل ولا محلل له الا رجمتهما [3] — حلالہ کرنیوالا اور جس کیلئے حلالہ کیا گیا ہے جو بھی میرے پاس لایا جائیگا میں اسے سنگسار کروں گا۔

حضرت عثمان نے لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کیا تاکہ قرآن میں اختلاف کا ذریعہ نہ بن جائے۔

فقہا نے ذرائع کی قسمیں کی ہیں — قرآن وحدیث اور صحابۂ کرام کی زندگی میں فتح ذرائع اور سد ذرائع کی بکثرت مثالیں موجود ہیں نمونہ کے طور پر ان میں سے چند ذکر کی گئی ہیں۔

[1] ابن قیم اعلام الموقعین ج ۳ فی سد الذرائع [2] ابن قیم الطرق الحکمیہ سلوک الصحابۃ ببعض الاحکام [3] نمبر ۳ کا ... (حاشیہ: ... صفحہ ...)

فقہاء کرام نے عام اصول و قواعد کے تحت ان کو منضبط کر کے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ [۱]

۱:- وہ جو یقینا فساد و نقصان کا ذریعہ ہو جیسے راستہ میں ایسی جگہ کنواں کھودنا کہ تاریکی میں آدمی اس میں گر جائے اگر عام راستہ میں ہے تو بالاتفاق ناجائز ہے اور اگر اپنی ملکیت میں ہے تو عام نقصان ذاتی نفع پر غالب ہوگا۔ اور اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ نقصان دور کرنا نفع حاصل کرنے پر مقدم ہے۔

۲:- وہ جو شاذ و نادر فساد و نقصان کا ذریعہ ہو۔ جیسے وہ غذائیں جو بالعموم نفع پہونچاتی ہیں یا انگور کہ جس کے بے شمار منافع ہیں اور شراب بھی اس سے بنائی جاتی ہے۔ اس میں شاذ و نادر کا اعتبار نہ ہوگا۔

۳:- وہ جس کے فساد و نقصان کا ذریعہ بننے میں غلبۂ ظن ہو یقین نہ ہو۔ جیسے جنگ کے زمانہ میں دشمن کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا۔ اس میں غلبۂ ظن کا حکم یقین جیسا ہوگا (بعض فقہاء کا اختلاف ہے لیکن وہ زیادہ وزنی نہیں ہے)

۴:- وہ جو اکثر و بیشتر فساد و نقصان کا ذریعہ ہو لیکن اس کے باوجود غلبۂ ظن نہ حاصل ہوتا ہو جیسے ایسی مدت پر بیع کہ جس سے اکثر سود کی شکل پائی جانے کا احتمال ہو مثلاً کوئی شخص سامان دس روپیہ کے بدلہ ایک مہینہ کی مدت پر فروخت کرے پھر مہینہ پورا ہونے سے پہلے پانچ روپیہ نقد پر خریدے۔ امام مالکؒ و امام احمدؒ ایسے ذریعہ کو بند کرنے کے قائل ہیں اور امام شافعیؒ و امام ابوحنیفہؒ اس کے جواز کے قائل ہیں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ و ابوحنیفہ عقود و معاملات میں الفاظ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں نیت و ارادہ نہیں دیکھتے اور امام مالکؒ و احمدؒ دونوں پر نظر

(بقیہ حاشیہ صفحہ کا) [۵۳] اعلام الموقعین ج ۳ فصل فی تغییر الفتویٰ۔

[۱] شاطبی الموافقات ج ۲ القسم الثانی مقاصد المکلف المسالۃ الخامسۃ۔ ابوزہرہ اصول الفقہ الذرائع

رکھتے ہیں۔ اختلاف صرف چوتھی شکل میں ہے اور کسی شکل میں نہیں ہے لیکن اس کی بنیاد پر بہت سے مسائل میں اختلاف پایا جاتا اور حیلہ شرعی کا جواز بھی اسی سے نکالا جاتا ہے جس کے نام کی نہ حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے اور نہ تفصیل کا موقع ہے [۱]

فقہاء اربعہ نے اس سے کام لیا ہے | "ذرائع" سے سبھی فقہاء (ظاہری کے علاوہ) نے کام لیا ہے کسی نے زیادہ اور کسی نے کم امام مالک نے اس کو مستقل اصل تسلیم کیا ہے اور سب سے زیادہ کام لیا ہے اس کے بعد امام احمدؒ نے پھر امام ابو حنیفہؒ و شافعیؒ نے دوسری "اصل" میں داخل کر کے اس سے کام لیا ہے۔ جیسا کہ قرافی نے کہا ہے۔

مالك لم ينفرد بذلك بل كل احد يقول بها ولا خصوصية للمالكية بها الا من حيث زيادتهم فيها [۲]

امام مالک تنہا نہیں ہیں بلکہ ہر ایک نے اس کو تسلیم کیا ہے مالکیوں کی خصوصیت اس بنا پر ہے کہ انھوں نے زیادہ کام لیا ہے۔

قرطبی نے کہا ہے۔

سد الذرائع ذهب اليه مالك واصحابه وخالفه اكثر الناس تاصيلاً وعملوا عليه في اكثر فروعهم تفصيلاً [۳]

امام مالک اور ان کے اصحاب نے "سد ذرائع" کو تسلیم کیا ہے اکثر لوگوں نے مخالفت "اصل" ہانے میں کی ہے۔ حالانکہ بہت سے مسائل میں خود انھوں نے اس پر عمل کیا ہے۔

فقہاء کی مثالیں | فقہاء کی چند مثالیں یہ ہیں۔

(۱) مسلمان قیدیوں کو چھڑانے اور ان کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے دشمنوں کو مال دینے کی اجازت ہے اگرچہ اس میں ان کو قوت پہونچانا ہے۔ لیکن بڑے نقصان کو دور کرنے کے لئے اس نقصان کو برداشت کیا گیا۔

---

[۱] قرافی۔ الفروق ج ۲ الفرق الثامن والخمسون اعلام الموقعین ج ۳ الوسیط فی الاصول الفقہ الاسلامی۔ الموافقات جزء ثانی۔ [۲] شہاب الدین احمد قرافی۔ الفروق ج ۲۔ [۳] شوکانی۔ ارشاد الفحول مصالح المرسلہ المذہب التاسع ص ۲۲۹

(۲) مال کی رشوۃ دے کر معصیت سے بچاؤ حاصل کرنے کی اجازت ہے۔

(۳) ظلم سے بچنے کے لئے رشوۃ دینے کی اجازت [۱] ان سب صورتوں میں ممنوع
فعل کو محض اس بنا پر گوارہ کیا گیا کہ انکا نقصان اس نقصان کے مقابلہ میں کم ہے
جو اجازت نہ دینے کی شکل میں ہوتا ہے یہ اجازت بڑے نقصان کو دفع کرنے کا
(۴) جو شخص اپنا مال سستا کر کے محض اس بنا پر بیچتا ہے کہ اس سے پڑوسی دکاندار
کو نقصان پہونچے تو امام احمدؒ کے نزدیک اس کے یہاں خرید نا مکروہ ہے کیونکہ یہ پڑوسی
کو نقصان پہونچانے کا ذریعہ ہے۔

(۵) جس معاملہ میں معصیت کی مدد ہوتی ہو وہ ناجائز ہے جیسے ڈاکوؤں کے ہاتھ
ہتھیار بیچنا گھر و دکان بیچنا یا کرایہ پر دینا اس شخص کو جو اس میں معصیت کے کام
کرے اور لوگ اس میں مبتلا رہیں۔ [۲]

(۶) حاکم کو اپنے علم کی بنیاد پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے کہ وہ غیر منصف حاکموں کے
لئے اپنے علم کا بہانہ بنا کر غلط فیصلہ کا ذریعہ بنے گا۔

(۷) غلہ اٹھانے والے معمولی مزدوروں سے ضمان لینے کی اجازت ہے کہ یہ ضمان
ان کے دست درازی نہ کرنے کا ذریعہ ہے۔ [۳]

(۸) کوئی شخص اپنی بیوی کو مرض موت یا ایسی حالت میں طلاق دے کہ جس میں
اس کی ہلاکت کا ظن غالب ہے تو بیوی کو وارثت سے محروم نہ کیا جائے گا کہ یہ وراثت
سے محروم کرنے کا ذریعہ ہے احناف کے نزدیک یہ طلاق فرار یا تعسف کہلاتی ہے جبکہ بیوی
کی رضامندی کے بغیر طلاق دے اور عدت ہی میں شوہر کا انتقال ہو جائے۔ [۴]

غرض اس طرح عام اصول و قواعد کے تحت ذرائع کھولنے اور بند کرنے

---

[۱] الفروق ج ۲ ص ۳۲ شاطبی - الواقعات ج حوالہ بالا۔ [۲] ابو زہرہ اصول فقہ الذرائع۔ [۳] الوسیط
فی اصول الفقہ الاسلامی الذرائع۔ [۴] احمد زرقا را الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ج ۱ الاستصلاح

متعلق بہت سے احکام و قوانین ہیں جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

تغیر احکام بتغیر زمان

(۳) تغیر احکام بتغیر زمان (زمانہ کی تبدیلی سے احکام کی تبدیلی) یعنی جو احکام زمانی مصلحت پر مبنی تھے زمانہ کی تبدیلی سے اب چونکہ ان کی مصلحت بدل گئی ہے اس لئے ان کی تبدیلی ضروری ہوگئی ہے۔

زمانہ میں تبدیلی دو وجہ سے ہوتی ہے۔

(۱) فسادِ زمانہ۔ کہ لوگوں کی اخلاقی حالت خراب ہوجائے۔

(۲) ترقیِ زمانہ۔ کہ لوگوں کی معاشرتی حالت ترقی کرجائے۔

جیسا کہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے فرمایا:۔

تحدث للناس اقضیة بقدر ما احدثوا من الفجور لے

لوگوں نے فسق و فجور کی جس قدر نئی نئی قسمیں پیدا کرلی ہیں اسی لحاظ سے قضایا پیدا ہوگئے ہیں

عز الدین بن عبد السلام کہتے ہیں:۔

الاحکام بقدر ما یحدثون من السیاسیات والمعاملات و الاحتیاطات۔ لے

احکام میں اسی لحاظ سے اضافہ ہوگیا ہے جس لحاظ سے لوگوں نے سیاسات معاملات اور احتیاطات میں اضافہ کرلیا ہے

زمانہ کی تبدیلی سے تبدیلی کی دو شکلیں

زمانہ کی تبدیلی سے شرعی احکام و قوانین میں تبدیلی کی دو شکلیں ہیں۔

(۱) اصل مسئلہ میں تبدیلی اور

(۲) مسئلہ کے اوصاف میں تبدیلی۔

اجتہادی احکام میں اصل مسئلہ کی تبدیلی

(۱) اجتہادی احکام و قوانین میں تبدیلی کی دو شکلیں پائی جاتی ہیں اور غیر اجتہادی احکام و قوانین میں صرف اوصاف

لے محمد مریدالاتجاہات السامیہ کیفیۃ معاشرۃ دالی الملنظالم ص۱۵

لے ایضاً۔

کی تبدیلی کا وجود ہے اصل مسئلہ کی تبدیلی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ اس کا تعلق نفاذ سے ہے۔ اجتہادی احکام و قوانین کی چند مثالیں یہ ہیں۔

(۱) ایک شخص قرضدار ہے اور جس قدر قرضہ ہے اتنا ہی اس کے پاس مال ہے ایسی حالت میں اگر وہ اپنے مال کو ہبہ وقف وغیرہ کرنا چاہے تو قدیم فقہاء کے نزدیک اس کے یہ تصرفات صحیح نہ ہونگے لیکن متاخرین فقہاء نے قرضخواہ کی مرضی کے بغیر قرضدار کے ان تصرفات کو ناجائز قرار دیا۔ اور اگر مال قرضہ سے زائد ہے تو زائد مال میں یہ تصرفات صحیح ہوں گے۔ [۱]

(۲) کسی شخص نے کوئی چیز غصب کرلی تو قدیم فقہاء کے نزدیک صرف مغصوبہ چھینی ہوئی شی کا ضمان دینا ہوگا اس سے جو کچھ نفع ہوا ہے اس کا ضمان نہ واجب ہوگا لیکن متاخرین فقہاء نے منافع کا ضمان بھی واجب کیا۔ [۲]

(۳) شوہر نے بیوی کا مہر معجل ادا کردیا تو بیوی پر شوہر کی اطاعت لازم ہوگئی وہ جہاں چاہے اس کو لے جاکر رکھے۔ لیکن اگر شوہر اتنے دور دراز مقام پر لے جانا چاہے کہ جہاں بیوی کا کوئی مونس و مددگار نہیں ہے تو متاخرین فقہاء کے نزدیک اس کو شوہر کی اطاعت کے لئے مجبور نہ کیا جائے گا۔ [۳]

(۴) حاکم کو اپنے ذاتی علم کی بناء پر مقدمہ کا فیصلہ کرنے کی اجازت تھی لیکن متاخرین فقہاء نے حاکم کو ایسے فیصلہ سے منع کردیا وغیرہ۔ [۴]

غیر اجتہادی احکام میں اوصاف کی تبدیلی (۲) غیر اجتہادی احکام و قوانین میں اوصاف کی تبدیلی یہ ہے کہ اصل حکم و قانون برقرار رکھتے ہوئے نفاذ میں اس کی عمومیت کو خاص کردیا جائے مطلق کو مقید کردیا جائے وسعت کو محدود کردیا جائے کسی شرط

---

[۱] احمد زرقا ر الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید - عوامل تغیر الزمان - [۲] مجلۃ الاحکام العدلیہ دفعہ کی شرح ۱۶۲۱م [۳] ابن عابدین - رد المختار ج ۲ فی السفر بالزوجۃ [۴] رد المحتار ج ۴ فی حکم القاضی بعلمہ۔

ـفت کا اضافہ کر دیا جائے بعض شکلوں کو مستثنیٰ قرار دیا جائے وقتی طور پر نفاذ روک دیا
ـئے وغیرہ۔

یہ تبدیلی چونکہ عام اصول و قواعد کے تحت ہو گی اس لئے نص پر زمانہ کی تبدیلی
ـرجیح دینے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ بلکہ جس نص سے یہ عام اصول و قواعد ثابت
ـں اس کے ذریعہ اس نص میں اوصاف کی تبدیلی تسلیم کی جائے گی جیسا کہ "مصلحت" کے
ـت گذر چکا۔

اوصاف کی تبدیلی کا ثبوت بڑی حد تک قرآن حکیم کی اس آیت میں ہے۔

ـ آیت سے ـتدلال	واذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت ـمفتر بل اکثرھم لا یعلمون [۱]	جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدل دیتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو اتارتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے گھڑ لیا ہے ایسا نہیں ہے بلکہ ان میں کے اکثر نہیں جانتے ہیں

ـولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کے نوٹ میں فرماتے ہیں۔

"واقعہ یہ ہے کہ پورا قرآن ایک مرتبہ تو نازل ہوا نہیں موقع بموقع آیات نازل ہوتی تھیں بعض وقتی احکام بھی آتے تھے پھر دوسرے وقت حالات کے تبدیل ہونے پر دوسرا حکم آجاتا تھا۔ مثلاً ابتدا میں قتال سے ممانعت اور ہاتھ روکے رکھنے کا حکم تھا ایک زمانہ کے بعد اجازت دی گئی یا ابتدا میں حکم تھا قم اللیل الا قلیلا نصفہ الخ (رات کو کھڑے رہو آدھی رات یا اس میں سے کچھ کم کر دو مگر کسی رات نہ ہو سکے تو معاف ہے) تھوڑی مدت کے بعد مکہ ہی میں یہ آیات نازل ہوئیں "علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم فاقرؤا ما تیسر من القرآن الخ" (اللہ نے جانا کہ تم اسکو

---

[۱] النحل ع ۱۴۔

پورا نہ کرسکو گے سو تم پر معانی بھیجدی اب پڑھو جتنا تم کو آسان ہو قرآن سے[1]

طرز استدلال | آیت میں ابدال کے بجائے "تبدیل" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے مراد کہیں ذات کی تبدیلی اور کہیں صرف اوصاف کی بدیلی مراد ہوتی ہے۔ ذات اپنی جگہ بر قرار رہتی ہے۔

التبدیل التغییر مطلقا اما فی الذات کتبدیل الدراھم بالدنانیر او فی الاوصاف کتبدیل الفضۃ خاتما[2]

تبدیل سے مطلقاً بدلنا مراد ہے خواہ ذات میں ہو۔ جیسے درہم کی تبدیلی دینار کے ساتھ یا اوصاف میں ہو جیسے چاندی کی تبدیلی انگوٹھی کی شکل میں ہو۔

ابدال اور تبدیل کا فرق یہ بیان کیا گیا ہے۔

ان التبدیل تغییر الصورۃ الی صورۃ اخری والجوھرۃ بعینھا والابدال تنحیۃ الجوھرۃ واستئناف جوھرۃ اخری[3]

تبدیل صرف صورۃ کو بدلنا اصل جوہر اپنی جگہ باقی رہے اور ابدال جوہر کو بدلنا کہ اس کی جگہ دوسرا جوہر آجائے۔

کلام عرب میں دو محاورہ ہیں۔

ابدلت الخاتم بالحلقۃ اور بدلت الخاتم بالحلقۃ۔ دونوں کے استعمال میں فرق ہے۔ پہلا اس وقت استعمال ہوتا ہے جب انگوٹھی ہٹا کر چھلا اس کی جگہ رکھ دیا جائے اور دوسرا اس وقت جبکہ انگوٹھی پگھلا کر چھلا بنا لیا جائے پہلے میں اصل جوہر بدل جاتا ہے اور دوسرے میں جوہر باقی رہتا صرف اوصاف میں تبدیلی ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں لفظ تبدیل کا استعمال دونوں طرح سے ہے۔

---

[1] حاشیہ مذکورہ آیت۔ [2] شیخ محمد طاہر پٹنی۔ مجمع بحار الانوار ج ۱۔

[3] محمد مرتضی زبیدی تاج العروس ج فصل الباء من باب اللام۔ [4] ایضاً

ذات کی تبدیلی مثلاً:۔

ولئک یبدل اللہ سیآتھم حسنات[۱] یہی لوگ ہیں کہ اللہ ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا۔

صرف اوصاف کی تبدیلی مثلاً:۔

نضجت جلودھم بدلنٰھم جلوداً غیرھا۔[۲] جب کبھی ان کی کھال جل جائے گی تو ہم اس کی جگہ دوسری کھال بدل دیں گے۔

رسول اللہ سے ثابت شدہ مثالیں

لیکن اس موقع پر تبدیل سے مراد صرف اوصاف کی تبدیلی ہے جس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے طرز عمل سے ہوتی ہے. مثلاً:۔

قرآن حکیم میں حدود قائم کرنے حکم عام ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حکم سے خاص کرکے دشمن کی سرزمین میں حدود قائم کرنے سے منع کیا۔

لا تقطع الایدی فی الغزو۔[۳] غزوہ میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔

لا تقطع الایدی فی السفر[۴] سفر میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔

قرآن حکیم میں اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن جس سے شادی کا ارادہ ہو رسول اللہؐ نے دیکھنے کی اجازت دی اور مطلق حکم کو بلا شرعی ضرورت کے ساتھ مقید کیا۔

انظر الیہا فانہ احری ان یؤدم بینکما[۵] اس کو دیکھ لو اس سے آپس میں الفت و محبت کی زیادہ امید ہے۔

زنا کے ایک واقعہ میں مجرم کی جگہ غیر مجرم پکڑ لیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ

---

[۱] الفرقان ع ۶ ۔ [۲] النساء ع ۸ ۔ [۳،۴] مشکوۃ باب قطع السرقہ ۔ [۵] نسائی و اعلام الموقعین فصل فی تغیر الفتویٰ۔

علیہ وسلم نے اس کو سزا کا حکم بھی سنادیا لیکن بعد میں مجرم نے خود ہی اپنے جرم
اقرار کرلیا اور ماخوذ شخص کو اس سے بری قرار دیا یہ صورت دیکھکر رسول اللہؐ نے
کی سزا معاف کردی ماخوذ شخص کی اس بناء پر کہ وہ اصل مجرم نہ تھا۔ اور مجرم کی اس
بناء پر کہ محض دوسرے کی جان اور حق کی حفاظت کی خاطر اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔

حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اعتراف جرم کے بعد سزا نہ دینا مجرم کی حوصلہ
افزائی اور عام حکم کی خلاف ورزی ہے رسول اللہؐ سے اسکو سزا دینے کی درخواست
کی تو آپ نے عام حکم سے مستثنیٰ کرتے ہوئے فرمایا:۔

لانہ قد تاب الی اللہ۔ ؎ اس لئے کہ اللہ کی طرف اس نے رجوع کرلیا

زمانۂ صحابہ کی مثالیں	صحابہ کرام میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں (۱) حضرت ابوبکرؓ نے مرد سے بدفعلی کرانے والے کو آگ میں جلانے

حکم دیا (۲) اسی طرح بعض مرتدین کو آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ ان صورتوں
کو عذاب نار سے ممانعت کی عام حدیث سے خاص کرلیا۔ وہ یہ ہیں۔

ان النار لا یعذب بہا الا اللہ ؎۱ آگ سے سوائے اللہ کے اور کوئی عذاب
لا تعذبوا بعذاب اللہ ؎۲ اللہ کے عذاب جیسا تم لوگ عذاب نہ

حضرت عمرؓ نے بہت سے مواقع پر اوصاف کی تبدیلی کرکے حکم نافذ کیا مثلاً تالیف
قلوب کے لئے زکوۃ دینے کے حکم کا نفاذ وقتی طور پر روک دیا۔ کتابیہ عورتوں سے نکاح
کرنے کی وقتی طور پر ممانعت کردی قحط سالی میں چوری کی سزا (ہاتھ کاٹنا) نہیں
نافذ کی اس طرح اور بہت سے احکام کی وسعت محدود کردی ؎۳

؎۱ ابن قیم الطرق الحکمیہ فصل سلوک الصحابہ لبعض الاحکام۔ ؎۲ قاضی ابو یعلیٰ الاحکام
السلطانیہ فصل فی ولایات الامام ؎۳ جصاص احکام القرآن ج ۱ و ۲۔ محمد کتاب الآثار
تزوج الیہودیۃ والنصرانیۃ واعلام الموقعین ج ۳ فی تغیر الفتویٰ۔

حضرت عثمانؓ نے گم شدہ اونٹوں کو پکڑنے اور انتظار کے بعد اس کے بیچنے کا حکم [دیا] حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب گم شدہ اونٹوں کے پکڑنے کے بارے میں [پو]چھا گیا تو آپ نے منع فرمایا۔

زہری کہتے ہیں۔

[لکن] عثمان رائی قد جرت الیھم [ایدی فس]اد الاخلاق والذمم وامتدت [ایدیھ]م الی الحرام فھذا التدبیر [...]سون لضالۃ الابل واحفظ لحق [صا]حبھا خوفا من ان تنالھا ید سارق [او] طامع۔ ۱؎

یہ اس وجہ سے کہ حضرت عثمان نے دیکھا کہ لوگوں میں اخلاق کی خرابیاں اور برائیاں سرایت کر گئی ہیں اور حرام کی طرف لوگوں کے ہاتھ دراز ہو گئے ہیں یہ تدبیر گم شدہ اونٹ اور اس کے مالک کے حق کی زیادہ حفاظت کرنے والی ہے اس اندیشہ سے کہ اونٹ کو چور یا کوئی لالچی آدمی پکڑ لے۔

حضرت علی کا غالی شیعوں کے جلانے کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے یہ لوگ حضرت علی کو [خد]ا مانتے تھے جب انھوں نے جلانے کا حکم دیا تو کہا کہ اب اور زیادہ یقین ہو گیا کہ آپ [خد]ا ہیں کیونکہ آگ کا عذاب خدا کے سوا اور کوئی نہیں دیتا۔ ۲؎

[...]ار کی مثالیں | تابعین اور فقہاء کی کئی مثالیں مصلحت کے بیان میں گذر چکی ہیں [وہ]یں دیکھ لی جائیں چند یہ ہیں۔ شہادت کا جو معیار مقرر ہے اگر ویسے شاہد نہ مل [سک]یں تو جو موجود ہوں۔ ان میں بہتر کی شہادت معتبر ہو گی۔

[...]د اجاز نصب الشھود فسقۃ [...]بل عموم الفساد وجاز التوسیع

جب عموم فساد کی وجہ سے فاسق گواہوں کا تقرر جائز ہے تو زمانہ اور اہل زمانہ کے

۱؎ مالک موطا رباب ۴ اللقطہ احمد زرقا الفقہ الاسلامی ۲؎ محمد بن عبد الکریم شہرستانی کتاب [الف]صل فی الملل والاہواء والنحل ج۲ ذکر فرق الشیعہ۔

فی الاحکام السیاسیۃ لاجل کثرۃ فساد الزمان واھلہ ۱؎

کثرت فساد کی وجہ سے احکام سیاسیہ میں وسعت جائز ہے۔

علامہ حرانی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

فقد حسن ما کان قبیحا واتسع ما کان ضیقا واختلفت الاحکام باختلاف الزمان ۲؎

جو قبیح تھا وہ حسن ہو گیا جس میں تنگی تھی و ہو گئی۔ اور زمانہ کے اختلاف سے احک مختلف ہو گئے۔

جوتہ وغیرہ کا آرڈر دیکر خرید و فروخت کا معاملہ کیا جاتا ہے حالانکہ یہ ایسی ش معاملہ ہے جو موجود نہیں ہوئی لیکن فقہاء نے اس کی اجازت دی۔

زمین کی رجسٹری کا جب تک رواج نہ ہوا تھا۔ خریدار کو قبضہ دینا حوالہ کر دینا تھا۔ اس سے پہلے زمین بیچنے والے کے قبضہ میں سمجھی جاتی اور وہی اس کا ضامن ہوتا لیکن رجسٹری کے رواج ہونے کے بعد جس دن رجسٹری ہوئی ہے اس دن سے خریدا قبضہ سمجھا جائے گا بیچنے والا اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے گا۔ ۳؎

"ریڈیو" کی خبروں کے اعتبار کرنے کا عام رواج (عرف) ہے دینی خبروں کا ش کے مطابق اہتمام نہ ہونے کے باوجود ان سے غلبۂ ظن حاصل ہو جاتا ہے چاند کے ثبوت لئے ابر کی صورت میں دو اور آسمان صاف ہونے کی صورت میں تین خبروں سے غ ظن حاصل ہو جانا چاہئے خواہ یہ خبریں مختلف ریڈیو اسٹیشن سے کئی جگہ کی ہوں اس صورت میں چاند کا ثبوت محض ان خبروں سے نہیں بلکہ اس فیصلہ سے چاہئے جو علماء ان خبروں سے غلبۂ ظن حاصل ہونے کی بناء پر کریں۔ اس کی

۱؎ ابن فرحون تبصرۃ الحکام فی القضاء فی السیاسۃ الشرعیۃ۔ ۲؎ علی خفیف اسبا اختلاف الفقہاء، الخلاف الناشی عن العرف واختلاف الزمان۔ ۳؎ احمد زرقاء الفقہ الاس عوامل تغیر الزمان۔

بق "مقالات امینی" میں ملے گی۔

قیم کا قول | ابن قیم تغیر الفتوی بتغیر الزمان کے باب کہتے ہیں۔

یہ باب وسیع ہے جس میں سمجھ بوجھ کو ٹھوکر لگتی اور مردانِ راہ کے قدم پھسلتے ہیں اس سے کام لینا حقوق ضائع کرنا حدود معطل کرنا اور اہل شر کو جری بنانا ہے اور حد سے زیادہ کام لینا ظلم و ستم کا دروازہ کھولنا اور خون ریزی و غارت گری کا موقع فراہم کرنا ہے۔ [1]

سری جگہ ہے۔

ن افصل عظیم النفع جدا وقد | یہ فصل نہایت نفع دینے والی ہے اس سے جہالت
قع لسبب الجهل به غلط عظیم | کی وجہ سے شریعت کے بارے میں عظیم مغالطہ
الشریعة اوجب من الحرج و | ہوگیا اور لوگ طرح طرح کی تنگی و مشقت میں
شقة وتكليف مالا سبيل اليه | مبتلا ہوگئے ہیں اور شریعت کی ان اعلی
يعلم ان الشريعة الباهرة | درجہ کی مصلحتوں کے معلوم کرنے کا کوئی راستہ
تی فی اعلی رتب المصالح لاتاتی | نہیں رہگیا جن پر شریعت قائم ہے۔ شریعت
فان الشريعة مبناها واساسها | کا مدار حکمتوں اور دینوی و اخروی
الحكم ومصالح العباد فی المعاش | زندگی کی مصلحتوں پر ہے وہ مجسمہ عدل
المعاد وهی عدل كلها ورحمة | و رحمت اور کل حکمت و مصلحت ہے
ها ومصالح كلها وحكمة كلها | جو مسئلہ بھی عدل سے ظلم کی طرف رحمت سے
ل مسئلة خرجت عن العدل | زحمت کی طرف مصلحت سے مفسدہ کی
الجور وعن الرحمة الی ضدها | طرف اور حکمت سے رعبث کی طرف خروج

---

[1] اعلام الموقعین فی تغییر الفتوی۔

وعن المصلحة الی المفسدة وعن الحکمة الی العبث فلیس من الشریعة وانہ ادخلت فیہا بالتاویل ۵۱

کرے گا وہ شریعت کا مسئلہ نہ ہوگا۔ اگرچ تاویل کے ذریعہ شریعت میں داخل کر لیا جائے۔

مذکورہ تفصیلات سے ظاہر ہے کہ تغیر احکام بتغیر زمان کا تعلق مستقلاً عرف سے نہی ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے بلکہ مصالح مرسلہ سے ہے اور اس کی حیثیت مست باب کی ہے نہ کہ عرف کے تحت ضمنی باب کی۔

عرف کا مصلحت مرسلہ سے زیادہ تعلق ہے

عرف (جس پر لوگوں کا عمل درآمد ہو) میں بھی مصلحت ملحوظ ہوتی۔ اس لئے اکثر و بیشتر اس کا تعلق مصالح مرسلہ سے ہوتا ہے اس بار عبدالوہاب خلاف کی رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے

والعرف عند التحقیق لیس دلیلا شرعیا مستقلا وھو فی الغالب من مراعاۃ المصلحۃ المرسلۃ وھو کما یراعی فی تشریع الاحکام یراعی فی تفسیر النصوص فیخصص بہ العام ولیقید بہ المطلق وقد یترک القیاس بالعرف۔ ۵۲

تحقیقی بات یہ ہے کہ عرف مستقل دلیل شر نہیں ہے وہ عرف اکثر مصلحت مرسلہ کے ت ہوتا ہے جس طرح احکام وضع کرنے میں ا کی رعایت کی جاتی ہے نصوص کی تفسیر می اس کی رعایت ہوتی ہے۔ اس کے ذریعہ نص کو خاص کیا جاتا مقید کیا جاتا اور ک اس کی وجہ سے قیاس چھوڑ دیا جاتا ہے۔

سب ہی اماموں نے عرف کی بنیاد پر مسائل حل کئے ہیں کسی نے مستقل اصل تسلیم کر اور کسی نے دوسری اصل کے تابع بنا کر۔ عرف کا ٹکراؤ اگر اجتہادی مسائل سے ہے تو اس زیادہ دشواری نہیں پیش آتی اور اگر غیر اجتہادی مسائل سے ہے تو نص خاص کے مقا

۵۱ اعلام الموقعین ج فصل فی تغیر الفتویٰ۔ ۵۲ عبدالوہاب خلاف علم اصول ال الدلیل السابع العرف۔

اس کا اعتبار نہیں ہوتا اور نص عام کو اس کے ذریعہ خاص کرنا یا مقید کرنا سب ہی اماموں سے ثابت ہے اگرچہ اصولی طور پر بعض نے انکار کیا ہے جیسا کہ چند مثالوں سے ثابت ہے۔

حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک کھانے کپڑے پر نوکر رکھنا جائز ہے اگرچہ اس میں جہالت پائی جاتی ہے۔ شوافع اور احناف کے نزدیک قسط پر خرید و فروخت جائز ہے اس طرح آرڈر دے کر معاملہ کرنا درست ہے۔ گھڑی وغیرہ ضرورت کی چیزیں اس ضمانت کے ساتھ خریدنا درست ہے کہ مثلاً چھ ماہ یا سال بھر میں خراب ہوئی تو اس کی مرمت کا ذمہ دار دوکان دار ہوگا وغیرہ۔[1]

احناف اور مالکیہ کے نزدیک موسمی پھلوں کی بیع جائز ہے جبکہ کچھ نکل آئے ہوں اور ان میں انتفاع کی صلاحیت ظاہر ہو گئی ہو اگرچہ کچھ پھل بعد میں نکلیں۔

ظاہر ہے کہ عرف سے مراد ایسا عرف ہے کہ جس کے ذریعہ حلال حرام یا حرام حلال نہ قرار پاتا ہو نیز اس کے ذریعہ کسی فرض و واجب کا بطلان نہ لازم آتا ہو یہ عرف شریعت کے عام اصول و قواعد کے خلاف نہ ہوگا۔[2] اس کی تفصیل "فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر" میں دیکھ لینا چاہئے۔ رسالہ العرف والعادۃ (احمد فہمی) کا مطالعہ بھی مفید رہے گا۔

[1] ڈاکٹر وھبہ الزحیلی نظریۃ الضرورۃ الشرعیۃ العرف۔

[2] امینی۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر بحث عرف و رواج اور فقہی اصول و کلیات۔

اسلام کے فلسفہ سیاست کی بنیادیں

(۵)

از جناب ڈاکٹر ماجد علی خاں لکچرار اسلامیات جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی

۱۱- اسلامی ریاست کی نوعیت
NATUTE OF ISLAMIC STATE

دینی یا اسلامی حکومت کی تعریف اس طرح کی جا سکتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی اس جماعت کا نام ہے جو قانونی استحقاق کی بنا پر اسلامی احکام کو نافذ کرے۔ اس طرح مسلمانوں کی وہ حکومتیں جو اسلامی قوانین کو نافذ نہیں کرتیں۔ دینی یا اسلامی حکومت نہیں کہلائی جا سکتیں اگرچہ ان کا نام "اسلامی حکومت" یا "اسلامی جمہوریت" ہی کیوں نہ ہو۔

فقہاء اسلام دینی یا اسلامی حکومت کو "امامت کبریٰ" یا "امامت عظمیٰ" یا خلافت کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ اس لئے ہماری تحریرات میں اکثر خلافت یا امامت سے دینی حکومت یا اسلامی حکومت ہی مراد لی جائے گی اور خلیفہ یا "امام" سے رئیس حکومت اسلامیہ۔

السید محمد رشید رضا مصری تحریر کرتے ہیں۔

الخلافة والامامة العظمیٰ وإمارة المومنین - ثلاث کلمات معناها واحد وهو رئاسة الحکومة الاسلامیة الجامعة ——	دو خلافت، امامت عظمیٰ اور امارت مومنین تین الفاظ ہیں جن کا مطلب ایک ہی ہے یعنی اسلامی حکومت کی وہ سرداری جو دین دنیا دونوں کی مصلحتوں کی

المصالح الدین والدنیا۔　　حاصل ہو۔" لہ

علامہ تفتازانی تحریر کرتے ہیں۔

"... الامامۃ وھی رئاسۃ عامۃ فی امر الدین والدنیا خلافۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم"

"امامت دراصل ریاست عامہ ہے۔ جو دینی و دنیوی امور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت ہے" ۲ہ

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی (م ۴۵۰ھ) اپنی کتاب "الاحکام السلطانیۃ" میں فرماتے ہیں۔

"الامامۃ موضوعۃ لخلافۃ النبوۃ فی حراسۃ الدین وسیاسۃ الدنیا"

"دین اور دنیوی امور کی سیاست کی حفاظت کے لئے امامت دراصل خلافت نبویہ کی اقامت کا نام ہے" ۳ہ

علامہ ماوردی کے بعد میں آنے والے اہل سنت والجماعت کے فقہاء نے ان کی تعریف سے اتفاق کیا ہے۔ اس طرح دینی حکومت (یا امامت عظمٰی) ایک ایسی ریاست عامہ کا نام ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قانونی خلافت سے حاکمانہ بالادستی حاصل کرتی ہے اور "دنیا و دین کی اجتماعی سرگرمیوں میں اپنی عظمت و طاقت کا اس طرح اظہار کرتی ہے کہ اس میں اعلیٰ رہنمائی کے اوصاف نمایاں ہوں"۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی مشہور کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" میں تحریر فرماتے ہیں:-

"خلافت (عامہ) وہ ریاست عامہ ہے جو (بذریعہ) علوم دینیہ کے زندہ کرنے اور (بذریعہ) ارکان اسلام کے قائم کرنے اور (بذریعہ) جہاد اور متعلقات

لہ الخلافۃ او امامۃ العظمٰی صد ۱　۲ہ ایضاً صد ۱　۳ہ الاحکام السلطانیۃ صد ۳

جہاد کے قائم رکھنے جیسے لشکروں کا مرتب کرنا، مجاہدین کو وظائف دینا
مال غنیمت کو اُن پر تقسیم کرنا اور (بذریعہ) عہدۂ قضا کے فرائض انجام
دینے اور حدود کے قائم کرنے اور مظالم کے دور کرنے اور لوگوں کو اچھے
کاموں کا حکم دینے اور بُرے کاموں سے منع کرنے سے) بحیثیت نائب نبی
صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے بالفعل (حاصل ہوتی) ہو"۔ ؎۱

حضرت شاہ صاحب آگے تحریر فرماتے ہیں:-

"(خلافت کی جو تعریف کی گئی اس میں) ریاست عامہ کے لفظ سے وہ علماء
خارج ہو گئے جو علوم دینیہ کی تعلیم دیا کرتے ہیں (کیونکہ اُن کو ریاست
عامہ نہیں حاصل ہوتی) اور شہر کے قاضی اور لشکر کے افسر بھی خارج ہو گئے
جو خلیفہ کے حکم سے ان کاموں کو انجام دیتے ہیں (کیونکہ ان کو بھی ریاست
عامہ نہیں حاصل ہوتی) اور قرن اول میں وعظ و نصیحت کرنا بھی خلافت کا
ایک ضمیمہ تھا (جیسا کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وعظ نہ بیان
کرے مگر حاکم وقت یا اُس کا مقرر کیا ہوا کوئی شخص اور ان دونوں کے
علاوہ جو شخص وعظ کہے وہ ریاکار ہے۔ اور دین قائم رکھنے کے لفظ سے
وہ جابر اور ظالم بادشاہ خارج ہو گئے جو ملک پر حکومت اور غلبہ حاصل
کر کے غیر مشروع طریقہ سے خراج وصول کرتے ہیں اور بالفعل کے لفظ سے
وہ شخص خارج ہو گیا جو (اگرچہ) کامل طور پر دین قائم رکھنے کی قابلیت
رکھتا ہو۔ اور اپنے ہمعصر لوگوں سے افضل بھی ہو لیکن بالفعل اس کے ہاتھوں
سے کوئی کام امور مذکورہ میں سے انجام نہ پاوے۔ بس ایسا شخص خلیفہ نہیں

؎۱ ترجمہ ازالۃ الخفاء ص ۹

ہو سکتا جو (بقول شیعہ امام مہدی کی طرح) پوشیدہ ہو اور جس کو فتح و غلبہ نہ حاصل ہو اور بحیثیت نائب صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے لفظ خلیفہ کے مفہوم سے انبیاء علیہم السلام کو خارج کر دیتی ہے (کیونکہ وہ نبی تھے نہ کہ نائب نبی) گو حضرت داؤد علیہ السلام کو قرآن میں خلیفہ کہا گیا ہے (مگر یہاں جس خلافت کی تعریف کی گئی ہے اُس سے بلا شبہ حضرت داؤد ؑ خارج ہیں) کیونکہ بحث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کی ہے اور حضرت داؤد خلیفۃ اللہ تھے (نہ کہ خلیفۂ آنحضرت ؐ) یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے (اپنے لئے) خلیفۃ اللہ کا لقب پسند نہ کیا اور فرمایا کہ مجھے خلیفۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرو۔" ؎۱

جہاں تک امامت یا خلافت کے انعقاد (یعنی دینی حکومت کے قائم ہونے کا) سوال ہے فقہاء اس پر متفق ہیں کہ اس کے لئے رائے عامہ کا ہموار ہونا ضروری ہے۔ السید محمد رشید رضا مصری تحریر کرتے ہیں :-

اتفق اهل السنة على ان نصب الخليفة فرض كفاية وان المطالب بذلك اهل الحل والعقد فى الامة و وافقهم المعتزلة والخوارج على ان الامامة تنعقد ببيعته اهل الحل والعقد۔

"اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ خلیفہ کا مقرر کرنا فرض کفایہ ہے اور اس کے لئے امت کے سمجھدار و عقلمند (اہل الحل والعقد) جوابدہ ہوتے ہیں معتزلہ اور ...... خوارج نے اُن سے (اہل سنت سے) اس پر اتفاق کیا ہے کہ سمجھ دار اور عقلمند افراد کی بیعت سے امامت کا انعقاد ہو جاتا ہے۔" ؎۲

؎۱ ترجمہ ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۰-۱۱ ؎۲ الخلافۃ او الامامۃ العظمیٰ صفحہ ۱۱

علامہ ماوردی تحریر کرتے ہیں

والامامۃ تنعقد من وجہین احدھما باختیار اھل العقد والحل والثانی بعھد الامام من قبل۔

"امامت کا انعقاد دو طرح سے ہوتا ایک یہ کہ (امت کے) سمجھدار اور عقل (اھل الحل والعقد) افراد اس انتخاب کریں اور دوسرا یہ کہ پہلے امام سے عہد لے لیا جائے"۔ [1]

حضرت شاہ ولی اللہ رح نے انعقاد خلافت پر ایک جامع اور تفصیلی بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:۔

"خلافت منعقد ہونے کے طریقے:۔ خلافت چار طریقوں سے منعقد ہوتی ہے۔ پہلا طریقہ اہل حل وعقد یعنی عالموں اور قاضیوں اور سرداروں اور نامور لوگوں کا بیعت کر لینا ہے (انعقادِ خلافت کے لئے صرف انہی اہل حل وعقد کا بیعت کر لینا کافی ہے) جو کہ بآسانی موجود ہو سکیں۔ تمام بلاد اسلامیہ کے اہل حل وعقد کا متفق ہونا شرط نہیں ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے اور ایک دو آدمیوں کا بیعت کر لینا بھی (انعقاد خلافت کے لئے) مفید نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضرت عمر رض نے اپنے آخری خطبہ میں فرمایا ہے۔ جس نے بدون مشورہ مسلمانوں کے لئے کسی سے بیعت کی تو اس کی بیعت نہ کیجائے بخوف اس کے کہ یہ دونوں (بحکم شریعت) قتل کر دیئے جائیں گے (یعنی بے مشورہ بیعت کرنے والا اور بیعت لینے والا) حضرت صدیق رض کی خلافت کا

[1] الاحکام السلطانیۃ صد

انعقاد (اسی پہلے) طریقہ (یعنی اہل حل و عقد کے بیعت کر لینے) سے ہوتا ہے۔

دوسرا طریقہ (انعقاد خلافت کا) خلیفہ کا کسی ایسے شخص کو خلیفہ بنا دینا جو خلافت کی شرطوں کو جامع ہو یعنی خلیفہ عادل بمقتضائے خیر خواہی اہل اسلام ایک شخص کو ان لوگوں میں سے جو شرائط خلافت کے جامع ہو منتخب کرے اور لوگوں کو جمع کر کے (سب کے سامنے) اسکے استخلاف پر نص کر دے اور (مسلمانوں کو) اسکے اتباع کرنے کی وصیت کرے پس یہ شخص (جسکو خلیفہ نے خلافت کیلئے منتخب کیا ہے) ان تمام لوگوں میں سے ہو جو جامع شرائط (خلافت) ہیں مخصوص ہو جائیگا اور قوم کو لازم ہو گا کہ اسی شخص کو خلیفہ بنائے۔ حضرت فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) کی خلافت کا انعقاد اسی طریقہ سے ہوا تھا۔

تیسرا طریقہ (انعقادِ خلافت کا) شوریٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ خلیفہ جامعین شرائط (خلافت) کی ایک جماعت میں خلافت کو دائر کر دے اور کہہ دے کہ اس جماعت میں سے جس کو (اہل مشورہ) منتخب کر لیں گے وہی خلیفہ ہوگا۔ پس خلیفہ کی وفات کے بعد (اہل شوریٰ) مشورہ کریں اور (اس جماعت میں سے) ایک شخص کو خلیفہ معین کر لیں اور اگر (خلیفہ سابق) اس کا انتخاب کیلئے کسی (خاص) شخص کو یا کسی (خاص) جماعت کو مقرر کر دے تو اسی شخص یا اسی جماعت کا انتخاب کرنا معتبر ہوگا۔

(حضرت عثمان رض) ذی النورین کی خلافت کا انعقاد اسی طریقہ سے (ہوا) تھا کہ حضرت فاروق رض نے خلافت کو چھ آدمیوں کے درمیان دائر کر دیا اور (حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد) آخر الذکر کو (ان چھ شخصوں میں سے کسی ایک کو) خلیفہ معین کرنے کے لئے عبدالرحمن بن عوف رض مقرر ہوئے اور انہوں نے حضرت ذی النورین رض کو (خلافت کیلئے) منتخب کیا۔

چوتھا طریقہ (انعقادِ خلافت کا) استیلا ہے (اس کی صورت یہ ہے کہ)

جب خلیفہ کی وفات ہو جائے اور کوئی شخص بغیر (اہل حل وعقد کے) بیعت کئے ہوئے) اور (بغیر خلیفہ سابق کے) استخلاف کے خلافت کو لیلے اور سب لوگوں کو تالیف قلوب یا جنگ و جبر سے اپنے ساتھ کرلے (تو یہ شخص) خلیفہ ہو جائے گا۔ اور اس کا جو فرمان شریعت کے موافق ہوگا اس کی بجا آوری سب لوگوں پر لازم ہوگی۔ اور اس (چوتھے طریقہ) کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ استیلا کرنے والا (خلافت کی) شرطوں کو جامع ہو اور بغیر ارتکاب کسی ناجائز امر کے (صرف) صلح اور تدبیر سے مخالفوں کو (مزاحمت سے) باز رکھے۔ یہ قسم عند الضرورت جائز ہے۔ معاویہ بن ابی سفیان کی خلافت کا انعقاد حضرت علیؓ (کی وفات) کے بعد اور (حضرت امام حسنؓ کے صلح کرنے کے بعد اسی طرح سے ہوا) تھا دوسری قسم یہ ہے کہ (استیلا کرنے والا خلافت کی) شرطوں کو جامع نہو (اور خلافت میں) نزاع کرنے والوں کو بذریعہ قتال اور ارتکاب فعل حرام کے (مزاحمت سے) باز رکھے یہ (قسم) جائز نہیں ہے اور اس کا کرنے والا عاصی ہے۔ لیکن اس (خلیفہ) کے بھی ان احکام کو قبول کرنا واجب ہے جو شرع کے موافق ہوں۔ اور اس کے عامل اگر زکوٰۃ وصول کرلیں تو مال کے مالکوں سے (زکوٰۃ) ساقط ہو جائے گی اور اس کے قاضیوں کا حکم نافذ ہوگا اور اس (خلیفہ) کے ساتھ (شریک ہو کر کافروں سے) جہاد کر سکتے ہیں اور (چونکہ) اس (قسم کی خلافت) کا انعقاد بوجہ ضرورت کے ہے۔ (اس لئے اس قسم کے خلیفہ کو معزول نکریں گے) کیونکہ اس کے معزول کرنے میں مسلمانوں کی جانیں تلف ہوں گی اور سخت فتنہ و فساد لازم آئے گا۔ اور دیگر) یقین کے ساتھ معلوم نہیں کہ ان مصائب

کا نتیجہ نیک ہو یا نہ ہو (بلکہ) احتمال ہے کہ (اس) پہلے (خلیفہ) سے بھی زیادہ بدتر کوئی دوسرا شخص غالب ہو جائے۔ پس ایک موہوم اور احتمالی مصلحت کے لئے ایسے فتنہ کا ارتکاب کیوں کیا جائے جس کی قباحت یقینی ہے۔ عبد الملک بن مروان اور خلفائے بنی عباس میں سے پہلے خلیفہ کی خلافت کا انعقاد اسی طرح ہوا تھا۔" ۵۱

چونکہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے زمانے میں دستوری اور جمہوری حکومتوں کا رواج نہیں تھا اس وجہ سے نا اہل رئیس مملکت اسلامی (یعنی خلیفہ) کو معزول کرنا ایک دشوار گزار مسئلہ تھا۔ اب جبکہ دستوری حکومتوں کا رواج ہے یہ بذریعہ انتخاب ہو سکتا ہے۔

شیخ فضل اللہ الاصفہانی (م ۹۲۰ھ) نے اپنی کتاب سلوک الملوک میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی طرح مندرجہ بالا چار صورتیں انعقاد خلافت کی لکھی ہیں جن میں سے اول مسلمانوں اور ارباب حل و عقد جو کہ علماء، فقہاء، رؤساء وغیرہ میں سے ہوں۔ کا اتفاق کر لینا ہے۔ ۵۲ حضرت علیؓ کی خلافت کے انعقاد پر بحث کرتے ہوئے شیخ فضل اللہ الاصفہانی نے لکھا ہے کہ "حضرت علیؓ کی خلافت مدینہ منورہ میں موجود ارباب حل و عقد کے اجماع سے منعقد ہوئی جس کو بلاد اسلامیہ کے مسلمانوں نے تسلیم کیا۔ البتہ شام اور عراق میں ایک جماعت نے بیعت نہیں کی۔ ان کی یہ مخالفت، مخالفتِ باغیانہ تھی۔" ۵۳

اس طرح اگر مسلمانوں کی اکثریت کسی شخص کی امارت پر راضی ہو جائے تو اس کی امارت کو تسلیم کرنا ہوگا اگرچہ ایک گروہ مخالف ہی کیوں نہ ہو۔

---

۵۱ ترجمہ ازالۃ الخفاء ص ۱۹-۱۴ ۔ ۵۲ سلوک الملوک ص ۴۳ ۔ ۵۳ ایضاً ص ۴۶

فقہاء اور محققین کے مندرجہ بالا خیالات کی روشنی میں یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ دینی یا اسلامی حکومت (اسٹیٹ) کی نوعیت دوسری حکومتوں سے مختلف ہے۔ اس میں رئیس مملکت کے انتخاب کے لئے تو عام مسلمانوں اور ارباب حل و عقد کی رائے کی رعایت ضروری ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ حکومت احکامات شرعیہ نافذ کرے اور قانون سازی میں شریعت کی پابند ہو اس طرح یہ مغربی طرز کی لادینی جمہوریت نہیں ہے جس میں عوام کو قوانین میں تغیر و تبدل کرنے کا پورا اختیار ہوتا ہے اور اکثریت سیاہ و سفید کی مالک بن جاتی ہے۔ اسلام میں کتاب اللہ اور سنت کو ہمیشہ بالادستی حاصل رہتی ہے جس کی اطاعت اقلیت اور اکثریت حاکم و محکوم سب کو یکساں طور پر کرنی ہوتی ہے۔ حکومت کا کوئی بھی قانون بنیادی طور پر کتاب اللہ اور سنت کے خلاف بنایا نہیں جا سکتا۔

اس لئے اسلامی طرز حکومت کو جمہوریت کے نام سے موسوم کرنا مناسب نہیں "فلسفہ اجتماعیات کے مسلمان ماہرین میں سے ابن رشد اسلامی طرز حکومت کو "امامت کبریٰ" کا نام دیتا ہے [۵۱] امام ابن مسعود کاشانی حنفی "امامت عظمیٰ" کے لفظ سے موسوم کرتے ہیں [۵۲] شیخ خلیل مصری مالکی "امامت عظمیٰ" کے نام کو ترجیح دیتے ہیں۔ امام غزالی نے امامت کے لفظ پر اکتفا کیا ہے۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے "امامت عامّہ" کو ترجیح دی ہے [۵۳]
اسلام کے قانون مدنی کی مشہور کتاب شرح المواقف میں اسلام کے طرز حکومت

---

۵۱ ہدایۃ المجتہدین لابن رشد قرطبی۔

۵۲ بدائع امام علاء الدین ابو بکر ابن مسعود کاشانی، آداب قاضی ج ص ۳

۵۳ تفسیر مظہری ج ۲ ص ۱۳۲۔

ریاست عامہ سے تعبیر کیا گیا ہے [۱] اور امام ابوالبقاء حنفی نے بھی اسی لفظ کو ترجیح دیا ہے۔ [۲]

بہرحال دینی یا اسلامی حکومت کا جو بھی نام دیا جائے اُس میں مندرجہ ذیل امور کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) رئیس مملکت (خلیفہ یا امیر یا امام یا صدر یا وزیر اعظم جو بھی عہدہ اس غرض کے لئے ہو اُس) کے انتخاب میں رائے عامہ کا دخیل ہونا۔ رائے عامہ کے دخل کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔ موجودہ دور میں یہ بذریعہ انتخاب عامہ انجام پایا جا سکتا ہے۔

(۲) قوانین شریعت کا پوری طرح نفاذ ہو۔ نیز ضرورت پڑنے پر اگر ایسے امور کے لئے قوانین وضع کئے جائیں۔ جن کی نظیر ماقبل میں موجود نہ ہو تو اُن قوانین کا استخراج شرعی اصول کے تحت ہو۔ قوانین کے وضع کرنے میں رائے عامہ دخیل نہیں ہو سکتی بلکہ اصول فقہ کو مدنظر رکھا جائے گا۔ جس میں متعینہ حدود کے اندر "اجماع" و قیاس (فقہی تعریف کو سامنے رکھتے ہوئے) کی گنجائش ہے۔

(۳) رئیس مملکت امور حکومت کو بذریعہ شوریٰ چلائے۔ شوریٰ کی تشکیل میں رائے عامہ کا پورا احترام ہو جس کا موجودہ طریقہ انتخاب ہے۔

(۴) ریاست کا مقصد نہ صرف انسانوں کی عام بھلائی ہو، اُن کی دنیوی ضروریات کی کفالت ہو۔ اُن کے لئے حلال روزی کا مہیا کرنا ہو۔ اُن کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام ہو۔ بلکہ اخروی زندگی میں بھی ان کی کامیابی پیش نظر ہو۔ ان کی روحانی تربیت کا بھی انتظام ہو اور خدا پرستی کا جذبہ ہو جس کی طرف قرآن مندرجہ ذیل الفاظ میں اشارہ کرتا ہے:۔

---

[۱] المواقف ج ۳ صـ ۳۴۵ [۲] اسلام کا نظام حکومت صـ ۳۳۶

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ○ (الحج ۴۱)

یہ ایسے لوگ ہیں جنھیں اگر ہم زمین میں اقتد[ار] عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰ[ۃ] ادا کریں گے، نیکیوں (معروف) کا حکم [دیں] گے اور برائیوں (منکر) سے منع کریں[گے]

اس طرح اسلامی ریاست (State) کو ہم ایسی ریاست (State) کہ[سکتے] ہیں جس میں اللہ کے بندوں کے ذریعہ اللہ کے بندوں کے فائدے کے لئے اللہ کی حک[ومت] ہو:- "[G]overnment of Allah by His Servants for the benefit of His servants"

اس اعتبار سے اسلامی ریاست (State) ایک منفرد حیثیت کی حامل ہے یہ [نہ] رواجی معنیٰ میں جمہوریت (Democracy) ہے، نہ ہی تھیوکریسی ([Theo]cracy) بلکہ اس کی نوعیت ایک ایسی "ریاست عامہ" یا "عوامی ریاست" کی ہے جو قوانین [الٰہی] پر قائم ہو اور جس کو انسان بحیثیت خلفاء اللہ اس کے تفویض کردہ اختیار[ات] کی بنیاد پر چلا رہے ہوں۔ موجودہ دور میں اس کو "خلافت عامہ" (Caliphatic Democracy) کے نام سے موسوم کرنا زیادہ منا[سب] ہوگا۔ اس موقع پر میں اس بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنی انگری[زی] یا اردو تحریرات میں اگر کسی جگہ "اسلامی جمہوریت" ([Is]lamic Democracy) کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس سے میرا مطلب دراصل "خلافت [عامہ]" (Caliphatic Democracy) ہی ہے۔

حسان بن ثابت رضؓ

(۸)

جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب پرواز اصلاحی بمبئی

حسانؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن ایک بلند پایہ شاعر کی حیثیت سے مشہور ہیں
[ان] میں بھی وہ تمام صلاحیتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں جو ان کے والد کے اندر تھیں برقوقی
[کہ]تے ہیں کہ عبدالرحمٰن ابھی کم سن تھے کہ بھڑ نے انھیں کاٹ لیا۔ روتے ہوئے باپ کے
[پاس] آئے۔ حسان نے پوچھا۔ کیا ہوا؟ کہا "لسعنی طائر" مجھے ایک اڑتے جانور
[نے] کاٹ کھایا۔ کہا وہ کیسا تھا؟ بولے خبر نہیں۔ پھر پوچھا کیا شکل و صورت تھی؟ بچے
[نے] بے ساختہ کہا "کانّہ ملتفٌ ببُردی حِبَرۃٍ" مجھے ایک ایسے پرندے نے
[کا]ٹ مارا ہے جو دو رنگ والی دھاری دار چادروں میں لپٹا ہوا تھا۔ حسان اچھل
[پڑ]ے اور بے ساختہ پکار اٹھے۔ بُنَیّ الشاعر ورب الکعبۃ۔ خدا کی قسم میرا لڑکا
[ش]اعر ہے۔

مشہور نقاد اصمعی کہتے ہیں کہ بادل کی تعریف میں عبدالرحمٰن بن حسان سے
[بڑھ] کر کسی عرب شاعر نے شعر نہیں کہے۔ اور سب سے بہترین ہجو کے اشعار وہ ہیں
[جو ا]نھوں نے مروان کے بھائی عبدالرحمٰن بن الحکم کے سلسلہ میں کہے ہیں [۱]
عربی اشعار کا بہترین موتی حسان کا یہ شعر مانا جاتا ہے ؎

[و]ان امراءً یُمسی ویُصبِح سالماً ۔۔۔ مِن الناس الا ما جنیٰ لسعیدٌ

---

[۱] مقدمہ شرح دیوان حسان برقوقی۔

(جس شخص نے لوگوں میں رہ کر صبح وشام سلامتی کے ساتھ گذار لی وہ بلاشبہ سعادتمند انسان ہے)

اس پر ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن نے بھی طبع آزمائی کی اور فرمایا ؎

وإن امرءاً نال الغنى ثم لم ينل صديقاً ولا ذا حاجةٍ لزهيدُ

(جس شخص نے مال دولت حاصل کرنے کے باوجود کوئی دوست نہیں حاصل کیا اور کسی حاجت مند کی حاجت روائی کی تو لوگ اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔

پھر سعید بن عبدالرحمٰن یعنی پوتے نے اس پر یوں گرہ لگائی ؎

وإن امرءاً لاحى الرجال على الغنى ولم يسأل الله الغنى لحسودُ

(جو شخص دولت مند ہونے پر دوسروں کو برا بھلا کہتا ہے مگر اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے دولت کی التجا نہیں کرتا وہ شخص حاسد محض ہے۔

حسان رضؓ کی صاحبزادی لیلیٰ بھی قادر الکلام شاعرہ تھیں۔ ان کے متعلق جو دو تین بیان کئے گئے ہیں اس میں سے یہ واقعہ خصوصیت کے ساتھ لائق ذکر ہے کہ ایک رات حسان رضؓ کی طبیعت موزوں ہوئی تو انھوں نے گنگنایا ؎

متاريك اذناب الامور اذا اعترت اخذنا الفروع واجتنينا اصولها

(دبے ہوئے امور کے چھوڑے ہوئے حصے جب کبھی ظاہر ہو جاتے ہیں تو ہم ان میں سے شاخوں کو لے لیتے ہیں اور جڑوں کو کاٹ پھینکتے ہیں۔

اس کے بعد حسان رضؓ نے دوسرا شعر کہنا چاہا تو برمحل کوئی شعر موزوں نہ ہوا۔ صاحبزادی بول اٹھیں اگر آپ کی طبیعت موزوں نہیں ہو رہی ہے تو میں اسے پورا کر دیتی ہوں۔ حسان نے کہا ہاں اگر عمدہ شعر ہو تو کہو[1]۔ لیلیٰ نے فوراً ہی کہا ؎

---

[1] مقدمہ شرح دیوان حسان برقوقی۔

...فادیل بالمعروف خرسٌ عن الخنا کرامٌ یعاطون العشیرۃ سؤلها

...شہور کہنے والے بھی کبھی گنگنانے سے معذور ہو جاتے ہیں۔ شریف لوگ خاندان
...لوگوں کے سوال پر بے دریغ بخشش کرتے ہیں)

یہ سنتا تھا کہ حسانؓ کی طبیعت پھڑک اٹھی۔ اور یوں گویا ہوئے ؎

...قافیۃ مثل السنانِ رزئتها تناولتُ من جوّ السماءِ نزولها

...م نے قافیے تو بھالوں کے مانند فراہم کیے ہیں۔ یہ ہمارے پاس آسمان سے اتر کر
...تے ہیں)

پھر صاحبزادی نے کہا ؎

...اها الذی لا ینطق الشعرَ عندهٗ ویُعجزُ عن امثالها اَن یقولها

...اسے اس کے پاس دیکھ رہا ہے جس کے پاس شعر کہنے کی قوت نہ تھی۔ وہ تو
...ں کے جیسے شعر کہنے سے عاجز ہو جاتا ہے۔)

اس کی باتیں سن کر حسانؓ نے کہا اب تم بڑی شاعرہ ہو چکی ہو۔ تمہاری
...ودگی ہیں میں کیا شعر و شاعری کروں۔؟

اس نے کہا۔ آپ کی شاعری میں تو کلام نہیں اور نہ آپ کی صلاحیتوں سے
منکر ہوں۔ جب تک آپ زندہ ہیں میں شعر کہنا نہیں چاہتی۔ ؎۱

حسان کے پوتے سعید بن عبدالرحمٰن بھی شاعر تھے ان کا شمار متوسط درجہ
...شاعروں میں ہوتا ہے وہ بنو امیہ کے خلفاء کے پاس جایا کرتے اور ان
...ح میں اشعار کہتے۔ اور انعام و صلہ پاتے۔ لیکن ان میں نہ تو ان کے والد
...ں خوبیاں تھیں اور نہ دادا ہی کی۔ ؎۲

۱؎ الشعر و الشعراء ۱/۲۶۶ ۲؎ الموشح مرزبانی ص ۶۲

حسانؓ کی زندگی عہدِ نبویؐ کے بعد

رسول اکرمؐ کا دنیا سے تشریف لے جانا حسانؓ کے لئے بڑا دلگ[illegible] سانحہ تھا۔ اس حادثۂ فاجعہ سے وہ کس قدر متاثر ہوئے ا[illegible] اندازہ ان دردانگیز اشعار سے لگایا جا سکتا ہے جو مراثی رسول کے سلسلے میں انھوں نے کہے ہیں۔ جس کی تفصیل ہم شاعری کے باب میں بیان کریں گے۔

آپؐ کے بعد وہ اپنے کو بغیر سرپرست اور مربی کے محسوس کرنے لگے۔ ذاتِ گرامی جو ان کا مرکزِ عقیدت تھی۔ جو ان کے لئے شمعِ ہدایت اور رجانِ محف[illegible] تھی وہ دنیا میں موجود نہیں رہی۔ جس کی بے پایاں عنایتوں اور الطاف کریما[illegible] سے ان کا دامنِ مراد مالا مال رہتا تھا۔ جس کے جود و نوال کے خوشہ چین اور ج[illegible] کے دریائے کرم سے وہ فیضیاب ہوا کرتے تھے۔ اس کے لئے نگاہیں ترسنے لگیں[illegible] جس کی بارگاہ میں وہ والہانہ جذبات کا اظہار کرتے تھے تو ان کو بھرپور داد مل[illegible] جس کے دامن محبت سے وابستہ ہونے کے بعد ان کا اپنے ہم چشموں میں رتب[illegible] بلند ہوا۔ اور جس سے نسبت کا شرف پاکر تمام معاصر شعرار پر ان کو فوقیت اور برتری حاصل ہوئی۔ اور ان کی حقیقی شاعرانہ صلاحیتوں کو صحیح راہ ملی۔

وہ بحیثیت شاعر کے دنیا میں اسی وقت چمکے جبکہ انھوں نے اسلام اور پیغمبر اسل[illegible] کی حمایت و نصرت کا بیڑا اٹھایا زندگی میں بہت کچھ کہا اور بڑے بڑے شاعر[illegible] معرکے سر کئے مگر عہد نبوی میں انھوں نے جو کچھ کہا وہ سب سے زیادہ شاندار[illegible] بلند پایہ، دلکش اور دلوں میں جوش ایمانی پیدا کرنے والے اشعار ہیں۔ ان میں[illegible] مقصدیت، گہرائی۔ اور خلوص و صداقت ہے۔ وہ ان کے کسی عہد کے کلا[illegible] میں نہیں ملے گی۔

عہد نبوی کے بعد ان کے جذبات کا سرد پڑجانا لازمی تھا۔ نہ وہ ماحو[illegible] ہی باقی رہا اور نہ کفار و مشرکین کی جانب سے لسانی معرکہ آرائی کا وہ دور آیا[illegible]

زیادہ تر حصہ اسلام کی آغوش میں آچکا تھا۔ وہ لوگ جو اسلام کے خلاف جذبات برانگیختہ کیا کرتے تھے۔ اسلام پر کیچڑ اچھالتے تھے۔ تقریباً سب کے سب ختم ہو چکے ے یا اسلام کے کیمپ میں آچکے تھے۔ اب اگر وہ اشعار کہتے بھی تو ان سے کون دلچسپی لیتا۔ اگر ان اشعار کو دہرایا جاتا تو ممکن تھا کہ سوئی ہوئی عصبیتیں جاگ اٹھیں ور یہ سراسر اسلامی اجتماعیت کے حق میں مضر ہوتا۔ خلفائے اسلام نے اسی بنا پر ان کے اشعار کی طرف سے سرد مہری برتی۔ بلکہ بعض اوقات اگر انھوں نے اشعار سنانا چاہا تو انھیں روک دیا گیا۔ جس شخص کی زندگی ہمیشہ اسی مشغلے میں گذری ہو اس کے لئے واقعی یہ بڑا کٹھن وقت تھا۔ وہ اگر شعر و شاعری ہی سے دست بردار ہو جاتے تو کچھ بعید نہ تھا۔ مگر اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں خاکستر میں دبی ہوئی چنگاریاں موقع پا کر بھڑک اٹھتی ہیں۔ جب کبھی خلفاء کے زمانے میں کوئی بات فکر انگیز ہوئی تو ان کے جذبات بے اختیار ہو جایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے زمانے میں جب ارتداد کی تحریک اٹھتی ہے اور مرتدین اسلام کے راستہ سے منحرف ہو رہے تھے تو وہ خلیفۂ اول کی حمایت میں کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی قوم انصار کی حمایت کا یقین دلاتے ہوئے کہہ اٹھتے ہیں ؎

ما البکر الا کالتفصیل وقد تری	ان التفصیل علیہ لیس بعارٍ
نا و ج الحجیج لبیتہ	رکبان مکۃ معشر الانصارِ
نغری جماجمکم بکل مھنّدٍ	ضرب القدار مبادی الایسارِ
حتی تکنوہ بفحل ھنیدۃ	یحمی الطروقۃ بازل ھدّارِ

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی جب وفات ہوئی ہے تو اس پر اپنے گرم آنسو بہاتے ہیں۔ جس واس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ ان کے دلی جذبات کے آئینہ دار ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

اذا تذکرت شجواً من اخی ثقۃٍ فاذکر اخاک ابا بکر بما فعلا

(جب تم کسی قابل اعتماد شخص کا تپاک سے ذکر کرو۔ تو ضرور ابوبکر کے کارناموں کی وجہ سے انھیں یاد کرنا۔)

الثانی التالی المحمود شیمتہ واول الناس طراً صدق الرسل

(وہ دوسرا پیرو تھا جس کی عادتیں قابل تعریف ہوئیں اور وہ پہلا آدمی تھا جس نے رسول کی تصدیق کی)

والثانی اثنین فی الغار المنیف وقد طاف العدو بہ اذ صعد الجبلا

(وہ بلند غار کے اندر دو میں سے دوسرا تھا۔ جبکہ دشمن نے پہاڑ پر چڑھ کر ان کے اردگرد چکر لگایا۔)

وکان حب رسول اللّٰہ قد علموا من البریۃ لم یعدل بہ رجلا

(وہ رسول اللہ کے محبوب تھے۔ لوگ جانتے ہیں کہ ان جیسا کوئی دوسرا نہ تھا)

خیر البریۃ اتقاھا وارأفھا بعد النبی واوفاھا بما حملا

(نبی کے بعد وہ تمام خلقت میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا، عادل، اور اپنے فرائض کو کما حقہٗ انجام دینے والا تھا۔)

حضرت عمر فاروقؓ کا دورِ خلافت آتا ہے تو ماحول میں اور بھی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک تو ضعیفی اور کبر سنی۔ دوسرے شعر و شاعری کے لئے حوصلہ افزائی کی اب گنجائش ہی باقی نہیں رہ گئی۔ حضرت عمرؓ نے کھلم کھلا ان پر پابندی بھی لگا دی کہ وہ ان اشعار کو ہرگز نہ مجلسوں میں دہرائیں جو انھوں نے رسول اکرمؐ کے زمانے میں ہجو گو شاعروں کے خلاف کہے تھے۔ اس لئے کہ اب ان میں سے بیشتر اسلام کے دائرہ میں آچکے ہیں۔ اگر بر سرِ عام ان اشعار کو پڑھا جائیگا تو خواہ مخواہ ان کے جذبات کو ٹھیس لگے گی۔ اور سوئی ہوئی عداوتوں کو جاگ

نے کا موقع ملے گا۔ خلافت کے کام میں خلل پڑے گا اور مسلمانوں کی اجتماعیت کا شیرازہ
تشر ہو جائے گا۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ مسجد نبوی کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ حسانؓ اپنے
عار سنا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے انھیں سختی کے ساتھ روکا۔ حسان اس موقع پر
ے نہیں بلکہ حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ ہمیں اپنے حال پر چھوڑیئے۔ خدا کی قسم اس
سجد میں بندہ اس ذات گرامی کے سامنے شعر سنایا کرتا تھا۔ جو آپ سے کہیں محترم
بر تر تھی۔ اور اس نے کبھی روک ٹوک نہیں کی تو حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ [1]

حضرت عمرؓ کا رویہ بڑا حوصلہ شکن تھا۔ اور اب ان کی شاعرانہ قدردانی کا
قریب قریب ختم تھا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ اصحاب رسول کی ایک مجلس میں
ت زبیرؓ کا گذر ہوا۔ اور حسانؓ انھیں اپنے اشعار سنانے لگے۔ لوگوں نے ان
اشعار سے کچھ دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ حضرت زبیرؓ کو لوگوں کے اس رویہ پر سخت
ت ہوئی کہنے لگے کیا بات ہے کہ آپ لوگ بادل ناخواستہ ابن الفریعہ کا کلام سن رہے
۔ حالانکہ جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں باریاب ہوا کرتے تھے تو
ے کلام کو بڑی دلچسپی اور توجہ کے ساتھ سنا جاتا تھا۔ رسول اکرمؐ ان پر اپنی نوازشات
فرماتے۔ حضرت زبیرؓ کی زبان سے یہ ستائشی کلمات سن کر حسان کے دل میں شکرو
س کے جذبات ابل پڑے اور نہایت خوشی کا اظہار کیا۔ [2]

وہ شعراء جن کی وہ پہلے ہجو کیا کرتے تھے۔ لیکن اسلام میں آنے کے بعد بھی ان کے
ں میں اس کی یاد باقی تھی۔ وہ کبھی کبھی حسان سے چھیڑنے کی غرض سے اشعار سنانے
رمائش کرتے۔ حضرت عمرؓ نے اسی لئے روکا تھا کہ کہیں گذشتہ تلخیاں پھر نہ

---

[1] آغانی ۴/۱۴۴ [2] آغانی ۴/۱۴۴

ابھر آئیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ حسان کے حریف عبداللہ بن الزبعری اور ضرار بن
الخطاب مدینہ میں آئے۔ دونوں نے حسان کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ اپنے اشعار
سنائیں اور ہمارے بھی اشعار سنیں۔ تھوڑی تفریح رہے گی۔ مجلس شعر منعقد ہوئی
پہلے ان دونوں نے اپنے اپنے اشعار سنائے۔ سننا تھا کہ حسان جوش میں آ گئے
اور پھر ایسے اشعار سنائے کہ وہ دونوں تلملا اٹھے۔ جلدی سے اٹھکر چاہا کہ مکہ چلے
جائیں۔ اور ہنوز سواری کے پاس پہونچے بھی نہ تھے کہ حسان فوراً ہی حضرت عمرؓ
کے پاس آئے اور انھیں صورت حال سے آگاہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے ان دونوں
کو واپس بلانے کا حکم دیا۔ پھر جب وہ آ گئے تو انھیں حکم دیا کہ وہ دوبارہ حسان
کے کلام کو سنیں۔ جب حسان اشعار سنا کر فارغ ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے لوگوں
سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "میں اسی لئے تمہیں اس بات سے روکتا ہوں کہ مسلمانوں
اور مشرکوں کے درمیان گزشتہ واقعات کی یاد مت دلاؤ۔ اس سے آپس میں
شکر رنجی پیدا ہوتی ہے۔ ہاں ایسا ہی ہے تو اسے قلمبند کر لو۔ اور حفاظت سے اپنے
پاس رکھ لو۔ [۱]

ایک طرف حضرت عمرؓ حسانؓ کو ان اشعار کو پڑھنے سے روکتے تھے۔ تو دوسری
طرف وہ حسان کے شاعرانہ مرتبہ کی دل سے قدر بھی کرتے تھے۔ ایسا نہیں ہے کہ ان
کی مہارت اور فنی کمال کے وہ منکر ہو گئے ہوں۔ اکثر ہجو گوئی کا کوئی قضیہ ان کی
عدالت میں پیش ہوتا تو حضرت عمرؓ باوجودیکہ شعر کے پرکھنے کی اعلیٰ درجہ کی مہارت
رکھتے تھے مگر ثالث حسانؓ ہی کو بناتے تھے وہ خوب جانتے تھے کہ یہ بہت بڑے
شاعر بھی ہیں اور ہجو گوئی کے جملہ اسالیب سے واقف ہی نہیں بلکہ اسے برتنا بھی

---

[۱] آغانی ۴/ ۱۴۰ و طبقات الشعراء ص ۲۰۳۔

انتے ہیں۔ وہ اس میدان کے ہر نشیب و فراز اور گھاٹیوں سے گذر چکے ہیں۔ فنی
اظ سے انھیں اپنے دلائل پیش کرنے کی پوری قدرت بھی ہے۔ چنانچہ جب زبرقان
حطیئہ نے ہجو کی تو وہ حضرت عمر رضہ کے پاس آکر داد خواہ ہوا۔ حضرت عمر رضہ باوجود
تنقیدی بصیرت کے یہی سمجھتے تھے کہ یہ ہجو نہیں بلکہ صرف خفگی کا اظہار ہے۔ لیکن
انھوں نے اس سلسلہ میں حسان رضہ سے رجوع کیا تو حسان نے بتایا کہ "یہ تو بڑی
تکلیف دہ ہجو ہے" حسان رضہ کے اس فیصلہ پر حضرت عمر رضہ نے حطیئہ کے قید کرنے کا حکم دیا۔[1]

اسی طرح حضرت عمر رضہ نے ان سے اس وقت بھی رائے زنی کے لئے کہا جبکہ تمیم
ابی بن مقبل شاعر کے طرفدار نجاشی شاعر کے خلاف درخواست دی گئی تو حسان رضہ
بھی بتایا کہ نجاشی نے بنی عجلان کے خلاف جو کچھ کہا ہے وہ نہایت فحش اور بیہودہ
ہے۔ چنانچہ ان کے اس فیصلہ پر نجاشی کو قید کرنے کا حکم دیا گیا۔[2]

حضرت عمر رضہ کی ناقدانہ بصیرت، اور شعر فہمی کے متعلق ابو حفص العائشی کا قول
بڑی شہرت رکھتا ہے کہ "عمر بن الخطاب رضہ لوگوں میں شعر کے سب سے بڑے مزشناس
ہے"۔ لیکن اس کے باوجود شاعرانہ جھگڑوں میں فیصلہ کے لئے حسان ہی کو بلاتے تھے۔[3]

پھر بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ حضرت عمر رضہ کی بارگاہ میں انھیں وہ مراعات اور
ب نہ حاصل ہوا جو انھیں بارگاہِ رسول میں حاصل تھا۔

حضرت عمر رضہ کی ذات سے جو تعلقِ خاطر ہونا چاہیئے تھا وہ انھیں ان کی زندگی
نہیں رہا۔ غالباً اسی وجہ سے حضرت عمر رضہ کی شہادت پر حسان کے یہاں سوائے
شعر کے کوئی مرثیہ نہیں ملتا۔[5]

۱؎ آغانی ۲/۱۸۱۔ ۳؎ العمدہ ابن رشیق ۱/۲۷ و امالی ثعلب ص ۱۸۰
۵؎ البیان والتبیین ۱/۲۳۹

وفجعنا فیروز لا درلا · بابیض یتلو المحکمات منیب

(فیروز کا ستیاناس ہو اسی نے اچانک ایسے شخص کی موت کے غم سے دوچار
جو آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرنے والا اور خدا کی طرف رجوع ہونے والا تھا

رؤوف علی الادنی . غلیظ علی العدا · اخی ثقۃٍ فی النائبات نجیب

(قریبوں پر مہربان و شفیق اور دشمنوں پر سخت و غضبناک . لڑائیوں میں قابل
ساتھی اور نہایت شریف النفس تھا .

متی ما یقل لا یکذب القول فعلہٗ · سریعٌ الی الخیرات غیر قطو

(جب کبھی کوئی بات کہتا تو عمل بھی اس کے مطابق ہوتا . نیکیوں کی طرف سبقت
والا . اور تند خوئی اس میں بالکل نہ تھی .)

البتہ خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ بن عفان سے حسانؓ بہت زیادہ مانوس
قربت محسوس کرتے تھے . اور حضرت عثمانؓ بھی ان کی ویسی ہی پاسداری کر
اس کی بڑی وجہ حسان کے بھائی اوسؓ بن ثابت اور حضرت عثمانؓ کے درمیان
مواخاۃ تھا . دورِ عثمانی میں حسان کا انحطاط تھا . عمر بھی زائد ہو چکی تھی اور
بھی مضمحل . بینائی زائل ہو چکی تھی . کانوں کی سماعت بھی کم ہو چکی تھی . اس
آفرینی اور قوتِ گویائی بھی ماند پڑ چکی تھی . نہ ان کے اشعار میں ولولے تھے
نہ تازگی . نہ زورِ بیان کا لطف تھا اور نہ طنز کا گہرا وار . عہدِ نبوی میں جو
وہ گہرا افشانیاں کیا کرتے تھے ظاہر ہے وہ بانکپن وہ کہاں سے لا سکتے تھے
ہے کہ وہ بڑی حد تک شعر و شاعری کی مجلسوں سے بھی کنارہ کش ہو چکے
کہ کسی دعوت یا تقریب میں شرکت کا اتفاق ہوتا تو بغیر سہارے یا رہنما
جا سکتے تھے . اصمعی نے نقل کیا ہے کہ جب وہ دعوت میں بلائے جاتے تو پو
تھے کہ بتاؤ کیسی دعوت ہے ؟ بچے کی ولادت کی ؟ اس کے ختنہ کی ؟ یا دعو

مرتبہ وہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ایک تقریب کے اندر بلائے گئے۔ کھانے
نظم خوانی کا دور چلا۔ لوگوں نے گانے والوں سے فرمائش کی کہ وہ انھیں کے
سنائیں جو انھوں نے آل غسان کی مدح میں کہے ہیں۔ چنانچہ گانے والوں نے
ں کی تعمیل کی اور کچھ ایسے لحن میں گنگنایا کہ حسانؓ اپنی طبیعت پر قابو نہ رکھ سکے
تیار آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ لہ

حضرت عثمانؓ کی شہادت بڑے دردناک طریقہ پر ہوئی۔ بوڑھا شاعر سراپا
ندہ میں ڈوب گیا اور اس نے حضرت عثمانؓ کا نہایت غم انگیز مرثیہ کہا ؎

باشمط عنوان السجود بہ | یقطّع اللیل تسبیحا و قرآنا

ں نے اس کچے پکے بالوں والے کی قربانی کر دی جس کی پیشانی میں سجدہ کا نشان تھا
م رات تسبیح و قرآن خوانی میں گذرتا تھا۔)

قرآن مجید میں صحابہ کی تعریف جہاں کی گئی ہے وہاں یہ فقرہ بھی کہا گیا ہے کہ "سیماھم
جوھھم من اثر السجود" حضرت عثمانؓ کے جہاں اور بہت سے اوصاف
ں یہ ان کی نمایاں خصوصیت تھی۔ اور اسی کی طرف ان کے شعر میں "عنوان السجود"
سے اشارہ کیا گیا ہے۔

یسے مرثیہ میں کہتے ہیں ؎

ن کرتہ فاضت باربعۃ | عینی بدمعٍ علی الخدین مُحتتنِ

میں انھیں یاد کرتا ہوں تو میری آنکھیں میرے دونوں رخساروں پر لگاتار چار
سو بہاتی ہیں)

بہت سے قصائد اور قطعات حضرت عثمانؓ کی شہادت پر کہہ ڈالے۔ ہر قصیدہ
دہ اور سوز و درد سے بھرا ہوا ہے۔ ان اشعار میں جہاں ان کا خلیفۂ سوم

تاریخ ابن عساکر ۴/ ۱۴۰

سے قلبی تعلق اور گہرے لگاؤ کا پتہ چلتا ہے۔ وہاں یہ دیکھکر حیرت بھی ہوتی ہے کہ بڑھاپے
میں ان کے دل کی بجھی ہوئی چنگاریاں کس طرح بھڑک اٹھی ہیں۔ شاید ہی کسی بوڑھے
شاعر نے اتنی توانائی کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار کیا ہو۔ جتنا انھوں نے مراثی عثمانؓ
میں کیا ہے۔ ان اشعار کی برجستگی اور شدت جذبات کو دیکھکر ہی مشہور مستشرق نولڈیکی
کو یہ خیال ہوا ہے کہ ان کی عمر کے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ساٹھ سال
دور جاہلیت میں گذارے اور ساٹھ سال اسلام میں۔ تو محل نظر ہے۔ اس کے خیال
میں اتنی عمر کا آدمی اتنے زوردار شعر نہیں کہہ سکتا۔ ان کی عمر یقیناً کم رہی ہوگی۔ ۵۱

ڈاکٹر شوقی ضیف تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے متعلق زیادہ تر اشعار
بنو امیہ کی کارستانیاں معلوم ہوتی ہیں۔ انھوں نے یہ اشعار اس لئے گھڑ لئے کہ لوگوں
کو یہ بتا سکیں کہ شاعر رسول بھی ان کے طرفداروں میں ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا یہ بھی
مقصد تھا کہ کسی طرح اپنے اوپر سے ان داغوں کو بھی دھو سکیں جو حسان نے زمانہ
شرک میں اپنی ہجو کے ذریعہ ان پر لگائے تھے۔ ۵۲

اس کی تائید ان باتوں سے بھی ہوتی ہے جو ابن عبد البرؒ نے اس سلسلے میں بیان
کی ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ حسان سے منسوب اشعار کا بڑا حصہ انھیں کا ہے۔ ممکن ہے
کچھ اشعار ان کے اندر بعد میں ملا دیئے گئے ہوں۔ کیونکہ اشعار میں جو درد۔ جو سوز و
تڑپ ہے وہ بناوٹی نہیں معلوم ہوتے۔ اس کے ہر شعر میں خلوص اور قلبی لگاؤ کی
کسک پائی جاتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اس وقت حسان کی عمر اسّی سے اوپر ہو چکی تھی۔ لیکن یہ کوئی ضروری
نہیں ہے کہ اس عمر میں انسانی جذبات بھی ختم ہو جائیں۔ ایک تو حضرت عثمانؓ کی ...

---

۵۱ امراء غسان صفحہ ۴۵ بحوالہ بروکلمان۔ تاریخ الادب العربی ۱/۱۵۳۔

۵۲ شوقی ضیف۔ تاریخ الادب العربی ۲/۸۱۔

درد ناک طریقہ پر ہوئی۔ دوسرے ان سے خاندانی تعلق اور لگاؤ۔ ان کے جود و کرم اور
شات، جو ان کے حال پر تھیں ان سب کا تقاضا تھا کہ وہ اپنی بیقراری کا اظہار کریں
صرف اس حادثے پر خون کے آنسو ہی نہیں بہاتے بلکہ ان کے قاتلوں پر غم و غصے کا اظہار
کرتے ہیں۔ ان کے فضائل و مناقب کے ذکر کے ساتھ اپنی قوم کو ملامت بھی کرتے جاتے
کہ وہ اس موقع پر ان کے نہ کام آئی۔ فرماتے ہیں ؎

یکتوہ مفرداً بمضیعۃٍ تنتابہ الغوغاء فی الامصار

تم لوگوں نے انھیں تن تنہا چھوڑ دیا، جہاں ٹڈیاں یعنی کمینے لوگ ان کے پاس شہر میں
لاتے رہے۔)

فان یدعو غائباً انصارہ یا ویحکم یا معشر الانصار

وس وہ تنہائی میں اپنے مددگاروں کو پکارتے رہ گئے اور اے گروہ انصار تم سے کچھ نہ ہو سکا)

و فیتم عند ھا بعھود کم وقد یتم بالسمع والابصار

تم لوگوں نے اس سے اس معاہدہ کو پورا کیا جو مواخاۃ کی بنا پر کیا گیا تھا اور تم لوگ اس کے
ہوش و حواس کے ساتھ پہونچے۔)

خلیفۂ مقتول کے قصاص کے مطالبہ میں بنو امیہ کے ہمنوا نظر آتے ہیں۔

رضیت باھل الشام نازرۃً وبالامیر وبالاخوان اخوانا

اہل شام سے ان کی مدد کی بنا پر خوش ہو گیا کہ وہ امیر کے مددگار اور بھائیوں کیساتھ بھائی ہیں

لیلنھم وان غابوا وان شھدوا حتی الممات وما سمیت حسانا

چہ وہ غائب ہوں یا حاضر جب تک کہ میرا نام حسان ہے میں بھی موت تک انھیں میں سے ہوں)

اس کے علاوہ ہمیں کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جس کی بنا پر کہا جا سکے کہ انھوں نے
ت علی رض کی ذات پر کوئی الزام لگایا ہو اور حضرت عثمان کے قتل میں ان کو شریک گردانا ہو۔

العقد الفرید ۴/۲۹۶۔

البتہ ابوالفرج نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ کی بیعت لی جارہی تھی تو اس وقت حسانؓ کعبؓ بن مالک اور نعمان بن بشیرؓ کے متعلق لوگوں کو پتہ چلا کہ یہ لوگ عثمانی ہیں۔ وہ بنو ہاشم کے مقابلے میں بنو امیہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور انکا کہنا ہے کہ شام کی حکومت مدینہ کی حکومت سے بہتر ہے انکے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ حضرت علیؓ کے پاس آکر حضرت عثمانؓ کے قتل کے قصاص پر لڑے جھگڑے۔ اس پر حضرت علیؓ نے ان سے کہا کہ وہ یہاں سے چلے جائیں اور اس شہر میں انکا قیام کرنا مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ اسکے بعد ہی وہ لوگ وہاں سے نکل کر حضرت معاویہؓ کے پاس چلے آئے حضرت معاویہؓ نے حسان کو جاگیر عطا کی، حضرت کعبؓ بن مالک کو ایک ہزار دینار مرحمت کئے۔ اور حضرت نعمانؓ بن بشیر کو حمص کا حاکم بنا دیا [1]

اسی روایت سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ اس وقت ان تینوں اصحاب نے حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی لیکن دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں نے حضرت علیؓ سے بیعت کرلی تھی۔ اس موقع پر حضرت کعبؓ نے حضرت علی رضؓ سے فرمایا۔ امیرالمومنین معتوب گنہ گار نہیں ہوا کرتا۔ وہ نافرمانی بڑی اچھی ہے جس کے لئے معقول عذر ہو [2]

لیکن اس کے باوجود قتل عثمانؓ کے سلسلہ میں حسانؓ کی طبیعت میں حضرت علیؓ کی جانب سے یک گونہ انحراف پیدا ہوگیا تھا۔ اور ان کا دلی جھکاؤ حضرت معاویہؓ ہی کی جانب رہا۔ اس کی تصدیق اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو طبری نے قیس بن سعدؓ بن عبادہ سے نقل کیا ہے۔ جب حضرت علیؓ نے انھیں صوبہ مصر کی گورنری سے ۳۶ھ میں معزول کیا تو انھیں بڑا رنج ہوا۔ اور وہ مدینہ چلے آئے۔ حسانؓ کو معلوم ہوا تو ان کے پاس آئے۔ اور طنز کے لہجہ میں ان سے کہا کہ تمہیں علیؓ بن ابی طالب نے اس لئے معزول کیا ہے کہ تم جیسے حضرت عثمانؓ کے قاتل ہو۔ کس قدر زیادتی ہے! اس پر قیس نے کہا۔ خاموش رہو۔ نگاہ کے ساتھ تمہارا دل بھی اندھا ہوگیا ہے۔ اگر میرے اور

[1] اغانی ۱۶/۲۳۳۔ [2] مسعودی مروج الذہب ۲/۳۶۲

تمہارے قبیلہ کے درمیان جنگ کا خطرہ نہ ہوتا تو میں تمہاری گردن مار دیتا۔ [۱]

حضرت علی رض کی شہادت کے بعد حضرت حسان رض کی یہی رائے ہو گئی تھی کہ اب پورے عالم اسلام کی باگ ڈور حضرت معاویہ رض کے ہاتھ میں ہونی چاہئے۔ اس سلسلے میں وہ اپنی قوم انصار کے خلاف ہی رجحان رکھتے تھے۔ حضرت عثمان رض و علی رض کی نزاع کے سلسلہ میں عام طور سے انصار معاویہ رض کے مخالف تھے۔ جنگ صفین کے موقع پر انصار کے اندر صرف نعمان رض بن بشیر ان کے ہمنوا تھے۔ باقی تمام انصار حضرت علی رض کے ساتھ تھے۔ اسی بنا پر حضرت معاویہ رض حضرت حسان رض پر بہت مہربان تھے۔ ان کی ضعیفی کا لحاظ کرتے ہوئے انکی مدد کرتے۔ خصوصی مراعات رکھتے۔

بصارت سے محرومی عمر کے آخری حصے میں کمزوری اور ضعیفی کے ساتھ ان کی آنکھوں کی بصارت بھی ختم ہو گئی تھی۔ ان کے دو شعروں میں ان کے نابینا ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ [۲]

إنْ يأخذِ اللهُ مِن عينيَّ نورَهما		ففي لساني وقلبي منهما نورُ

(اگر اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں سے اس کی روشنی لے لی ہے تو کوئی غم نہیں۔ میری زبان اور میرے دل میں تو روشنی ختم نہیں ہوئی۔)

قلبٌ ذكيٌّ وعقلٌ غيرُ ذي دَخَلٍ		وفي فمي صارمٌ كالسيفِ مأثورُ

(دل بیدار اور غیر معمولی عقل کا مالک ہوں۔ میرے دہن میں ایسی شمشیر برّاں ہے جس کا وار خالی نہیں جاتا۔)

صحابہ کرام میں تقریباً تیئس اشخاص ایسے گذرے ہیں جن کی بصارت زائل ہو گئی تھی ان کے نام ابن جوزی رح نے اپنی کتاب "تلقیح فہوم اھل الاثر" میں حسب ذیل گنائے ہیں۔

---

[۱] طبری ۴/ ۵۵۵۔

(۱) براءؓ ابن عازب۔ (۲) جابرؓ بن عبداللہ۔ (۳) حکم بن ابی العاصؓ۔ (۴) سعد بن ابی وقاصؓ۔ (۵) سعیدؓ بن یربوع۔ (۶) صخر بن حرب ابوسفیان۔ (۷) العباسؓ بن عبدالمطلب (۸) عبداللہؓ بن ارقم (۹) عبداللہ بن عمرؓ۔ (۱۰) عبداللہ بن عباس۔ (۱۱) عبداللہ بن ع... (۱۲) عبداللہ بن ابی ادنیٰ۔ (۱۳) عتبان بن مالک۔ (۱۴) عتبہ بن مسعودؓ الہذلی۔ (۱۵) عثمانؓ بن عامر۔ (۱۶) ابوقحافہؓ۔ (۱۷) عقیلؓ بن ابی طالب۔ (۱۸) عمرو بن مکتومؓ (۱۹) قتادہؓ بن نعمان۔ (۲۰) کعبؓ بن مالک۔ (۲۱) مالکؓ بن ربیعہ (۲۲) ابواسید ال... (۲۳) مخرمہؓ بن نوفل۔ [1]

وفات حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے دورِ خلافت میں داستانِ حسانؓ ... سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے۔ سنِ وفات کے تعین میں روائتیں مختلف ہیں۔ بعض لوگ سنہ۴۰ھ بتلاتے ہیں۔ بعض میں سنہ۵۰ھ اور بعض میں سنہ۵۴ھ بتایا گیا ہے ... آخری روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بعد سے ان کے اشعار بھی نہیں ... ایک سو بیس برس کی عمر پائی۔

سنہ۵۴ھ میں وفات پانے والوں میں حکیمؓ بن حزام۔ حویطبؓ بن عبدالعز... سعید بن یربوع المخزومی بھی ہیں اور ان سب کے متعلق یہی کہا جاتا ہے کہ انھوں ... ایک سو بیس برس کی عمریں پائیں علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ حسان کے والد، دادا کی ... اتنی ہی عمر تھی۔ [2]

کلامِ حسان کی تدوین حسان کے کلام کی شہرت عہد نبوی اور عہد صحابہ ہی میں پھیل چکی تھ... اس لئے جب احادیث وسیر کی کتابیں مدون ہوئیں تو خاص خاص غزوات کے موقع پر کہے گئے کلام کو ان میں نقل کیا گیا۔ اسلامی دور کی بہ نسبت آ...

---

[1] نکت الہمیان فی نکت العمیان صلاح الدین خلیل بن ایبک۔ [2] نکت الہمیان ص ۱۳۸

ن دور کے کلام کو بہت کم محفوظ رکھا گیا۔ حالانکہ جتنا زمانہ ان کا اسلام کے
ر گذرا اسی قدر جاہلیت میں بھی، اس لئے گمان غالب ہے کہ ان کے جاہلی دور
ا حصہ ضائع ہو گیا۔ اس دور کے کلام میں سے کچھ حصہ تو وہ ملتا ہے جو آل غسان
مدح پر مشتمل ہے اور کچھ وہ ہے جو انھوں نے قبیلۂ اوس کے شعراء کے مقابلے میں
ہیں۔

اسلامی دور کے کلام کی تاریخی اہمیت تھی اس لئے محفوظ کرنے کا خاص اہتمام کیا گیا
بھی ان کے اسلامی دور کے جتنے اشعار بتلائے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق بھی قطعی
سے نہیں کہا جا سکتا کہ سب کا سب انھیں کا ہے۔ اس میں بہت کچھ دوسروں نے
ضافہ کر دیئے ہیں۔ چنانچہ بعض قدیم نقادوں نے اس کی نشاندہی بھی کی ہے۔ ابن
م کہتے ہیں کہ جس قدر غلط انتسابات ان کی طرف کئے گئے ہیں شاید ہی اتنا کسی
رف کیا گیا ہو۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ قریش کے خلاف کوئی بات کہنی ہوتی یا
بدنام کرنا مقصود ہوتا تو ایسے اشعار گڑھ لئے جاتے تھے۔ اور کہا جاتا تھا کہ
و حسان رضؓ نے یوں کہا ہے۔ انصاری شاعر کا نام ان پر طعنہ زنی کے لئے استعمال
اتا۔ اور یہ حربہ لبا اوقات بڑا کارگر ثابت ہوتا۔ [1]

حسان رضؓ کے ایسے اشعار جو ان کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ زیادہ تر انھیں
ات سے تعلق رکھتے ہیں جو عہد نبوی میں پیش آئے۔ سیرت ابن ہشام میں تقریباً
قصیدے غزوۂ بدر کے سلسلے میں ہیں۔ جب ابن ہشام نے اپنی سیرت میں ان
یتوں پر غور کیا جو ابن اسحٰق سے روایت کردہ ہیں تو ان پر انھوں نے ناقدانہ
الی۔ بعض کو تو انھوں نے تسلیم کیا اور بعض کی صحت میں انھیں شبہ ہوا تو
ن کے متعلق اظہار خیال بھی کر دیا ہے۔ چنانچہ ان قصیدوں کے نقل کرنے کے بعد آخر میں

---

[1] طبقات الشعراء صد ۱۲۹

وہ لکھ دیتے ہیں ,, اکثر علماء شعر کو حسان کے ان اشعار سے انکار ہے ،، کہیں لکھتے ہیں ,, بعض علماء شعر ان اشعار کا انتساب حسان بن ثابت سے درست نہیں سمجھتے ۔،،

اس کے علاوہ حسان کے اشعار وضع کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عہد عثمانی کے بعد جو سیاسی جھگڑے رونما ہوئے ان میں حسان امویوں کے ساتھ تھے ۔ ایک گروہ نے اس سے فائدہ اٹھا کر ان کی طرف کچھ ایسے اشعار منسوب کر دیئے جن سے ان کے موقف کی تائید ہوتی تھی ۔ چنانچہ اسی بناء پر ان مراثی کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے ۔ جو انھوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت پر کہے ۔ کہ ان میں بھی کہیں کہیں اضافہ کیا گیا ہے ۔ ابن عبد البر نے ,, استیعاب ،، میں اس جانب توجہ دلائی اور بتایا ہے کہ ان میں اہل شام کے بہت سے الحاقی اشعار ہیں ۔ [1]

حسان کے دیوان میں کہیں کہیں دوسرے انصاری شعراء کے کلام بھی گڈ مڈ ہیں ۔ ان کے والد ثابت کے اشعار بھی انھیں سے منسوب کر دیئے گئے ہیں اور کہیں ان کے صاحبزادے عبد الرحمٰن کے اشعار کو بھی انھیں کا بتایا گیا ہے اختلاط کی میں تین شعر مُزینہ کی ہجو میں دیوان حسان کے اندر پائے جاتے ہیں ۔ نجاشی کے خاندان کی ہجو میں جو اشعار ابو سعید السکری حسان کے بتلاتے ہیں ۔ زمخشری اور سیرافی نے اس کے بعض اشعار خداش بن زہیر کے اس قصیدے کے بتائے ہیں جس میں اس نے بنی تمیم کے کچھ لوگوں سے خطاب کیا ہے ۔ [2]

سیرت ابن ہشام میں بھی بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی کہ حسان کے اشعار انصار کے بعض دوسرے شعراء کے کلام کے ساتھ گڈ مڈ ہو گئے ہیں ۔ [3]

صاحب استیعاب لکھتے ہیں کہ ,, اصمعی نے کہا کہ حسان بڑے زبردست شاعر الوحاتم نے کہا کہ بعض شعر تو ان کے بہت کمزور ہیں ۔ اصمعی نے جواب دیا کہ بہت

---

[1] استیعاب ۳/۱۰۴۹ ۔ [2] خزانۃ الادب بغدادی ۴/۵۷ ۔ [3] ملاحظہ ہو ۲/۲ ۲/۲۳۱-۲/۲۶۹

...عر تو خود ان کے نہیں ہیں بلکہ غلط طور سے ان کی جانب منسوب کر دیئے گئے ہیں۔[۱]

بہرحال کلام حسان کی روایت کی جانب شعر کے مشہور راویوں میں سے جن لوگوں ... توجہ کی ان میں ایک تو ابوالحسن علی بن المغیرۃ الاثرم متوفی ۲۳۲ھ[۲] ہیں جو اصمعی اور ... عبیدہ کے شاگرد ہیں اور دوسرے محمد بن حبیب[۳] متوفی ۲۴۵ھ ہیں۔ ابوسعید السکری ... ان کو جمع کیا اور ان کی تشریح کی۔ چنانچہ رجال کی مشہور کتاب الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ ... جابجا ان کے حوالے موجود ہیں۔[۴]

کتابی صورت میں حسان کا دیوان پہلی بار مطبع محمدی[۵] بمبئی سے ۱۲۸۱ھ میں شائع ... ہوا۔ پھر ہندوستان کے مشہور عربی ادیب مولانا فیض الحسن سہارنپوری نے ... دیوان حسان کو مرتب کیا جو ۱۲۹۵ھ میں لاہور سے شائع ہوا۔ لیکن انسائیکلوپیڈیا ... برٹانیکا کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ ۱۸۶۲ء میں بمبئی اور ٹیونس دونوں جگہوں سے ... شائع ہوا۔ اور پھر ۱۸۷۸ء میں لاہور سے اس کی اشاعت ہوئی۔[۶]

مغربی محققین میں حسان کی شخصیت اور شاعری پر سب سے پہلے ایچ ہرشفیلڈ ... (H. Hirschfeld) نے توجہ کی۔ ۱۸۹۲ء میں اس نے دیوان حسان پر ... اورینٹل کانگریس لندن میں ایک مقالہ پڑھا۔ اور پھر نہایت تلاش و تحقیق کے بعد ... دیوان کا نہایت شاندار نسخہ مرتب کیا۔ لندن، برلن، پیرس۔ اور سینٹ پیٹرس برگ کے

---

[۱] استیعاب ۱/۱۳۰۔ [۲] ان کے حالات کے لئے دیکھئے الفہرست ابن الندیم ص ۸۳ معجم الادباء یاقوت حموی ۲۲/۱۰۔ [۳] ان کے حالات کے لئے دیکھئے الفہرست ابن الندیم ص ۵۵ و معجم الادباء ۱۸/۱۲۲ [۴] اصابہ ۳/۱۹۶۸۔

[۵] مطبع محمدی سے چھپا ہوا نسخہ کتب خانہ محمدیہ جامع مسجد بمبئی میں موجود ہے۔

[۶] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۱۱/۲۴۳۔

متعدد مطبوعہ اور قلمی نسخوں سے مقابلہ کیا۔ اور پھر لیڈن اور لندن سے اسے شائع
ہرشفیلڈ کا یہ نسخہ ابوسعید سیرافی اور ابوالحسن محمد بن العباس کی روایتوں پر مبنی
ہے۔ اور ان دونوں کا دارومدار محمد بن حبیب کی روایت پر ہے۔ یہ نسخہ ان تمام
نسخوں سے بہتر ہے جو اس کے پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ انھوں نے اشعار کی چھان بین
اور صحت پر پوری پوری توجہ کی ہے۔ اس دیوان پر ہرشفیلڈ نے جو مقدمہ لکھا ہے
بڑا اہم ہے۔ اس میں خصوصیت کے ساتھ قرآن کریم کی آیتوں سے مستنبط مضامین
اور اس کے اسلوب کی مطابقت بھی دکھائی ہے۔

ان کے علاوہ دیوان حسان قاہرہ سے ۱۳۲۱ھ میں شائع ہوا۔ اور پھر ۱۹۰۴ء
میں محمد شکری مکی کی شرح کے ساتھ چھپا۔ اس کے بعد دیوان حسان پر شرح و حواشی
کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہندوستان میں دیوانِ حسان کی ایک جامع شرح شیخ
محمد بن یوسف گجراتی نے بھی لکھی ہے لیکن اب دستیاب نہیں ہوتی۔ ان کے بعد
شام، بیروت، اور دوسری جگہوں سے دیوان حسان کے متعدد نسخے چھپے اور
اب بھی چھپتے جا رہے ہیں۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ مقبولیت عبدالرحمٰن البرقوقی
کی شرح دیوان حسان کو حاصل ہوئی۔ یہ شرح بڑی محققانہ اور عالمانہ ہے۔ لغوی
اور تاریخی تحقیق کے ساتھ دیگر عرب شعراء کے کلام سے جگہ جگہ تقابل بھی کیا گیا۔
اشعار کی تصحیح میں پوری پوری کوشش کی گئی ہے۔ حواشی میں جا بجا اس کے متعلق
اظہارِ خیال بھی کرتے جاتے ہیں۔ برقوقی کے مرتب کردہ نسخے میں وہ کاوش نہیں
کی گئی ہے۔ جو ہرشفیلڈ کے نسخے میں ہے پھر بھی اس میں کچھ قصیدے ایسے بھی ہیں
جو لیڈن والے نسخے میں نہیں ہیں۔ اس شرح کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۶ء میں قاہرہ
شائع ہوا لیکن ۱۹۶۶ء میں اس کا جو ایڈیشن بیروت میں چھپا ہوا ہے وہ صوری
اور معنوی دونوں لحاظ سے بہتر ہے۔ اس میں بہت کچھ ترمیم و اضافے بھی کیے گئے ہیں

قاہرہ سے شائع ہونے والی شرحوں میں محمد العانی کی شرح کو اولیت کا درجہ
حاصل ہے۔ یہ پہلی مرتبہ ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی تھی اور یہی شرح برقوقی کے لئے
مشعل راہ بنی۔ کلام حسان کی تدوین کا کام ختم نہیں ہوا۔ اس پر جس قدر مزید
تحقیق ہوگی نئے نئے گوشے سامنے آتے جائیں گے۔

اس سلسلے میں محققین نے دیوان حسان کے ایک نہایت نادر نسخے کا بھی پتہ
لگایا ہے۔ یہ نادر نسخہ احمد سوم کے کتب خانہ توپ کاپی سرائے قسطنطنیہ میں ہے
اور اس کا سلسلہ نمبر ۲۵۳۴ ہے۔ اب یہ نسخہ جامعہ دول العربیہ کے شعبہ مخطوطات
کی زیب و زینت ہے اس قلمی نسخہ کے متعلق خاص بات یہ کہی جاتی ہے کہ یہ اثرم اور محمد بن
حبیب دونوں کی روایتوں کا مجموعہ ہے۔ کاتب نے اسے اس نسخہ سے نقل کیا ہے جو
تیسری صدی ہجری میں علماء کے سامنے پڑھا گیا تھا۔ اس کی ایک خصوصیت
یہ بھی ہے کہ اس میں حسان کے حریف شاعر قیس بن الحطیم کا کلام بھی ساتھ ساتھ
آگیا ہے۔ مصر کے مشہور محقق ڈاکٹر ناصر الدین الاسد نے اسی کی مدد سے قیس
بن الحطیم کا دیوان ایڈٹ کیا ہے۔ اور تصحیح و تحشیہ کے ساتھ دنیا کے سامنے پہلی
بار پیش کیا ہے۔ اس مخطوطہ کی اہمیت اس لئے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس پر جو شرح
حواشی ہیں وہ کسی دوسرے نسخے میں نہیں پائے جاتے۔ مخطوطات کے ادارہ نے
فہرست مخطوطات مرتب کی ہے۔ اس کے متعلق جملہ تفصیلات اس کی جلد اول
ص ۴۵ و ص ۴۶۵ پر درج ہیں۔ ختم شد

ادارہ کے قواعد ضوابط:

اور فہرست کتب مفت طلب فرمائیے

جنرل منیجر مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

سفرنامۂ پاکستان

اسلام آباد میں

(۱۳)

سعید احمد اکبرآبادی

اسلام آباد پہونچا تو ایرپورٹ پر پروفیسر سعید الدین ڈار موجود تھے، باہر نکل
وہ ٹیکسی کرنے لگے تو مجھے تعجب سا ہوا۔ وہ فوراً سمجھ گئے اور بولے: میری جاپانی کا
جو بالکل نئی تھی ابھی پرسوں چوری ہو گئی ہے۔ اور وہ بھی کہیں سڑک پر یا بازار میں
نہیں بلکہ شب میں میرے گیراج میں سے جو حسب معمول مقفل تھا۔ معلوم ہوا یہاں
کی چوری ایک عام بات ہے سرحد قریب ہے۔ چور کار لیکر قبائل آزاد میں گھس جاتے
ہیں اور ہاتھ نہیں آتے، پلیٹ کا نمبر بدل کر افغانستان میں اسمگل کر دیتے ہیں۔
بہر حال ٹیکسی میں پروفیسر سعید الدین ڈار کے بنگلہ پر آیا۔

پروفیسر سعید الدین ڈار موصوف سے میرے عزیزانہ تعلقات ہیں وہ اور میاں اسلم دونوں
جماعت اور ایک دوسرے کے بہت گہرے دوست رہے ہیں۔ دو
نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایک ساتھ ہی ایم۔ اے کیا تھا۔ مضمون بھی یعنی تاریخ
دونوں کا ایک ہی تھا اور غالباً ڈویژن بھی ایک۔ اس کے بعد اسلم انگلینڈ چلے گئے
ڈار صاحب پاکستان کی سول سروسز کے مقابلہ کے امتحان میں بیٹھے اور کامیاب ہو
جب ۶۹ءمیں میں اسلام آباد آیا تھا تو اس وقت یہ وزارت خارجہ میں جوائنٹ
سکریٹری یا ڈپٹی سکریٹری تھے اور ایک فلیٹ میں رہتے تھے اور میں ان کے ساتھ ا

ٹ میں ایک ہفتہ ٹھہرا تھا موصوف اون لوگوں میں سے ہیں۔ جن کو قوم کے
(IDEAL PERSONS) یعنی مثالی اشخاص و افراد کہنا چاہیئے۔ نہایت لائق
بل اور فاضل، بے حد ذہین، سنجیدہ، متین اور پھر عقیدہ و عمل کے اعتبار سے
ے پکے اور سچے مسلمان، نماز روزہ اور روزانہ تلاوت کلام مجید کے پابند، یہاں
ں کہ باقاعدہ شرعی ڈاڑھی بھی جو پاکستان کے اعلیٰ افسروں میں خال خال ہی نظر
ے گی، اپنے خاص فن کے علاوہ اسلامیات کا بھی بڑا اچھا مطالعہ رکھتے ہیں۔
ں بڑی جچی تلی کہتے اور الفاظ ناپ تول کر ادا کرتے ہیں۔
پہلے جب آیا تھا تو یہ مجرد تھے اور ایک ملازم کے ساتھ تنہا رہتے تھے۔ میں نے
س وقت اون سے کہا تھا کہ آپ جوان صالح اور راسخ العقیدہ مسلمان ہیں اس
تعجب ہے کہ آپ نے اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد النکاح
ن سنتی" پر عمل نہیں کیا۔ بولے: میرا نکاح عنقریب ہونے والا ہے۔ آپ دوبارہ
سلام آباد آئیں گے تو میرا گھر آباد دیکھیں گے۔ اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ پہلے وہ
ک فلیٹ میں رہتے تھے اب ایک شاندار دومنزلہ بنگلہ میں رہتے ہیں اور صاحب
ل و عیال ہیں۔ اللہ نے انھیں دلہن بھی ایسی دی ہے کہ باید و شاید، سیرت اور صورت
نوں میں انتخاب، نہایت مہذب شستہ اور شائستہ، اسلام کی دلدادہ و فریفتہ
ہوں امریکہ میں رہنے اور وہاں کولمبیا یونیورسٹی سے سائیکولوجی میں ایم۔ اے
نے کے باوجود طور طریق اور عادات و خصائل سب مشرقی ہیں، اردو بڑی شگفتہ
ر نستعلیق بولتی ہیں گفتگو سنجیدگی اور متانت سے کرتی ہیں۔ میری ان کی یہ دید
قات پہلی تھی۔ مگر وہ اس طرح پیش آئیں کہ گویا میں انہیں کے خاندان کا کوئی
رگ ہوں۔
علاوہ ازیں ڈار صاحب پہلے وزارت خارجہ میں تھے، لیکن اب انھوں نے

خدمات اسلام آباد یونیورسٹی کی طرف منتقل کرالی ہیں جہاں وہ بین الاقوامی روابط
کے پروفیسر اور صدر شعبہ ہیں۔

اسلام آباد یونیورسٹی میں | صبح یعنی ۲۵ مارچ کو ناشتہ سے فارغ ہو کر مولانا کوثر نیازی کو فون
کیا۔ اون سے ملاقات ضروری تھی کیونکہ آپ کو یاد ہوگا۔ پشاور سے
کراچی جاتے ہوئے ہوائی جہاز میں جاتے ہوئے انھوں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا
کہ ہندوستان کے لئے روانگی سے پہلے میں اسلام آباد آؤں گا اور ان سے ملوں
لیکن معلوم ہوا کہ امام حرم کعبہ وطن واپس جارہے ہیں اور مولانا اون کو الوداع
کہنے کراچی گئے ہیں۔ کل واپس آجائیں گے اس لئے میں نے پروفیسر ڈار کے ساتھ
اسلام آباد یونیورسٹی جانے کا پروگرام بنا لیا۔ ہم ہندوستانیوں کے ساتھ
ایک ہیچ یہ بھی ہے (جیسا کہ پاکستانیوں کے ساتھ ہندوستان میں ہے) کہ جس شہر
میں جایئے فوراً پولس میں رپورٹ کیجئے کہ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ یہاں کس جگہ
مقیم ہیں اور کب تک قیام کریں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس پابندی کی وجہ سے مجھ کو
بڑی ذہنی اذیت اور کوفت ہوتی سیرت کانفرنس کے تمام مندوبین میں صرف ہندوستان
کے مندوبین کے لئے یہ قانون تھا اس سے بڑی ذلت کا احساس ہوتا تھا۔ لیکن
کیا کیجئے "ایسے کو تیسا" (Tit for tat) یا "دنّاهم كما دانوا" کا مصداق
ہے اسی لئے انگیز کرنا ہوتا تھا۔ اور قانون کی پابندی میری فطرت میں ہے، اس
لئے میں نے کبھی اس میں تساہل نہیں برتا۔ چنانچہ سب سے پہلے کام یہی کیا کہ ڈار
صاحب نے پولس ہڈکوارٹر میں رپورٹ درج کرائی، پھر واپسی کے لئے ہوائی جہاز
کے بکنگ آفس میں رزرویشن کرایا اور یہاں سے فارغ ہو کر ٹیکسی سے ہم دونوں
یونیورسٹی پہونچے۔

یونیورسٹی دیکھکر جی خوش ہوگیا۔ نہایت شاندار اور خوبصورت عمارت

کراچی اور لاہور کی یونیورسٹیوں کی طرح زیادہ پھیلی ہوئی اور وسیع نہیں ہے
ے یہاں جواہر لال نہرو یونیورسٹی کی طرح اس کا مقصد بعض خاص خاص
مین میں تخصص کرنا ہے ادھر ادھر پہاڑیوں کے منظر نے اس میں اور لطف پیدا
یا ہے۔ پوری عمارت سنگ سرخ کی اور مغل طرز تعمیر کا نمونہ ہے۔ یونیورسٹی
داخل ہو کر ہم سیدھے پروفیسر سعید الدین ڈار کے کمرے میں جو ان کا آفس ہے
۔ انھوں نے کافی منگوائی ابھی ہم اس کا شغل کر ہی رہے تھے کہ ایک محترمہ
میں داخل ہوئیں اور بے تکلفی سے ایک کرسی پر بیٹھ گئیں ڈار صاحب نے
ن کا تعارف کرایا تو معلوم ہوا کہ ان کا نام عاصمہ رشید ہے اور یونیورسٹی میں
یکل سائنس کے شعبہ کی صدر اور (غالباً) پروفیسر بھی ہیں۔ ڈار صاحب نے
ن سے جب میرا تعارف کرایا تو انھوں نے اس طرح سنا کہ گویا پہلے سے تھوڑی
ت واقف ہیں، انھوں نے اس ملاقات پر اظہار مسرت کیا اور ڈار صاحب
کہنے لگیں۔ یہ بڑا اچھا موقع ہے، طلبا اور طالبات سب جمع ہیں۔ اکبر آبادی
حب کی تقریر کا اعلان کیئے دیتی ہوں۔ میں نے گھڑی دیکھی تو بارہ بج چکے
اور میں ہرگز تقریر کرنے کے موڈ میں نہیں تھا اس لئے میں نے ڈار صاحب
رف اس انداز سے دیکھا کہ وہ میرا مطلب سمجھ گئے اور انھوں نے آنمحترمہ سے
ی طرف سے معذرت کر دی اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد ڈار صاحب
ن کے کمرہ میں چھوڑ کر میں یونیورسٹی کی لائبریری دیکھنے چلا گیا۔ ایک گھنٹہ وہاں
اپنے ذوق کی چند کتابیں دیکھیں لائبریری کچھ زیادہ بڑی نہیں ہے۔ ابھی
دائی مرحلہ میں ہے۔ البتہ یونیورسٹی میں جن مضامین کی خصوصی تعلیم ہوتی
ادن پر قدیم و جدید کتابوں کا بڑا اچھا ذخیرہ ہے۔ ڈیڑھ دو بجے کے قریب
اپس جانے کے لئے ٹیکسی کے پاس آئے تو طلبا اور طالبات کا ایک خاصہ

مجمع باہر کھڑا ہوا تھا۔ انھوں نے ڈار صاحب کو سلام کیا اور پھر دہی تقریر کی فرمائش
ڈار صاحب نے خوش اسلوبی سے معذرت کردی۔ گھر پہونچ کر کھانا کھایا۔ نماز پڑھی
حسب عادت قیلولہ کیا، ہوتے ہوتے شام ہوگئی، ڈار صاحب کی کار جہاں جا چکی
ٹیکسی آسانی سے اور ہر وقت اور ہر جگہ ملتی نہیں۔ اس لئے اگرچہ اسلام آباد میں
کئی دوست بھی ہیں اور شاگرد بھی مگر کہیں نہیں جاسکا۔ گھر پر ہی سارا وقت گذ

مولانا کوثر نیازی سے الواعی ملاقات

دوسرے دن صبح کو ٹیلیفون کیا تو معلوم ہوا کہ ہاں مولانا
بجے کے قریب کراچی سے واپس آرہے ہیں۔ آتے ہی او
میری آمد کی اطلاع کردیجائے گی اور جو وہ فرمائیں گے اوس سے مطلع کرد
چنانچہ گیارہ بجے کے قریب مولانا کا فون آیا کہ آج نیشنل اسمبلی کا اجلاس
صبح کے سیشن میں اون کی شرکت اس لئے ضروری ہے کہ اون کی وزارت
متعلق چند امور و مسائل زیر بحث آرہے ہیں۔ البتہ سہ پہر کے اجلاس میں
ملاقات کے لئے شریک نہیں ہوں گے۔ اور چار بجے کا وقت ملاقات کے
مقرر ہوگیا۔

ٹیکسی ملنے میں ذرا دقت ہوئی مگر خیر، ٹھیک وقت پر پہونچ گیا۔ کوٹھی
سب کچھ تھا جو ایک وزیر کی رہائش گاہ پر ہونا چاہئے، مولانا میرا انتظار کر
تھے۔ جونہی اطلاع ہوئی فوراً شلوار اور قمیص میں باہر نکل آئے، بڑے تپاک
ملے اور از راہ بے تکلفی اور غالباً میرے مذاق کی رعایت سے بھی ڈرائنگ رو
بجائے میرا ہاتھ پکڑے ہوئے اپنی لائبریری میں آکر بیٹھ گئے، میں نے لائبریری پر
ڈالی تو دیکھا کہ ایک وسیع کمرہ تھا جو اوپر نیچے، ادھر اُدھر کتابوں سے پٹا پڑا تھا
کتابیں ترتیب سے مضمون وار رکھی ہوئی تھیں۔ دروازہ کے قریب ایک بڑ
میز لکھنے پڑھنے کے لئے مع چند عدد کرسیوں کے رکھی ہوئی تھی۔ اور ہم دونو

تھے، میں نے پوچھا: مولانا آپ برہان تو از راہ قدردانی پابندی سے پڑھتے رہے
ر اسے عزیز بھی رکھتے ہیں، لیکن آپ نے میری کوئی کتاب بھی ملاحظہ فرمائی ہے
نے تپاک سے لائبریری کے ایک خاص گوشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
: کیوں نہیں! یہ دیکھئے آپ کی سب تصنیفات وہ رکھی ہوئی ہیں، اور صرف
نہیں بلکہ ندوۃ المصنفین کی، پھر فرمایا: آپ کی سب کتابیں مجھے پسند ہیں
صدیق اکبر تو میرے نزدیک تاریخ اسلام میں اپنی نظیر آپ ہے، اسے میں
تبہ پڑھ چکا ہوں، سبحان اللہ! کیسی عجیب کتاب لکھی ہے۔ آپ نے۔ حضرت حق تعالیٰ
اس کا اجر عطا فرمائیں، اس کے بعد مولانا نے پوچھا "یہاں پاکستان میں آپ کے
دار کتنے ہیں؟ میں نے کہا: یوں تو میری ننھیال۔ ددھیال، سسرال اور سمدھیانے
رے رشتہ دار ماشاءاللہ یہاں بڑی تعداد میں ہیں مگر میری اولاد میں دو لڑکیاں
یک لڑکا یہاں ہیں باقی سب میرے ساتھ ہیں۔ مولانا نے از راہ محبت دریافت
آپ کی جو اولاد یہاں ہے وہ کس حال میں ہے؟ میں نے کہا: الحمد للہ دونوں لڑکیاں
ھر بہت خوش اور مطمئن ہیں، اون کے شوہر اعلیٰ تعلیم یافتہ، نہایت قابل اور
تمند ہیں، حکیم سقراط نے خوب کہا ہے کہ اگر تم کو اچھا داماد ملے تو سمجھو کہ بیٹا ملا
داماد برا ہو تو سمجھو کہ بیٹی بھی ہاتھ سے گئی۔ اس اعتبار سے یہ دونوں داماد
ے لئے واقعی بمنزلۂ اولاد کے ہیں، مجھکو اون سے اور اون کو مجھ سے ایسی ہی محبت
لق خاطر ہے، اور میرے چھوٹے داماد اسلم جو ہندوستان اور پاکستان کے علمی
دبی حلقوں میں مشہور اور پنجاب یونیورسٹی لاہور میں صدر شعبۂ تاریخ ہیں
ہو تو آپ جانتے بھی ہوں گے۔ اب رہا لڑکا جس کا نام جنید احمد ہے، یہ سابق مشرقی
تان میں یونائیٹڈ بنک آف پاکستان میں جونیر آفیسر تھا۔ لیکن وہاں قیامت برپا
تو یہ ملازمت سے استعفا دیکر جان بچاکے بھاگا اور کراچی آگیا یہاں اوس نے

بہت کوشش کی کہ وہی بنک کی ملازمت مل جائے لیکن کامیابی نہیں ہوئی تو آخر مجبور ہو
ایک کمپنی میں نوکری کرلی ہے۔ مگر اس سے نہ میں مطمئن ہوں اور نہ وہ، اس پر مولا
نے کہا: آپ جنید کو لکھ دیجئے کہ اب میں کراچی جاؤں تو وہ مجھ سے وہاں ملے، میں کوش
کروں گا کہ اس کو بنک کی وہی جگہ مل جائے۔ جس پر وہ کام کر رہا تھا یا کوئی اور گورنمنٹ
سروس مل جائے میں نے مولانا کا شکریہ ادا کیا اور مولانا نے جنید کا نام وغیرہ
نوٹ بک میں لکھ لیا۔

اس کے بعد مولانا نے گردن کو ذرا بل دیتے ہوئے فرمایا۔ آپ کی یہ اولاد پاکس
میں ہے اور آپ ہندوستان میں! یہ کیسے؟ کیا آپ نے کبھی پاکستان آنے (یعن
رہنے کے لئے) کا خیال نہیں کیا؟ اس کے معاً بعد فرمایا۔ اسلامک ریسرچ انسٹیوٹ، اس
میں ڈائرکٹر کی جگہ خالی ہے تین ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہ ہے، وہ میں آپ کو پیش کر
ہوں، آپ ہاں کر لیجئے میں ابھی آپ کو تقرر نامہ دیئے دیتا ہوں۔ یا "دارالفکر اسل
کے نام سے ہم ایک بہت بڑا ادارہ لاہور میں قائم کر رہے ہیں آپ اس کے ڈائرکٹر
جائیے اس کی تنخواہ بھی یہی ہوگی، آپ کو اختیار ہے، اسے قبول کیجئے یا اسے میں
ضمیم قلب سے مولانا کی محبت اور ان کی قدردانی کا شکریہ ادا کیا اور کہا تقسیم کے نتی
میں ہندوستان کے مسلمانوں پر جو قیامت گذری اس نے بڑے بڑے شیر دل اور بہا
مسلمانوں کے پاؤں اکھیڑ دیئے اور وہ بدحواس ہو کر اپنے باپ دادوں کے پرانے و
کو خیر آباد کہہ گئے۔ اس شورش اور ہنگامہ میں میرا گھر بھی لٹ گیا تھا۔ جانیں سلامت
رہیں۔ بس یہی غنیمت ہے، ورنہ اثاثہ بیت، مال و متاع کچھ باقی نہ رہا تھا۔ ان حالا
سے گھبرا کر اگر میں بھی پاکستان پہونچ جاتا تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہاں میرے
ترقی کے بہتر سے بہتر مواقع تھے اور حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ ا
نے یہی بات لکھکر مجھکو پاکستان آنے کی دعوت بھی دی تھی۔ لیکن جب میں نے فیما

ین اللہ اس مسئلہ پر غور کیا تو ضمیر نے کہا کہ جب دو بھائیوں میں سے ایک بھائی خوشحال
مئن اور پرسکون ہو اور دوسرا بھائی زبوں حال، پریشان اور پراگندہ خاطر ہو تو
بت و غیرت اور شیوۂ مردانگی کا تقاضہ یہ ہے کہ دوسرے بھائی کا ساتھ دیکر اوس کی
ت بند ہائے اور اوس کے حالات کی اصلاح کی کوشش کی جائے، میں نے مزید کہا: مولانا
ں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ روپیہ پیسہ، جاہ و منصب کبھی میری زندگی کا مقصد نہیں
میں نے کبھی اس کی پروا نہیں کی، میرا مقصد ہمیشہ خدمت علم و دین رہا ہے۔ اس
دپر میں نے قطعی فیصلہ کرلیا کہ مجھکو ہندوستان میں رہنا ہے اور جو کچھ میں کر سکتا ہوں
ہیں رہ کر کرنا ہے۔ مولانا نے میری یہ باتیں بڑی دلچسپی اور ہمدردی سے سنیں اور پھر
لے: مگر اب تو ہندوستان میں مسلمانوں کے حالات بہتر ہیں وہ پہلے سی بات نہیں ہے"
نے کہا: جی ہاں! بجا فرمایا آپ نے مسلمانوں میں اب انتشار ذہنی اور پراگندگی خاطر
ہا ہے، لیکن اب اون کے سینکڑوں تعمیری اور تنظیمی مسائل ہیں جن میں اون کو
ہنمائی کی شدید ضرورت ہے۔ مولانا یہ سنکر خاموش ہوگئے۔ پھر ہندوستان اور
ستان کے تعلقات کا ذکر آیا تو اس سلسلہ میں انہوں نے بہت اچھی توقعات کا اظہار کیا
نے میں نہایت مکلف چائے آگئی۔ مولانا کو بھی نیشنل اسمبلی کے اجلاس میں جانا تھا
ں نے زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہ جانا، اور اجازت لیکر مولانا اور گورنمنٹ کی غیر معمولی
ان نوازی اور اون کے الطاف و عنایات کا شکریہ ادا کرکے روانہ ہوا چلتے وقت
ولانا نے اپنی انگریزی اور اردو تصنیفات کا ایک خوبصورت بنڈل میرے حوالہ کیا
ن کتابوں کو میں نے ہندوستان آکر پڑھا اور محظوظ ہوا انمیں بعض کتابیں ادبی ہیں
ہن زیادہ تر مذہبی، دینی اور دعوتی ہیں جو جدید ذہن اور عصر حاضر کے تقاضوں
سامنے رکھکر لکھی گئی ہیں۔ انگریزی کتابیں مولانا کی اردو کتابوں کے تراجم ہیں۔ نوجوان
ہن کو اسلام سے مانوس کرنے کے لئے یہ کتابیں یقیناً مفید ہوں گی ان کتابوں سے

اندازہ ہوا کہ مولانا جتنے بڑے خطیب اور مقرر ہیں اتنے ہی بڑے ادیب اور انشاپرداز بھی ہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاءُ۔

مولانا سے رخصت ہو کر گھر آیا۔ یہاں پروفیسر سعید الدین ڈار کی کار کے چوری ہو جانے کی وجہ سے ایسا مجبور رہا کہ نہ اسلامک ریسرچ انسٹیٹوٹ جا سکا اور نہ اور احباب سے ملاقات کر سکا اور نہ تفریح کا کوئی پروگرام بن سکا۔ اسلام آباد میرا آنا اچانک ہوا تھا اس لئے کسی کو اس کی اطلاع بھی نہیں تھی۔ شب گذار کر دوسرے دن علی الصباح ڈار صاحب کی معیت اور ان کے ایک دوست کی کار میں ایرپورٹ آیا اور ہوائی جہاز سے لاہور کے لئے روانہ ہو گیا۔

آج کا دن پاکستان میں قیام کا آخری دن تھا۔ اس لئے میں گھر پر بال بچوں میں ہی رہا کہیں آیا گیا نہیں الوداعی ملاقات کرنے کی غرض سے احباب اور اعزا ہی آتے رہے ان میں اشرف صبوحی صاحب، ڈاکٹر عبادت بریلوی، لفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید مولانا عبدالصمد صارم، اور بھی بہت احباب آئے جن کے نام محفوظ نہیں رہے ہندوستان سے ہلکا پھلکا سامان لیکر آیا تھا۔ لیکن یہاں۔ سامان۔ اور کتابوں کا انبار لگ گیا۔ میاں سلم نے شام سے ہی پیکنگ شروع کر دی تھی۔ دوسرے دن صبح کو ناشتہ سے فارغ ہو کر میاں اسلم کے والدین ماجدین چودھری محمد طفیل صاحب اور ان کی اہلیہ اور عزیزہ نسیم سلمہا جو اسلم کی اکلوتی بہن ہیں۔ ان کے پاس بیٹھا اور بات کی۔ یہ گھر کہنے کو رسمی طور پر سمدھیانہ ہے لیکن ان سب کو مجھ سے اور مجھکو ان سے ایسا تعلق خاطر اور ایسی محبت ہے کہ یہ گھر گویا حقیقی بھائی کا گھر ہے۔ اتنے میں ہمدرد دواخانہ کی کار آگئی، میاں اسلم، ریحانہ اور ان کے چاروں بچے ہندوستان کے بورڈر تک ساتھ آئے۔ ہندوستان کے وقت کے حساب سے ٹھیک ساڑھے نو بجے صبح کو گھر سے روانہ ہوا تھا اور ٹھیک نو بجے یعنی ساڑھے گیارہ گھنٹوں میں امرتسر فلائنگ میل کے ذریعہ نئی دہلی کے اسٹیشن پر پہونچ گیا۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ لاہور دلی سے کتنا قریب ہے لیکن پاسپورٹ اور ویزا

سعید احمد اکبر آبادی

تبصرے

گلہائے فکر از ڈاکٹر اسمار سعیدی ایم ۔ اے ۔ بی ایڈ ۔ پی ، ایچ ۔ ڈی (علیگ)
قطیع متوسط ضخامت پانچ سو صفحات ۔ طباعت وکتابت اعلیٰ قیمت مجلد پچاس
روپئے ۔ پتہ : مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی ۔ ۶

ڈاکٹر اسمار سعیدی اردو کے مشہور اور صاحب طرز شاعر جناب بسمل سعیدی
دختر نیک اختر اور ٹونک کا ایک اعلیٰ خاندان جو اپنے ذوقِ علمی وادبی کے لئے
شہور ہے اوس کی چشم وچراغ ہیں ۔ اس لئے شعر وادب کا ذوق انہیں ورثہ میں ملا
، پھر اون کی خود اپنی محنت وریاضت اور مطالعہ اور والد مرحوم کی تربیت اور
صلاح ! ان دونوں چیزوں نے مِلکر اس موروثی ذوقِ شعر کو پروان چڑھایا اور عروج
پہونچایا ۔ چنانچہ اب وہ صف اول کی شاعرہ ہیں اور اون کے کلام نے نامور شاعروں
یبوں اور نقادوں سے خراج تحسین حاصل کیا ہے ۔ یہ کتاب انہیں کا مجموعہ کلام
، اگرچہ وہ طبعاً غزل کی شاعرہ ہیں اور اس میں اون کا اپنا ایک خاص آہنگ اور
رہے جس میں شعورِ ذات اور احساس زندگی کے ساتھ درد وکرب اور سوز وگداز
ان بھرا ہوا ہے اور اس کی وجہ سے غزلیں تیر ونشتر اور دشنہ در آستین بن گئی
ں ۔ لیکن اون کو قدرت تمام اصنافِ سخن پر ہے ، چنانچہ اس مجموعہ میں ایک سو پندرہ
زلوں کے علاوہ ستر نظمیں اور چند رباعیات وقطعات بھی شامل ہیں ۔ پھر نظمیں
ی کافی متنوع ہیں ۔ ان میں مدحیہ اور بیانیہ نظمیں بھی ہیں اور مرثیے بھی ان سے
ندازہ ہوتا ہے کہ ان کی قوت مشاہدہ دقیقہ رس ۔ تخیل بلند اور اظہار وبیان

پر قدرت کاملہ حاصل ہے۔ وہ طرز قدیم کی شاعرہ ہیں۔ آج کل کی ترقی پسند
جدید شاعری کے اسلوب اور آہنگ سے ان کا کلام مبرا ہے۔ لیکن اس طرز
بھی انھوں نے اپنی انفرادیت کو باقی رکھا ہے۔ اس بنا پر ان کی غزلوں پر غز
میر کے جدید اڈیشن کا گمان ہوتا ہے، شاعروں کو عام طور پر تحقیق سے واسطہ نہیں
لیکن ان کا کمال یہ ہے کہ وہ میدان تحقیق کی شہسوار بھی ہیں، انھوں نے حسرت عظ
کے دیوان کو بڑی محنت تفحص و تلاش اور تحقیق سے اڈٹ کر کے علی گڈھ سے پی ا
ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے اس کے علاوہ کتاب کے مقدمہ میں انھوں نے اپ
خاندان کی مبسوط و مفصل جو تاریخ قلمبند کی ہے وہ خود ایک تحقیقی کارنامہ
امید ہے کہ ارباب ذوق اس کے مطالعہ سے شاد کام و بہرہ اندوز ہوں گے۔

بیان ملکیت وتفصیلات متعلقہ برہان دہلی

(فارم چہارم قاعدہ ۸)

(۱) مقام اشاعت: اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶

(۲) وقفہ اشاعت: ماہانہ

(۳) طابع کا نام: حکیم مولوی محمد ظفر احمد خاں شاہجہان پوری

قومیت: ہندوستانی

سکونت: ۴۱۳۶ اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶۔

(۴) ناشر کا نام:۔ حکیم مولوی محمد ظفر احمد خاں شاہجہان پوری۔

(۵) اڈیٹر کا نام: مولانا سعید احمد اکبرآبادی

قومیت: ہندوستانی۔

سکونت: عقب بال برادری ڈگی روڈ علی گڈھ (یو۔پی)

ملکیت: ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

میں محمد ظفر احمد خاں ذریعہ ہذا اقرار کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم اور اطلاع و یقین کے مطابق درست ہیں۔

دستخط ناشر

محمد ظفر احمد خاں

۱۹۵۴ء — حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ العلم والعلماء۔ اسلام کا نظام عفت و عصمت۔
تاریخ صقلیہ۔ تاریخ ملت جلد نہم

۱۹۵۵ء — اسلام کا زرعی نظام۔ تاریخ ادبیات ایران۔ تاریخ علم فقہ۔ تاریخ ملت حصہ دہم سلاطین ہند اول
تذکرہ علامہ محمد بن طاہر محدث پٹنی

۱۹۵۶ء — ترجمان السنہ جلد ثالث۔ اسلام کا نظام حکومت (طبع جدید [illegible] ترتیب) جدید بین الاقوامی
سیاسی معلومات جلد دوم۔ خلفائے راشدین اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات

۱۹۵۷ء — لغات القرآن جلد پنجم۔ صدیق اکبر۔ تاریخ ملت حصہ یازدہم سلاطین ہند دوم۔ انقلاب روس۔ روس میں انقلاب کے بعد

۱۹۵۸ء — لغات القرآن جلد ششم۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ تاریخ گجرات۔ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد سوم

۱۹۵۹ء — حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء۔ مصائب و کوائف

۱۹۶۰ء — تفسیر مظہری اردو پارہ ۲۶ - ۳۰۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط
امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام۔

۱۹۶۱ء — تفسیر مظہری اردو جلد اول۔ مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط۔ اسلامی کتب خانے۔ [illegible]
تاریخ ہند پر نئی روشنی

۱۹۶۲ء — تفسیر مظہری اردو جلد دوم۔ اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں۔ معارف الآثار۔
نیل سے فرات تک۔

۱۹۶۳ء — تفسیر مظہری اردو جلد سوم۔ تاریخ [illegible] سرکشی ضلع بجنور۔ علماء ہند کا شاندار ماضی اول

۱۹۶۴ء — تفسیر مظہری اردو جلد چہارم۔ حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط۔ عرب و ہند عہد رسالت میں۔
ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں۔

۱۹۶۵ء — ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد اول۔ تاریخی مقالات
لادینی دور کا تاریخی پس منظر۔ ایشیا میں آخری نوآبادیات

۱۹۶۶ء — تفسیر مظہری اردو جلد پنجم۔ سوز عشق۔ خواجہ بندہ نواز کا تصوف و سلوک۔
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں۔

۱۹۶۷ء — ترجمان السنہ جلد چہارم۔ تفسیر مظہری اردو جلد ششم۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ

۱۹۶۸ء — تفسیر مظہری اردو جلد ہفتم۔ تین تذکرے۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات
اسلامی ہند کی عظمت رفتہ۔

۱۹۶۹ء — تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم۔ تاریخ الفخری۔ حیات ذاکر حسین۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر

۱۹۷۰ء — حیات عبدالحی۔ تفسیر مظہری اردو جلد نہم۔ مآثر و معارف۔ احکام شرعیہ میں حالات زمانہ کی رعایت

۱۹۷۱ء — تفسیر مظہری اردو جلد دہم۔ [illegible] اور اس کا روحانی علاج۔ خلافت راشدہ اور ہندوستان

۱۹۷۲ء — فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر۔ انتخاب الترغیب والترہیب۔ اخبار التنزیل
عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

اپریل

برہان

مرتب

سعید احمد اکبر آبادی

مطبوعات ندوۃ المصنفین دہلی

سنہ ۱۹۳۹ء اسلام میں غلامی کی حقیقت ۔ اسلام کا اقتصادی نظام ۔ قانونِ شریعت کے نفاذ کا مسئلہ ۔
تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام ۔ سوشلزم کی بنیادی حقیقت ۔

سنہ ۱۹۴۰ء غلامانِ اسلام ۔ اخلاق و فلسفۂ اخلاق ۔ فہم قرآن ۔ تاریخِ ملت حصہ اول "نبی عربی صلعم"۔ صراطِ مستقیم (انگریزی)

سنہ ۱۹۴۱ء قصص القرآن جلد اول ۔ وحی الٰہی ۔ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات حصہ اول ۔

سنہ ۱۹۴۲ء قصص القرآن جلد دوم ۔ اسلام کا اقتصادی نظام (طبع دوم بڑی تقطیع مع ضروری اضافات)
مسلمانوں کا عروج و زوال ۔ تاریخِ ملت حصہ دوم "خلافتِ راشدہ"۔

سنہ ۱۹۴۳ء مکمل لغات القرآن مع فہرستِ الفاظ جلد اول ۔ اسلام کا نظامِ حکومت ۔ سرٹریہ ۔ تاریخِ ملت حصہ سوم "خلافتِ بنی امیہ"

سنہ ۱۹۴۴ء قصص القرآن جلد سوم ۔ لغات القرآن جلد دوم ۔ مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت (کامل)

سنہ ۱۹۴۵ء قصص القرآن جلد چہارم ۔ قرآن اور تصوف ۔ اسلام کا اقتصادی نظام (طبع سوم جس میں غیر معمولی اضافے کیے گئے)

سنہ ۱۹۴۶ء ترجمان السنہ جلد اول ۔ خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ ۔ جمہوریہ یوگوسلاویہ اور مارشل ٹیٹو ۔

سنہ ۱۹۴۷ء مسلمانوں کا نظمِ مملکت ۔ مسلمانوں کا عروج و زوال (طبع دوم جس میں سیکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے اور متعدد ابواب بڑھائے گئے ہیں) لغات القرآن جلد سوم ۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ ۔

سنہ ۱۹۴۸ء ترجمان السنہ جلد دوم ۔ تاریخِ ملت حصہ چہارم "خلافتِ ہسپانیہ"۔ تاریخِ ملت حصہ پنجم "خلافتِ عباسیہ اول"

سنہ ۱۹۴۹ء قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات (حکمائے اسلام کے شاندار کارنامے (کامل)
تاریخِ ملت حصہ ششم "خلافتِ عباسیہ دوم"۔ بصائر ۔

سنہ ۱۹۵۰ء تاریخِ ملت حصہ ہفتم "تاریخِ مصر و مغربِ اقصیٰ"۔ تدوینِ قرآن ۔ اسلام کا نظامِ مساجد ۔
اشاعتِ اسلام ۔ یعنی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا ۔

سنہ ۱۹۵۱ء لغات القرآن جلد چہارم ۔ عرب اور اسلام ۔ تاریخِ ملت حصہ ہشتم "خلافتِ عثمانیہ"۔ جارج برنارڈ شا ۔

سنہ ۱۹۵۲ء تاریخِ اسلام پر ایک طائرانہ نظر ۔ فلسفہ کیا ہے؟ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد اول (جس کو ازسرِنو مرتب اور سیکڑوں صفحوں کا اضافہ کیا گیا ہے ۔ کتابتِ حدیث ۔

سنہ ۱۹۵۳ء تاریخِ مشائخِ چشت ۔ قرآن اور تعمیرِ سیرت ۔ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ ۔

برہان

شمارہ ۴	جمادی الاول ۱۳۹۸ھ مطابق اپریل ۱۹۷۸ء	[جلـ]ـد ۸۰

فہرست مضامین

نظرات

سعید احمد اکبرآبادی

اقبال صدی تقریبات جن کا غلغلہ کئی برس سے بلند تھا ہندوستان اور
پاکستان دونوں ملکوں میں آگے پیچھے دو عظیم الشان بین الاقوامی کانفرنسوں پر
اختتام پذیر ہوگئیں، ان کانفرنسوں کی مفصل روئداد سید صباح الدین
عبدالرحمٰن صاحب کے قلم سے جو دونوں جگہ مندوب تھے معارف، اعظم گڈھ
میں قسط وار شائع ہوتی رہی ہیں۔ ان روئدادوں سے یہ معلوم کرکے تو خوشی
ہوئی کہ اب اقبال کی شخصیت اور ان کا کلام قید وطنیت و قومیت سے آزاد
ہوکر عالمگیر ہوگئے ہیں اور دوسرے ممالک میں بھی اس کا مطالعہ اور اس پر
باضابطہ غور و فکر شروع ہوگیا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ محسوس ہوا کہ کلام اقبال
کی اصل اسپرٹ اور اس کی روح تک پہونچنے کی کوشش بہت کم کی گئی ہے

اب یہ بات بغیر کسی توریہ اور تمہید کے کہی جا سکتی ہے کہ اقبال کے کلام
کی روح اور دنیا کے نام اس کا پیغام بجز اسلام کے کچھ اور ہرگز نہیں ہے
لیکن اسلام کونسا؟ وہ اسلام نہیں جو ناقص اور بعض جگہ مسخ شدہ شکل و
صورت میں مسلمانان عالم کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ بلکہ درحقیقت وہ اسلام
جس کی نسبت "کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام" فرمایا گیا، جو قرآن
وسنت کی تعلیمات کا اصل جوہر اور مغز ہے، اور جس کا مکمل عملی پیکر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس و اطہر ہے۔ قرآن میں جس کو "اسوۂ حسنہ" فرمایا گیا، اقبال نے اس اسلام کو عصر حاضر کے انسان کے سامنے ایک نئے علم الکلام کے روپ اور شعر و فلسفہ کی زبان میں کمال خود اعتمادی زور بیان و بلاغت اور ولولۂ و جوش تاثیر کے ساتھ پیش کیا ہے، اس علم الکلام کا اصل تار و پود تو قرآن و سنت ہی ہے، لیکن چونکہ مخاطب عصر حاضر کا فلک پیما انسان ہے اس لئے اقبال نے مشرق و مغرب کے حکما اور ارباب دانش کے افکار و آرا سے نقد و بصیرت کے ساتھ زیب داستان کا کام بھی لیا ہے اقبال کے علم الکلام کا ایک متن ہے اور ایک اوس کی شرح، متن انگریزی خطبات میں اور شرح پورا کلام منظوم! لوگوں کی پوری توجہ شاعری پر رہی ہے۔ خطبات کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی حالانکہ خطبات میں علامہ نے کتنے ہی ایسے اہم مسائل و مباحث چھیڑ دیئے ہیں جن میں سے ایک ایک مسئلہ پر نہایت محققانہ ایک دو نہیں متعدد کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔

۱۹۴۵ء کا ذکر ہے میں سینٹ اسٹیفنس کالج، دہلی میں پڑھاتا تھا (یہ وہ سال ہے جبکہ پاکستان کے جنرل ضیاء الحق بھی اسی کالج میں پڑھتے تھے) اور ن۔ م۔ راشد ریڈیو اسٹیشن میں اردو پروگرام کے انچارج تھے، وہ مہینہ میں دو تین میری تقریریں کراتے رہتے تھے۔ ایک دن انھوں نے علامہ اقبال کے خطبات پر تقریر کی فرمائش کی، لیکن اوس وقت تک خطبات میری گرفت میں نہیں آئے تھے اس لئے میں نے معذرت کر دی، اس کے بعد انھوں نے ہندو کالج دہلی میں فلسفہ کے ایک پروفیسر ڈاکٹر سکسینہ جو اردو فارسی شعر و ادب کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے اون سے اس کی فرمائش کی سکسینہ صاحب نے فوراً حامی بھر لی اور ان کی تقریر ہو گئی، سکسینہ میرے دوست تھے اون سے اکثر کالج میں ملاقات رہتی تھی، اس ریڈیو تقریر کے بعد ملاقات ہوئی تو بولے:

سعید صاحب! میں تو اقبال کے خطبات پڑھ کر حیران رہ گیا ہوں اوس نے ایک
بالکل نئے فلسفہ کی بنیاد ڈالی ہے، افسوس ہے مسلمان صرف اون کی شاعری کو لے
بیٹھ گئے، خطبات کو نہیں دیکھتے، مجھکو یقین ہے کہ اگر یہی کتاب یورپ کے کسی فلسفی
کے قلم سے ہوتی تو اب تک اوس پر دس بارہ کتابیں شایع ہو چکی ہوتیں۔

اقبال پر جتنا لکھا گیا ہے برصغیر ہند و پاک کی کسی حالیہ شخصیت پر نہیں لکھا
لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقبال پر ابھی اور جتنا اور جیسا لکھنا چاہیے اوس کے مقابلہ
میں موجودہ سرمایۂ اقبالیات کچھ زیادہ وقیع نہیں ہے۔ ہندوستان اور پاکستان
دونوں جگہ جو مقالات پڑھے گئے، اون کے عنوانات سے محسوس ہوتا ہے کہ
اکثر مقالات سطحیت کا شکار تھے۔ البتہ ہمارے فاضل دوست سید صباح الدین
عبدالرحمٰن صاحب نے اپنے مقالہ میں جو بات کہی بالکل درست تھی مگر اس ترمیم کے
ساتھ کہ انھوں نے حکمائے مشرق و مغرب کے نام گنا کر کہا کہ اقبال نے "سب ہی سے
اختلاف کیا ہے" حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ اقبال نے ان سب کا مطالعہ ناقدانہ
بصیرت کے ساتھ کر کے کہیں کسی سے اتفاق کیا ہے اور کہیں اختلاف پھر جہاں اختلاف
کیا ہے ضروری نہیں ہے کہ وہاں اقبال کی رائے ہمیشہ صائب ہی ہو، مثلاً افلاطون
کے نظریۂ اعیان ثابتہ کی نسبت اقبال نے جو کڑی تنقید کی اور جس لب و لہجہ میں کی
ہے۔ اقبال کے بہت سے قدردانوں کو اوس سے اختلاف ہے پھر سید صاحب نے اپنے
مقالہ کا جو عنوان رکھا یعنی "اقبال کی دریافت" وہ واقعی بڑا برمحل اور صحیح ہے
اقبال کی نسبت جب تک نقطۂ نظر درست نہیں ہوگا اون پر جو کام بھی ہوگا
دوسرے یا تیسرے درجہ کا ہوگا۔

برہان کا سالانہ چندہ روانہ کرتے وقت یا برہان کے سلسلہ میں کچھ لکھتے وقت اپنا
پتہ اور خریداری نمبر کوپن پر ضرور تحریر فرما دیا کریں۔

سودی دادوستد: ایک علمی و عقلی تجزیہ

مولانا محمد نعیم صدیقی ندوی۔ ایم۔ اے (علیگ) دارالمصنفین اعظم گڈھ

دبیسویں صدی نے اپنی نفسانیت کی تسکین کے لئے شریعت کے متعدد منصوص محرمات مثلاً سود اور رشوت وغیرہ کے جواز کے لئے نہایت لچر تاویلات اور سطحی دلائل سے کام لیا اور ان پر جدید اصطلاحات کے خوش نما دلنظر فریب پردے ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ مستغربین یا تجدد پسندوں کا یہ طبقہ بہت ہی منظم طور پر اسلام کے خلاف سازش میں مصروف عمل ہے۔ مال و زر کے خزانے اور ارباب سیاست کی حوصلہ افزائی ان کی پشت پناہ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ "چراغ مصطفوی" سے "شرار بولہبی" کی ستیزہ کاری اس عہد کی کوئی خصوصیت یا امتیاز نہیں ہے۔ لیکن قلم کا جگر شق ہوا جاتا ہے۔ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے کہ متجددین کی ان اسلام مخالف سازشوں کی زد میں بہت سے ایسے ثقہ و سنجیدہ اہل علم اور ممتاز اسلامی ادارے بھی آگئے جن کا مشن اور مقصد قیام ہی مستشرقین یورپ اور... مستغربین کی اسلام کے خلاف پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ اور اسلام کا دفاع کرنا تھا۔ درحقیقت یہ اس وقت کی ایک نہایت ہی تشویشناک صورت حال ہے۔ اگر خدانخواستہ کعبہ سے ہی کفر کی افزائش ہونے لگے تو پھر اسلام اور مسلمانوں کا وجود کہاں باقی رہ جائے گا۔ (العیاذ باللہ) "نعیم"

ربا کی تعریف | ربا کے اصل معنی زیادتی اور بڑھوتری کے ہیں۔ لیکن اصطلاح فقہ
اس زیادتی کو کہتے ہیں جو قرض پر بمعاوضہ اصل لی جاتی ہے۔ یعنی دائن ایک متعین
معینہ مدت کے لئے قرض دے اور اس مدت کے عوض اپنے اصل کے علاوہ مزید
وصول کرے جس کے مقابل کوئی عوض نہیں ہے۔

جاہلی عرب جو ربوی کاروبار کرتے تھے وہ بعینہ وہی تھا۔ جیسے آج کل سود
ہیں۔ سرمایہ دار اپنے مقروض سے کہتا کہ میں تمھیں مثلاً سو روپیہ قرض دیتا ہوں
سال سوا سو روپے ادا کر دینا۔ وقت معینہ آنے پر وہ مدیون سے اس کا مطال
کرتا۔ اگر وہ ادا نہ کرسکتا تو دائن کہتا کہ میں مدت ادائیگی میں اضافہ کرتا ہوں
رقم بڑھا دو۔ اس طرح وہ بے چارہ کبھی ادا نہ کرسکتا اور سونہ کی رقم دو
سہ چند ہو جاتی۔ غرض یہی طریقہ سود جاہلیت میں رائج اور مشہور و معلوم
ہاں ادھر دو صدیوں سے یورپ کے بقالوں نے اس طریقہ میں کچھ مزید اضا
کیا کہ بجائے مہاجنی اور شخصی سطح پر سودی کاروبار کے انھوں نے اسے تجارتی
پر شروع کیا۔ بینکنگ سسٹم اور انٹرسٹ کا نظام قائم کیا یہ محض ایک خوش
فریب ہے ورنہ دونوں طریقوں میں کوئی قابل لحاظ فرق نہیں ہے۔ پہلی صو
میں ایک ہی سرمایہ دار غریبوں کا خون چوس کر اپنی تجوری کو انبار کرتا تھ
دوسری صورت میں چند سرمایہ دار مل کر غریب عوام کو لوٹتے ہیں۔

ہجرت کے اٹھویں سال فتح مکہ کے موقع پر حرمت سود کی آیتیں نازل ہو
ظاہر ہے جہاں یہ فاسد مادہ پورے معاشرہ میں ساری ہو اور اس کے شد
روز اسی ماحول میں گذرتے ہوں اور جہاں اس لعنت کو معاشی و اقتصاد
ترقی کے لئے ایک جزو لانیفک خیال کیا جاتا ہو وہاں سے اچانک اور یک
اس نظام کی بیخ کنی دشوار تھی۔ اس لئے بتدریج اس کو ختم کرنے کے احکام نا

۔ یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپ نے اس کاروبار کی ممانعت فرمادی
۔ فرمایا۔

ربا الجاھلیۃ موضوعۃ و اول	اور زمانہ جاہلیت کا سود چھوڑ دیا گیا اور سب
ضع ربا عباس بن عبد المطلب	سے پہلا سود جو میں چھوڑتا ہوں وہ عباس
موضوع کلہ۔	ابن عبد المطلب کا ہے۔ وہ سب کا سب
(صحیح مسلم بروایت ابن جابر)	چھوڑ دیا گیا۔

چونکہ آیت ربوا میں صرف سودی داد و ستد کے چھوڑنے کی تاکید اور اس پر شدید کا ذکر تھا۔ لیکن ربا کی شکلوں کی وضاحت نہیں فرمائی گئی تھی۔ اس لئے قت جو ربا متعارف و معلوم تھا۔ اس کو تو مسلمانوں نے فوراً ترک کر دیا اسکے سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مفہوم میں وسعت فرما کر بیع و شرار کی ی شکلوں کو بھی اس میں شامل کر دیا جس میں کسی ایک فریق پر زیادتی ہو رہی تھی اور چونکہ ربوا کی اصل روح و اسپرٹ منافع کی منصفانہ تقسیم ہے اس ں کہیں بھی یہ روح مفقود ہو وہ ربوا میں داخل سمجھا جائے گا۔ ربا کی اس و ربا الفضل کہا گیا ہے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ربوا کی ایک نئی ا انکشاف کیا۔ جس کا مفہوم پہلے سے معلوم و متعارف نہ تھا۔ ارشاد :۔

ھب بالذھب والفضۃ	سونا سونے کے بدلے۔ چاندی چاندی کے بدلے
ضۃ والبر بالبر والشعیر	گیہوں گیہوں کے بدلے۔ کھجور کھجور کے بدلے۔
عیر والتمر بالتمر والملح	نمک نمک کے بدلے لیا جائے۔ تو اس کا لین دین
مثلاً بمثل یداً بید فمن زاد	برابر برابر ہونا چاہئے۔ اس میں کمی بیشی یا ادھا
زاد فقد اربیٰ الآخذ	ربوا کے حکم میں ہے۔ جس کے گناہ میں لینے

والمعطی فیہ سواء۔ (بخاری) والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔

لوگوں کے لئے یہ ایک نیا انکشاف تھا کہ ان چھ اشیاء مذکورہ میں بھی کمی بیشی ناجائز ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس کو عقل وقیاس سے بعید خیال کیا۔ اور اس کے قبول کرنے میں بھی تامل کیا۔ جیسا کہ حضرت عباس رض شروع میں اس قسم کی حرمت کے قائل نہ تھے۔ مگر چونکہ یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوسعید الخدری جیسے ثقہ راوی سے مروی ہے۔ اس لئے جب حضرت عباس کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے اپنے سابقہ مسلک سے رجوع کرلیا (کمارواہ مسلم)[1]

ربا کی دو قسمیں | سودی دادوستد کی دو قسمیں ہیں۔ جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے۔

۱۔ ربا النسیئہ

۲۔ ربا الفضل

ربا النسیئہ تو وہی جو ربا جاہلیت کے نام سے معروف ہے۔ یعنی قرض وادھار پر نفع لینا۔ اور ربا الفضل کی حرمت حضور اکرم نے اپنے قول سے فرمائی۔ چونکہ بیع کی ایک شکل تھی اس لئے صحابہ کو اس کے سمجھنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔ اس کو "ربا الحدیث" بھی کہتے ہیں۔

ربا جاہلیت کیا تھا؟ امام رازی اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

اعلم ان الربا قسمان. ربا النسیئۃ وربا الفضل. امار با النسیئۃ فھو الامر الذی کان مشھوراً متعارفاً فی الجاھلیۃ وذلک انھم کانوا یدفعون المال علی

سمجھ لو کہ ربا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ادھار ربا دوسرے تقدیر زیادتی کا ربوا۔ ادھار ربوا تو وہی ہے جو جاہلیت سے مشہور ومتعارف چلا آتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ لوگ ا[illegible]

---

[1] امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

...ويأخذ وأكل شهر قدراً معيناً ويكون ...س المال باقياً۔ ثم اذا حل الدين ...بوا المديون برأس المال فان ...ن عليه الاداء ن ادوا في الحق و ...جل وهذا هو الربا الذي كانوا ...الجاهلية يتعاملون به واما ربا ...النقد فهو ان يباع من الحنطة بمنوين ...سما واما اشبه ذلك۔ [1]

روپیہ اس شرط پر دینے کہ اتنا روپیہ ماہوار مدیون کو سود ادا کرنا ہوگا۔ اور راس المال بدستور باقی رہے گا۔ پھر جب قرض کی میعاد پوری ہو جاتی تو وہ قرضدار سے اپنا راس المال طلب کرتے اور اگر وہ اسوقت ادائیگی سے عذر کرتا تو ان میعاد میں اور زیادتی کر دیتا اور راس کا سود بڑھا دیتا تھا۔ اور ربا نقد یہ ہے کہ ایک من گیہوں کے بدلے دو من لیا جائے اور اسی طرح دوسری اشیاء۔

اس طرح ابوحیان اندلسی آیت ربوا کے ذیل میں لکھتے ہیں:۔

...ن اهل الجاهلية اذا حل دينه ...غريمه طالبه فيقول زدني في ...جل وازيدك في المال فيفعلان ...ك ويقولان سواء علينا الزيادة ...ل البيع بالربح او عند المحل ...ل التاخير فكذبهم الله [2]

جب قرض کی ادائیگی کا وقت آجاتا تو اہل جاہلیت قرضدار سے مطالبہ کرتے تو قرضدار کہتا کہ تم مدت میں اضافہ کر دو میں مال میں اضافہ کر دوں گا۔ پس دونوں ایسا ہی کرتے اور کہتے کہ خواہ بیع میں نفع سے زیادتی لیں یا مدت آنے پر موخر کر کے نفع لیں دونوں برابر ہے۔ پس اللہ نے ان کے اس قول کی تکذیب کی۔

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۲ - [2] البحر المحیط ج ۲ ص ۳۳۵

واضح رہے کہ یہ بیع در بوا کو ایک ہی کہنے والے بنو ثقیف تھے۔ چونکہ اس وقت سب
سے متمول قبیلہ یہی تھا۔ اور سودی داد وستد کی لعنت میں وہی سب سے زیادہ
تھے۔ جیسا کہ مفسر ابوحیان نے تصریح کی ہے۔

کانت ثقیف اکثر العرب ربا فلما نھوا عنہ قالوا انما البیع مثل الربا۔

عرب میں ثقیف ہی سب سے زیادہ سو
کاروبار کرنے والے تھے۔ جب ان کو
منع کیا گیا تو انھوں نے کہا بیع تو ربا
طرح ہے۔

حرمت سود قرآن میں | ربا کی حرمت پر ائمہ و فقہاء کا اجماع ہے۔ جس میں کسی تاویل
شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن کی آٹھ آیتوں میں اور چالیس احادیث نبوی
شدت سے سودی داد وستد کی ممانعت وارد ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ سو
کاروبار کرنے والوں سے اعلان جنگ تک کی دھمکی دی گئی ہے۔ ارشاد خدا

الذین یاکلون الربا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس ذلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربا۔ واحل اللہ البیع وحرم الربا فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ما سلف وامرہ الی اللہ ومن عاد فاولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون۔

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت
اس طرح کھڑے ہوں گے۔ جیسے کہ و
شیطان لپٹ کر خبطی بنادے (یعنی
پریشان) یہ انجام کار اس لئے کہ ا
کہا تھا کہ بیع ربا ہی کی مثل ہے۔ حا
تعالیٰ نے بیع کو حلال اور ربا کو حر
دیا۔ پس جس کے پاس اس کے ر
کی طرف سے نصیحت آئی اور وہ
تو جو کچھ وہ پہلے لے چکا وہ تو اسی کا
اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور

عود کرے۔ پس وہ لوگ جہنم میں جائیں گے
اور اس میں دائمی رہیں گے۔

آیت مذکورہ میں سود خور کی تشبیہ ایک آسیب زدہ مجنوں سے دی گئی ہے۔ جو
رہے۔ ہر عمل کی جزا اس کے مناسب ہی ہوتی ہے۔ آج اس دنیا ہی میں شب و روز
مشاہدہ میں آتا رہتا ہے کہ سود خوار مال و دولت کی افزائش میں دن رات منہمک
ا ہے نہ خواب و خور کی فکر نہ راحت و آرام کا خیال۔ پوری مفلس قوم کی حالت
اس کو کوئی سروکار نہیں رہتا ہے دنیا کی یہ مدھوشی یوم الحساب میں آسیب زدہ خبطی
ل میں ظاہر ہوگی۔

اس آیت بالا میں سود خوار کی سزا کا سبب یہ بتلایا گیا کہ انھوں نے بیع و ربا کو
ان قرار دے لیا تھا۔ حالانکہ دونوں کے ظاہری فرق کے علاوہ اللہ جل شانہ نے
و حلال قرار دیا ہے اور ربا کو حرام گویا وہ دوہرے جرم کے مرتکب ہوئے۔ ایک
ں کہ خدا نے جس چیز کو حرام قرار دیا اس کے جواز کے قائل ہوئے۔ دوسرے اس کے
ے کے لئے لغو قسم کی تاویل سے کام لیا۔

بیع و ربوا کا ایک سامنے کا فرق تو ہر صاحب فکر پر واضح ہے کہ بیع و شرا میں دونوں
مال ہوتا ہے۔ اور تبادلہ جنسین ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف قرض و ادھار
جو زیادتی دائن سود کے نام سے لیتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں کوئی مال نہیں بلکہ
و میعاد ہے (یعنی ادائیگی قرض کی مدت) جو ظاہر ہے "مال" نہیں۔ پھر اس کو یہ
تی لینے کا کیا استحقاق؟ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ ایسا کہنے والے طائف کے
ہور سرمایہ دار بنو ثقیف تھے۔ جو اس وقت تک مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے۔

اشکال اور اس کا جواب	غالباً بے محل نہ ہوگا کہ اسی جگہ بعض لوگوں کے اس اشکال کو بھی حل کر دیا جائے کہ احل اللہ البیع وحرم الربٰو

قول خداوندی نہیں ہے بلکہ ان ہی لوگوں کا قول ہے جنھوں نے بیع و ربا کو مماثل قرار د
اور یہ جملہ ماقبل ہی سے متعلق ہے۔ حالانکہ جمیع مفسرین کرام کا اتفاق ہے کہ یہ ا
جل شانہ ہی کا قول ہے۔

چنانچہ چوتھی صدی ہجری کے جلیل القدر مفسر ابن جریر طبری آیت مذکور
کے تحت رقمطراز ہیں:۔

قال اللّٰہ لیست الزیادۃ من وجہ البیع نظیر الزیادۃ من وجہ الرباء لانی احللت البیع وحرمت الربا والامر امری والخلق خلقی اقضی فیھم ما اشاء[1]	اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ زیا جو بیع میں حاصل ہوتی ہے وہ ربا کی زیادتی کے مماثل نہیں اس لئے کہ میں بیع کو حلال اور ربا کو حرام قرار دیا ظاہر ہے حکم میرا ہی چلے گا۔ مخلوق میر جو چاہوں گا وہی فیصلہ نافذ ہوگا

امام فخر الدین رازی نے احل اللّٰہ البیع وحرم الربا۔ کو قول خداو
ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

اما اکثر المفسرین فقد اتفقوا علی ان کلام الکفار انقطع عند قولہ انما البیع مثل الربا واما قولہ احل اللّٰہ البیع وحرم الربا۔ فھو من کلام اللّٰہ تعالیٰ ونصہ علی ھذا الفرق ذکرہ ابطالا لقول الکفار انما البیع مثل الربا	اکثر مفسرین نے اس امر پر اتفاق کیا کفار کا کلام انما البیع مثل الربا پر ختم اور احل اللّٰہ البیع وحرم الربا اللہ ہی کا کلام اور اس کا اس فرق پر نص جسکو اس نے کفار کے قول انما البیع الربا کو غلط ثابت کرنے کے لئے کیا اور اس قول کی صحت پر کوئی دلی

---

[1] تفسیر طبری ج ۳ ص ۶۹

..ا لحجة علی صحتہ ھذا القول وجوہ[1] ہیں۔

اس صراحت کے بعد امام رازی نے بتفصیل تین وجوہ بیان کئے ہیں۔ جن میں سے دوسری اور تیسری دلیل بہت ٹھوس ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

"بیع و شراء کے تمام مسائل میں امت مسلمہ اس آیت پر ہمیشہ عامل رہی۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب انھیں اس بات کا علم رہا ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ ورنہ بصورت دیگر اس سے ان کے لئے استدلال جائز نہ ہوتا"

"اللہ جل شانہ نے اس جملہ کے فوراً بعد فرمایا فمن جاءہ موعظۃ من ربہ... الخ بس اس کلام کا مطلب یہ ہوا کہ جب کفار کے دلوں میں انما البیع مثل الربا۔ کا شبہ پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے شبہ کو زائل اور ان کی مماثلت کو باطل کرنے کے لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا:۔ اگر احل اللہ البیع وحرم الربا اللہ تعالیٰ کا قول نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے شبہ کا جواب بھی موجود نہیں۔ پھر فمن جاءہ موعظۃ من ربہ.... اس جگہ مناسب و موزوں نہ ہوتا"[1]

حافظ جلال الدین سیوطی رقمطراز ہیں:۔

ان الرجل اذا حل مالہ علی صاحبہ یقول المطلوب للطالب زدنی فی الاجل وازید لک علی مالک فاذا فعل ذلک قیل لھم ھذا ربا۔ قالوا سواءٌ	جب کسی کا قرض دوسرے پر باقی ہوتا۔ اور وقت ادائیگی آجاتا تو مدیون دائن سے کہتا کہ تم مدت میں زیادتی کردو میں تمہارا مال بڑھادونگا۔ جب وہ یہ عمل کرتے تو

---

[1] تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵۳۵

علینا ان زدنا فی اول البیع او عند محل المال فهما سواء. فکذبهم الله تعالیٰ فقال احل الله البیع وحرم الربا فمن جاءه موعظة من ربه. یعنی البیان الذی فی القرآن فی تحریم الربا۔ [1]

ان سے کہا جاتا کہ یہ ربا ہے، وہ جواب دیتے کہ چاہے بیع کے وقت زیادتی لے لی جائے، یا مدت ادائیگی آنے پر دونو برابر ہے۔ پس اللہ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا۔ احل البیع وحرم الربا الخ یعنی قرآن میں تحریم ربا کے بارے میں جو صراحت آئی ہے۔

علامہ آلوسی بغدادی اسی آیت کے ذیل میں رقمطراز ہیں:۔

جملة مستأنفة من الله تعالیٰ ردأ علیهم ولتسویتهم وحاصله ان ماذکرتم قیاس فاسد الوضع لأنه معارض للنص فهو من عمل الشیطان علی أن بین البابین فرقاً وهو ان من باع ثوباً یساوی درهماً بدرهمین فقد جعل الثوب مقابلاً لدرهمین فلا شیٔ فیهما الا وهو فی مقابلة شیٔ من الثوب واما اذا باع درهماً بدرهمین فقد اخذ الدرهم الزائد بغیر عوض ولا یمکن جعل الامهال عوضاً اذ الامهال لیس بمال حتی یکون فی مقابلة

یہ ایک نیا جملہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کفا اور ان کے بیع وسود کو مماثل قرار دینے کا رد کرتے ہوئے وارد ہوا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تم نے جو ذکر کیا وہ غلط قیاس جو نص کے معارض ہے اور شیطانی عمل ہے اس بنا پر کہ دونوں میں فرق ہے وہ یہ کہ جو شخص ایک درہم کے کپڑے کو دو د میں فروخت کرے تو اس نے کپڑے کو دو د درہم کے مقابل ٹھہرایا پس وہ پورے کپڑے کی قیمت قرار پا جائے گی اور ربا یہ کہ جو ایک درہم دو درہم کے عوض فروخت کرے تو وہ ایک درہم بغیر عوض لے گا اور یہ ممکن

[1] الدر المنثور ج ۱ ص ۳۶۵

المال. ؎۱

نہیں کہ وہ مہلت کو عوض قرار دے چونکہ امہال (مہلت دینا) مال نہیں کہ وہ مال کے مقابل ٹھہر سکے۔

محدث شہیر علامہ انور شاہ کشمیریؒ اسی آیت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ (واحل اللہ البیع وحرم الربا) ھذا جواب عن قولھم انما البیع مثل الربا۔ حاصل الجواب انکم کیف حکمتم بالتسویۃ بین البیع والربا مع الفرق الجلی بینھما۔ فان البیع حلال والربا حرام۔ ؎۲

اللہ تعالیٰ کا قول، واحل اللہ البیع و حرم الربا تاویل کرنے والوں کے قول انما البیع مثل الربا کا جواب ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تم بیع و ربا میں مماثلت کیسے کرتے ہو۔ جب کہ ان دونوں میں نہایت نمایاں فرق ہے۔ اس لئے کہ بیع حلال ہے اور ربا حرام۔

مذکورۃ الصدر تفسیروں کے علاوہ شوکانی، خازن، جصاص، ابوالمسعود، کشاف اور ابوحیان توحیدی وغیرہ تمام مفسرین نے بصراحت لکھا ہے کہ احل اللہ البیع وحرم الربا اللہ عزوجل ہی کا قول ہے۔ جو اس نے بنو ثقیف کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمائے۔ اب رہا یہ سوال کہ "اگر یہ قول خداوندی ہے تو اس کا یہ محل نہ تھا۔ بلکہ وہیں تھا۔ جہاں اضعافاً مضاعفۃ سود کی ممانعت ہے" تو یہ یکسر سوء تفاہم پر مبنی ہے۔ معمولی غور سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا اصل موقع بیان یہی ہے۔ قرآن حکیم نے تاویل کرنے والوں کے ساتھ درحقیقت "منہ توڑ جواب" والا طرز اختیار کیا ہے اگر ان تاویل کرنے والوں کی تکذیب فوراً نہ کی جاتی تو پھر کب؟ کوئی شخص آپ کے

؎۱ روح المعانی ج ۳ ۔ ص ۴۳ ؎۲ فیض الباری ج ۳ ص ۱۸۳

سامنے آپ سے کوئی غلط بات منسوب کرے تو کیا آپ فوراً خاموش رہکر آئندہ کسی موقع کے منتظر رہیں یا علی الفور اپنی صفائی میں جواب دیں گے ؟

مزید براں بصورت دیگر آگے کا کلام فمن جاءہ موعظۃ من ربہ الخ ۔ بے ربط ہو جاتا ہے ۔ آخر وہ موعظۃ کیا تھی ؟ یہی حلتِ بیع و حرمتِ ربا !! یعنی جس کو یہ حکم قرآنی معلوم ہوگیا اور وہ پھر اس سے محفوظ رہا تو جو کچھ پہلے لے چکا وہ تو اسی کا ہے لیکن حرمت ربوا کا علم ہو جانے کے بعد جو ایسا کرے گا اس کی سزا خلود فی النار ہے

اس کے علاوہ مفسرین کا اجماع ہے کہ حرمت سود کی آیات کا نزول بتدریج ہوا ہے ۔ اور اضعافاً مضاعفۃ والی آیت اس سلسلہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی ۔ جس میں اولاً صرف دو چند سہ چند سود لینے کی ممانعت کی گئی اس کے بعد رفتہ رفتہ اس بیخ گرفتہ نظام کو بدلنے کے لئے آیات تحریم سود کا نزول ہوتا رہا ۔ یہاں تک کہ سب سے آخر میں یہی آیت :- احل اللّٰہ البیع وحرم الربا نازل ہوئی ۔ اور اس نے علی الاطلاق ہر قسم کے معمولی غیر معمولی سود کو حرام قرار دیدیا ۔

راقم سطور کو یہ بحث اس لئے تفصیل اور وضاحت سے کرنی پڑی کہ آج کل اسلامی ثقافت اور تحقیقاتِ اسلامی کے نام پر ہند و پاک میں قائم بعض اداروں کے محققین بہت شد و مد کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن میں کہیں صراحت کے ساتھ ربا کی حرمت کا ذکر نہیں آیا ہے ۔ بلکہ اس پر صرف وعید شدید ہی پر اکتفا کیا گیا ہے ۔ یا پھر "اضعافاً مضاعفۃ" (غیر معمولی) سود لینے کی ممانعت ہے ۔ حالانکہ آیت پیش نظر جو تحریم سود کی اساس ہے ۔ نہایت صراحت اور اطلاق کے ساتھ حرمت ربا کا اعلان کرتی ہے ۔

حرمت ربوا کے سلسلہ میں دوسری آیت میں سود خواروں کو اتنی شدت کے ساتھ متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن میں کہیں دوسرے گنہگاروں سے ایسی سختی کے ساتھ شاید ہی

ب کیا گیا ہو۔ قرآن نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ :۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔

(البقرہ ۳۸ - پارہ ۳)

اے مومنو! اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی ہے اس کو چھوڑ بیٹھو۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو پھر اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرتے ہو تو تم کو اصلی رقم ملیگی۔ نہ تم کسی کا نقصان کرو اور نہ کوئی تمہارا نقصان کرے۔

شریعت اسلامیہ کی بنیاد انصاف پر قائم ہے۔ بیع و شراء یا معاملات کی جتنی قسمیں ہو سکتی ہیں۔ جہاں کسی فریق کا ضرر و نقصان ہے۔ اس کو شرعاً ممنوع قرار دیا ہے۔ جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لعنت قبل اسلام اتنی عام تھی کہ کوئی بھی متنفس اس سے مامون نہ تھا۔ اہل جاہلیت کے رگ و پے میں یہ سرایت کر چکے تھے۔ ایسی عام ربا کو بیک حکم منسوخ کرنے سے بہت سے مواقع مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔ اس لئے تبدریج حرمت ربوا کے احکام نازل ہوئے مفسرین کا اتفاق ہے کہ آیت "احل اللہ البیع وحرم الربا" تحریم سود کے سلسلہ کی آیت ہے جیسا کہ سطور بالا میں ذکر آچکا ہے۔

متذکرہ صدر آیت کے شان نزول میں کتب تفاسیر میں کئی واقعے مذکور ہیں۔ مثلاً

۱۔ حضرت عباس اور بنی مغیرہ کا ایک شخص زمانہ جاہلیت میں شرکت میں کاروبار کرتے تھے۔ ان کے پچھلے سود کے حساب میں بہت بڑی رقم بنو ثقیف کے ذمہ واجب الادا تھی۔[1]

---

[1] در المنثور ج ۱ ص ۳۶۶۔

۲۔ مقاتل کا قول ہے کہ قبیلہ ثقیف کے چار بھائی مسعود، عبدیالیل، حبیب اور ربیعہ جو عمرو بن عمیر ثقفی کے لڑکے تھے بنی مغیرہ سے سودی لین دین کرتے تھے۔ آیت ان ہی کے بارے میں نازل ہوئی۔ [۱]

۳۔ سدی کا قول ہے کہ یہ آیت عباس بن عبد المطلب اور بنی المغیرہ کے شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو شرکت میں کاروبار کرتے تھے۔ [۲]

ان تینوں واقعات میں کوئی تضاد نہیں۔ ممکن ہے یہ حکم تینوں کے بارے میں ہوا ہو۔ غرض یہ کہ قبول اسلام کے بعد جب سابقہ سود کے مطالبات آپس میں پیش ہوئے تو ان آیات کا نزول ہوا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ تحریم ربا کے بعد کی بقایا رقومات کا لین دین بھی جائز نہیں۔ ہاں اتنی رعایت ضرور دی جاتی کہ عدم واقفیت کے باعث جو رقوم سود کی مد میں لے چکے اس میں تصرف تمہارے لئے جائز ہے۔ لیکن آیت بالا میں جو صرف راس المال کا استحقاق بتلایا گیا ہے بھی توبہ کے ساتھ مشروط ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عدم توبہ کی صورت میں راس المال بھی ضبط ہو سکتا ہے۔

تحریم سود، احادیث میں اب ذیل میں تحریم ربا کے سلسلہ کی چند احادیث نبوی کی جاتی ہیں۔

۱۔ عن جابر بن عبد اللہ رضی قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء (رواہ مسلم وغیرہ)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، سود دینے والے، سودی تحریر لکھنے والے، اور سودی شہادت دینے والے پر لعنت فرمائی۔ نیز فرمایا کہ یہ سب برابر ہیں۔

---

[۱] تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵۴۰۔ [۲] تفسیر طبری ج ۳ ص ۶۵

ن عبد اللہ بن مسعودؓ ان النبی ... اللہ علیہ وسلم قال الربا ... وسبعون باباً والشرک مثل ... (رواہ البزار رواتہ رواۃ الصحیح)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سود کے مفاسد کچھ اوپر ستر ہیں۔ اور شرک اس کے برابر ہے۔ اس کو بزاز نے روایت کیا ہے اس کے راوی صحیح کے راویوں کی طرح ہیں۔

ن عبد اللہ بن سلامؓ عن النبی ... اللہ علیہ وسلم قال الدرہم ... ہ الرجل من الربا اعظم عند اللہ ... لاثۃ وثلاثین زنیۃ یزنیہا فی ... سلام۔ (رواہ الطبرانی)

حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک درہم جو کوئی سود سے حاصل کرے اللہ کے نزدیک مسلمان ہونے کے باوجود تینتیس بار زنا کرنے سے زیادہ شدید حرام ہے۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ... حدیثاً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ... فیہ ما ظہر فی قوم من الزنا ... الا احلوا بانفسہم عذاب ... (رواہ ابو یعلیٰ باسناد جید)

حضرت عبد ابن مسعودؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث نقل فرمائی جس میں یہ بھی ہے کہ جس قوم میں زنا اور سود کا شیوع ہوا۔ اس نے یقیناً عذاب الہی کو اپنے اوپر اتار لیا۔

| ... جنسین ... ود | اب تک کی گفتگو ربا النسیئہ کے بارے میں تھی جس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ربا الفضل کی حرمت کسی آیت قرآنی سے

ثابت نہیں ہے۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بصیرت سے ربا کے ... مفہوم (یعنی ربا النسیہ قرض و ادھار پر نفع لینا) میں وسعت فرما کر تبادلہ ... میں بھی کمی بیشی کو ربا میں شامل فرما دیا تھا۔ چنانچہ ربا الفضل کی حرمت دراصل ذیل فرمانِ نبوی پر مبنی ہے۔

الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل سواء بسواء یداً بید واذا اختلفت ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یداً بید

سونا سونے کے بدلے، چاندی چاند[ی کے] بدلے، گیہوں بدلے گیہوں کے، کھجو[ر] کھجور کے اور نمک اگر نمک کے بد[لے] دیا جائے تو برابر سرابر اور دست بدست چاہئے۔ اور اگر یہ اصناف مختلف النوع [ہوں] تو جس طرح چاہو۔ بیچو، مگر دست بدس[ت] پھر بھی مشروط ہے۔

اس کے علاوہ صحیح بخاری و مسلم کی متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ص[حابہ] اس قسم کی بیع و شراء کرتے تھے۔ اور آپ نے عملاً اس قسم کے موقع پر ان کو ٹوکا [...] چنانچہ صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے۔

عن ابی سعید الخدریؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تبیعوا الذھب بالذھب الا مثلا بمثل و لا تشفوا بعضھا علی بعض۔ ولا تبیعوا الورق بالورق الا مثلا بمثل و ولا تشفوا بعضھا علی بعض و لا لا تبیعوا منھا غائباً بناجز۔

حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے [کہ] اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا [سونے] کو سونے سے فروخت نہ کرو مگر برابر [سرابر] اور ایک کو دوسرے پر زیادہ نہ کرو [اور] چاندی کو چاندی سے نہ بیچو۔ مگر بر[ابر] سرابر۔ اور ایک کو دوسرے پر زیا[دہ نہ] کرو۔ اور غائب کو نقد سے فروخت [نہ کرو]

ایک موقع پر ایک صحابی نے حضرت عمرؓ کے سامنے ایک شخص سے سونا خری[دا] کہا پلٹ کر آؤ ہمارا خادم آتا ہے تو ہم تم کو اس کے بدلے چاندی دے دیں گے [حضرت] عمرؓ نے فوراً ٹوکا کہ:-

فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بلاشبہ رسول اکرم نے ارشاد فرمایا ہے

الفقال الورق بالذهب ربا الاهاء — چاندی سونے کے بدلے، گیہوں گیہوں کے
وهاء والبر بالبر ربا الاهاء وها — بدلے - جو جو کے بدلے - کھجور کھجور کے بدلے
والشعیر بالشعیر ربا الاهاء وهاء — (اگر لیا دیا جائے) تو سود ہے - الا یہ کہ ایک
والتمر بالتمر ربا الاهاء وهاء — ہاتھ سے دیا اور ایک سے لیا جائے۔

اس مضمون کی متعدد احادیث صحیح بخاری میں بھی موجود ہیں جن سے بصراحت ثابت ہوتا ہے کہ سونے چاندی، اشرفی، گنّی، گندم - جو، کھجور، اور نمک کی بیع و شراء میں وصف، مقدار اور وزن کی مماثلت لازمی ہے مزید براں ان اشیاء کی خرید و فروخت بطور ادھار بھی جائز نہیں ہے۔ (باقی)

شیخ ابوالفتح جون پوریؒ (م ۸۵۹ھ)

بعض قدیم ماخذ کی روشنی میں

(مولوی محمد ارشد اعظمی صاحب، بنارس)

شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اکبر حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دارالاولیاء "دہلی" میں جب تعلیم و تربیت ذکر و شغل کی بزم نورانی سجائی اور طالبین و سالکین کے لئے اپنے درمیخانہ کو وا کیا تو جہاں اس بابِ رحمت سے حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ اور حضرت مخدوم جلال الدین بخاری جہانیان جہاں گشتؒ جیسے مشائخ کبار نے فیض پایا۔ وہیں حضرت مولانا خواجگیؒ (م ۔۔۔ھ) اور قاضی عبدالمقتدر دہلویؒ (م ۷۹۱ھ) جیسے علمائے نامدار نے بھی کسب کمال کیا ہے۔ جن کے نورِ علم سے پورا ہند و پاک جگمگایا ہے۔ اور جب قاضی عبدالمقتدر دہلویؒ نے "دہلی" میں علم و فضل کی مسند بچھائی تو اس معروف روزگار درسگاہ سے ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ (م ۸۴۸ھ) قاضی نصیر الدین جون پوریؒ (م ۸۱۷ھ) پیدا ہوئے مفتی علاء الدین گوالیاریؒ (م ۸۳۴ھ) شیخ احمد تھانیسریؒ (م ۸۲۰ھ) پیدا ہوئے۔ شیخ حسام الدین فتح پوریؒ (م ۸۴۱ھ) شیخ حسین گلبرگویؒ (م ۸۱۲ھ) اور خود قاضی عبدالمقتدر دہلویؒ کے پوتے شیخ ابوالفتح جون پوریؒ (م ۸۵۹ھ) پیدا ہوئے جو سب کے سب صاحب فضل و کمال اور رشد و ہدایت کا مرکز ہوئے ہیں، مگر ان سب میں شیخ ابوالفتح جون پوریؒ ممتاز خصوصیات و کمالات کے حامل ہوئے

ہیں۔ یعنی جدمکرم قاضی عبدالمقتدرؒ کے وصال کے بعد ان کے قائم مقام ہوئے اور دہلی میں آپ کا فیض جاری ہوا اور علمی شان کا سکہ جما۔ پھر اس کے بعد جون پور کو رونق بخشا تو آپ کے علوم و معارف سے دیار پورب سیراب ہوا۔ اس عظیم ہستی کے درس و تدریس وعظ و نصیحت نے ظلمت کدۂ ہند کو درخشانی اور تابانی عطا کی ہے، عصر حاضر کے محقق مورخ مولانا قاضی محمد اطہر صاحب مبارک پوری نے لکھا ہے کہ "شیخ ابوالفتح جون پوریؒ اپنی ذات سے پوری ایک انجمن تھے" اس مقالہ میں موضوع سخن شیخؒ ہی کے حالات و کمالات پر کچھ تفصیلی روشنی ڈالنی ہے۔ چنانچہ حکیم مولانا عبدالحیؒ صاحب لکھنوی رح آپ کے تذکرہ کا آغاز بایں الفاظ فرمایا ہے:۔

الشیخ الفاضل الکبیر العلامۃ ابوالفتح بن عبدالحیؒ بن عبدالمقتدر بن رکن الدین الشریحی الکندی الدھلوی ثم الجون پوری کان من افاضل المشھورین لہ	شیخ، فاضل، بزرگ، علامہ، ابوالفتح دہلوی ثم جون پوری رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ عبدالحیؒ کے صاحبزادے اور قاضی عبدالمقتدر بن رکن الدین شریحی کندیؒ کے پوتے ہیں، وہ یعنی علامہ ابوالفتحؒ اپنے وقت کے مشاہیر فضلاء کرام میں تھے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بایں انداز آپ کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ:۔

شیخ ابوالفتح جون پوریؒ مرید و شاگرد جد خود است قاضی عبدالمقتدرؒ و نیز بر طریقۂ جد بود فاضل و دانشمند بود لہ	شیخ ابوالفتح جون پوریؒ اپنے جدمکرم قاضی عبدالمقتدرؒ کے شاگرد رشید و مرید سعید ہیں، اور اپنے دادا جان ہی کی طرح صاحب فضل و کمال اور دانشمند تھے۔

لہ نزھۃ الخواطر ص ۳ ج ۳ ۔ ۲ لہ اخبار الاخیار ص ۱۷۵ ۔

گویا شیخ ابوالفتح جون پوریؒ اپنے دور کے باکمال عالم دین - فاضل عصر، جامع معقول، شیخ طریقت اور واقف حقیقت تھے، لیکن اس کے علاوہ دوسرے اوصاف وکمالات بھی ہیں، یعنی اپنے جد محترم قاضی عبدالمقتدرؒ کی یادگار، رشد و ہدایت کے معرفت تاجدار، علمی فوائد کے بحر ناپیدا کنار، میدان شعرگوئی اور فصاحت و بلاغت کے شہسوار ہونے کے ساتھ ہی نادر روزگار بھی تھے - ذیلی عنوانات میں مذکورہ حالات سے اس کا اندازہ آپ کو بخوبی ہو سکے گا انشاء اللہ تعالیٰ -

(۱) **ولادت و طفولیت** آبائی وطن "دہلی" ہے، آپ اپنی والدہ ماجدہ کے شکم میں چودہ ماہ رہے جس کی وجہ سے جد بزرگوار قاضی عبدالمقتدرؒ متفکر اور پریشان رہے - تو حضرت رکن الدین ابوالفتح سہروردی ملتانیؒ نے ایک شب قاضی صاحبؒ کو خواب میں بشارت دی کہ :-

"آپ کے گھر میں جو بچہ کی ولادت ہونے والی ہے وہ "ولی کامل" اور مشہور زمانہ ہوگا، اس کا نام میرے نام پر "ابوالفتح" رکھئے گا -

چنانچہ اس مناجی بشارت کے بعد ہی ۱۴ر محرم الحرام ۷۷۲ھ کو سرزمین دہلی میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، اور نام نامی "ابوالفتح" رکھا گیا - جس روز آپ تولد ہوئے تو قاضی عبدالمقتدرؒ کے دولت خانہ پر حضرت شیخ عثمان سیاحؒ کے مرید رشید حضرت جمال الدینؒ تشریف لائے اور یہ بشارت دی کہ جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ "ولی باکرامت ہے" اور اس سے آپ کا گھر پرنور ہوگا، ؎۳ گویا ان بزرگان دین کی بشارت سے ثابت ہوا کہ حضرت شیخ ابوالفتح جون پوریؒ مادر زاد باکرامت ولی کامل تھے"

(۲) **تعلیم و تربیت** چونکہ شیخ ابوالفتح جون پوریؒ کے والد گرامی شیخ عبدالحئیؒ نے قاضی

؎۳ تاریخ جون پور ص ۶۰۲ - اولیائے ہند و پاک ص ۱۶۷ ج ۲

عبدالمقتدرؒ کی حیات ہی میں حضرت شیخؒ کی ولادت سے قبل ہی وفات پائی اس لئے تعلیم و تربیت کی ذمہ داری قاضی عبدالمقتدرؒ پر آگئی۔ چنانچہ قاضی صاحبؒ نے اپنے پوتے کی نشو و نما اور تہذیب و اخلاق نگہداشت و پرداخت تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی اور بڑی عنایت و شفقت لطف و محبت سے اس ذمہ داری کو پورا فرمایا لہذا شیخ ابوالفتحؒ نے اپنے جد مکرمؒ کی مبارک آغوش اور ان ہی کے ظل عاطفت میں عمر کی ابتدائی منزل کو طے کیا اور جوان ہوئے، علوم دینیہ کی تحصیل و تکمیل بھی اپنے دادا جان ہی سے فرمائی۔ [۵۴]

(۳) احسان و تصوف: علوم ظاہری سے فراغت کے بعد اپنے جد محترم قاضی عبدالمقتدرؒ سے شرف بیعت حاصل کی چونکہ مادر زاد ولی تھے قلب مضطر میں یاد الٰہی کی چنگاری دبی ہوئی تھی، باطنی جوہر کی دولت لازوال سے مالا مال تھے اس لئے بیعت ہونے کے بعد یہ روحانی کمال اچانک ہونا شروع ہو گیا، قاضی صاحبؒ نے پوری توجہ سے طریقت کی تعلیم دی اور ذکر و شغل میں لگایا جس سے شیخ ابوالفتح جون پوریؒ نے احسان و تصوف اور محبت و معرفت کی وادی کو بہت جلد طے کر لیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس راہ میں کمالات سے نوازا کہ قاضی صاحبؒ نے اجازت و خلافت سے شرفیاب کر دیا [۵۵]

مرزا محمد اختر صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ:-

آپ (شیخ ابوالفتح جون پوریؒ) نے اپنے دادا (قاضی عبدالمقتدرؒ) سے تربیت (ظاہری و باطنی) پائی اور خرقۂ خلافت (و اجازت) حاصل کیا۔ بعد انتقال قاضی عبدالمقتدرؒ کی مسند خلافت چشتیہ پر متمکن ہوئے۔ [۵۶]

(۴) درس و افادہ: تحصیل کمال اور دادا کے انتقال کے بعد قاضی عبدالمقتدرؒ کی جانشینی بھی ملی جس کی وجہ سے شیخ ابوالفتح جون پوریؒ دہلی میں افادہ علوم درس و

---

[۵۴] نزہتہ الخواطر ص ۳ ج ۳۔ [۵۵] ایضاً ص ۳ ج ۳۔ [۵۶] تذکرہ اولیائے ہند و پاک ص ۱۷۷ ج ۲

تدریس وعظ وارشاد میں مصروف ہو گئے، جد مکرم رحمہ کے منصب اور جانشنی کو اسی انداز پر سنبھالا اور رشد وہدایت کی ذمہ داری کو نباہا کہ قاضی عبدالمقتدر کی یاد تازہ کردی۔ آپ کے انداز گفتگو اور شیریں کلامی نیز فصاحت و بلاغت نے لوگوں کے قلوب میں کشش پیدا کردی یہی وجہ ہے کہ سرزمین دہلی میں ایک مدت تک عوام وخواص کو علمی نفع پہنچایا اور روحانیت کا درس دیا۔ حکم مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی رح فرماتے ہیں کہ :-

درس وافاد بدار الملک مدۃ مدیدۃ ۔ ۵۴

شیخ ابوالفتح جون پوری رح نے ایک عرصہ دراز تک دارالسلطنت دہلی میں درس وافادہ کی بزم نورانی کو سجایا اور طالبان علوم کو سیراب کیا

اس لئے کہ قاضی عبدالمقتدر رح نے آپ کو درس و تدریس وعظ ونصیحت کی وصیت فرمائی تھی۔ چنانچہ اقبال احمد صاحب جون پوری لکھتے ہیں کہ :-

بموجب حکم و وصیت (جد بزرگوار قاضی عبدالمقتدر رح) تاحیات درس و تدریس اور فوائد علوم میں مشغول رہے۔ ۵۵

(۵) فتنۂ تیمور وسفر جون پور

دہلی علوم دینیہ اور راشد وہدایت کا مرکز تھا سکون وعافیت کے ساتھ علماء ومشائخ اللہ ورسول کا پیغام پہنچا رہے تھے اس چمن میں بہاری کے جھونکے چل رہے تھے جو مشام جان کو معطر و معنبر بنائے ہوئے تھے۔ مگر افسوس فتنۂ تیموری نے سر اٹھایا جس کی وجہ سے سارا نظام درہم برہم ہو گیا چمن اجڑنے لگا خزاں کا دور دورہ ہو گیا اہل علم وفضل حیرانی پریشانی میں مبتلا ہو گئے اسی بنا پر انھیں سفر کر کے دوسری جگہوں کا بسیرا لینا پڑا۔ چنانچہ اس وقت دیار...

---

۵۴ نزھۃ الخواطر ص ۳ ج ۳   ۵۵ تاریخ شیراز ہند ص ۲۰۳

..رپ میں دارالسرور جون پور ابراہیم شاہ شرقی کی علم دوستی و علماء نوازی سے
..ماء و مشائخ کا گہوارہ بن رہا تھا۔ اور سب کے سب یہیں کھنچے چلے آرہے
..ے مولانا قاضی محمد اطہر صاحب مبارک پوری لکھتے ہیں کہ:۔

۸۰۰ھ میں فتنۂ تیموری نے سر اٹھایا اور وسط ایشیاء کو روندتا ہوا ۸۰۱ھ
..ں دہلی پہنچ گیا۔ جس سے وہاں کے اہل علم پریشانی میں مبتلا ہو گئے ادھر جون پور
..ن و امان اور علم و علماء کا گہوارہ بن رہا تھا ان حالات میں خاص طور سے دہلی
..ے ادھی علماء و فضلاء اور ان کے تلامذہ و مسترشدین نے جون پور کا رُخ کیا
..ر دہلی کی تباہی کے نتیجہ میں جون پور کی آبادی ہوئی۔

مصائب قوم عند قوم فوائد۔ ۹

.. دیوان متنبی کا ایک مصرع ہے جس میں بقول ایک عالم و بزرگ کے کہ اس نے
..ری دنیا کا خلاصہ بیان کر دیا ہے کہ ایک قوم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں تو دوسری
..رف دوسری قوم اسی سے نفع مند و لطف اندوز ہوتی ہے ایک چمن اجڑتا ہے تو
..وسرا گلشن آباد ہو جاتا ہے ایک کا نقصان ہوتا ہے تو دوسرا نفع اٹھا لیتا ہے
..نیا کا سارا کاروبار و نظام اس انداز پر قائم ہے۔ چنانچہ فتنۂ تیموری سے بھی دلی کا
..شن اجڑ رہا تھا تو دارالسرور جون پور کا چمن آباد ہو رہا تھا اور تاجدار پورب
..راہیم شاہ شرقی نے علمی سرپرستی و علماء نوازی کو اپنا شیوہ بنا لیا تھا۔ مولانا
..ظام الدین ہروی رح کہتے ہیں کہ:۔

سلطان مبارک شاہ شرقی کے انتقال پر جب سلطان ابراہیم شاہ
شرقی سریر آرائے سلطنت ہوا تو امن و امان کی فضاء میں عوام و خواص

---

۹ رسالہ معارف اعظم گڑھ دسمبر ۱۹۷۴ء۔

صورت (فقر و فاقہ وغیرہ) دیکھ کر کہنے لگا کہ ایک مکان قریب مسجد
نہایت عمدہ ہے خرید لیجئے اگر پیسہ نہ ہو تو میرے پاس موجود ہے اور تھیلی
آپ کے آگے رکھدی آپ نے اس پیسہ سے وہ مکان خریدا اور
بتدریج خانقاہ تیار کرائی۔ [۱۴]

جناب اقبال احمد جون پوری لکھتے ہیں کہ:۔

کچھ روز بعد خزانۂ غیب آپ پہ ظاہر ہوا آپ نے مکان اور خانقاہ
تعمیر فرمائی۔ [۱۵]

(۷) کمالات | یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کی عظمت و شخصیت اس کے کما
ہی کے آئینے میں اُجاگر اور نمایاں ہوتی ہے، اس کا کردار اور کارنا
امتیازی شان و خصوصیات کو برقرار رکھتا ہے، فاضل العلامہ حضرت شیخ
جون پوری کی بلند ہستی بھی کچھ خصوصیات اور کمالات کا آئینہ دار ہے۔ چنا
حضرت مولانا حکیم عبدالحیٔ صاحب لکھنوی نے بہت بصیرت افروز اور
شاندار بیان اس سلسلہ میں دیا ہے فرماتے ہیں کہ:۔

کان عالما کبیرا بارعا فی الفقہ والاصول والکلام واللغۃ وقرض الشعر وقد منحہ اللہ سبحانہ القسط الاوفر من الفصاحۃ و البلاغۃ [۱۶]

یعنی شیخ ابوالفتح جون پوری اپنے دو
مایۂ ناز جید عالم دین فقہ اور اصول
میں باکمال اور فن لغت و کلام میں
تھے اور شعر گوئی میں خصوصی ذوق
حاصل تھا، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آ
فصاحت و بلاغت میں تو خاص ملکہ
امتیازی شان عطا فرمائی تھی۔

---

[۱۴] تذکرہ اولیائے ہند و پاک ص ۱۶۷ ج ۲۔ [۱۵] تاریخ جون پور ص ۹۰۔ [۱۶] نزہۃ الخو
ج ۳

بعض اوقات بھوک سے بدن میں لرزہ آجاتا تھا۔ [۱۲]

اقبال احمد صاحب، جون پوری لکھتے ہیں کہ:۔

واقعہ، امیر تیمور میں دوسرے اکابرین کے ہمراہ دہلی سے جون پور آئے
طریقۂ فقر و توکل بسر کرتے رہے اور فقراء کاملین کی خدمت میں حاضر
کر ریاضت فرماتے اور ایک بے مثالی حالت وجد میں رہا کرتے
ون پور آنے کے بعد بہت دنوں تک بلا مکان سایۂ دیوار کے
ے مجاہدہ میں مصروف رہے، کھانے پینے کا بھی کوئی انتظام نہیں
ا۔ اکثر بھوک کی وجہ سے ایسا ضعف پیدا ہو جاتا تھا کہ ہاتھ پیر
بنے لگتے تھے، اکثر آپ کے خاندان والوں اور مریدوں نے آپ کیلیے
کان رہائش وغیرہ کا انتظام کرنا چاہا مگر، آپ نے منظور
یں کیا۔ [۱۳]

غرضکہ قیام جون پور میں شیخ ابوالفتح جون پوریؒ نے سارے مصائب و
نگی برداشت کیا۔ مگر کسی پر بار نہیں بنے اور نہ کسی کے احسان مند
لیکن جب اللہ تعالیٰ نے عسر اور تنگدستی کو دور فرما کر یسر اور فراخدستی
یابی اور فتوحات کی بارش شروع ہوئی تو اپنی درس گاہ بھی تعمیر
ہاں سے علوم دینیہ کے چشمے پھوٹے اور اپنی خانقاہ بھی بنوائی جو رشد و
کا مرکز بنی اور جہاں سے وعظ و نصیحت کا نور پھیلا۔

اب مرزا محمد اختر دہلوی لکھتے ہیں کہ:۔

روز ایک سوداگر مرید قاضی عبدالمقتدرؒ کا آیا آپ کی یہ

ہ اولیائے ہند و پاک ص ۱۶۷ ج ۲۔　[۱۳] تاریخ شیراز ہند صفحہ ۲۶

لہذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دین کی دولت جد مکرم کی وراثت و خلافت سے نوازا
اور قاضی عبدالمقتدر کی وصیت بھی تھی اس لئے درس و تدریس ذکر و
ل وعظ و نصیحت وغیرہ ہی میں تا زندگی مشغول رہے۔
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ:۔

وصیت او بدوام درس و افادہ	قاضی عبدالمقتدر کی وصیت مبارکہ کے مطابق
مشغول، فصیح بود ؎	ہمیشہ درس و افادہ علوم ہی میں مشغول رہے
	ساتھ ہی حضرت شیخ فصیح اللسان بھی تھے۔

اس لئے دیار پورب ہی نہیں بلکہ پورے ہند و پاک میں آپ کا علمی اور روحانی فیض
لا اور آپ کی ذات اقدس سے علوم و فنون کا ارتقاء ہوا۔ مولانا ابوالحسنات
حب ندوی لکھتے ہیں کہ:۔

جون پور میں سلاطین شرقیہ کی علم پرستی کے باعث شیخ ابوالفتح،
شہاب الدین دولت آبادی۔ محمد افضل استاذ الملک، مولانا
الہداد۔ ملا محمود صاحب شمس بازغہ، مفتی عبدالباقی اور دیوان
عبدالرشید جیسے صاحب فضل و کمال پیدا ہوئے جن کا سلسلۂ فیض
تمام ہندوستان میں پھیلا ؎

تصریحات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ شیخ ابوالفتح جون پوری
ل و کمال کا مظہر علوم دینیہ کا مرکز اور رشد و ہدایت کا سرچشمہ تھے۔

معاصر دولت آبادی | ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی رح
ت شیخ ابوالفتح جون پوری رح کے ممتاز معاصر اور قاضی عبدالمقتدر رح کے

اخبار الاخیار ص ۱۷۵ ؎ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ص ۵۸

تلمیذ رشید تھے۔ امیر تیمور کی ہلاکت آفرینی اور فتنہ سامانی میں ملک العلما
بھی سفر جون پور فرمایا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح لکھتے ہیں کہ:

قاضی شہاب الدین ہمدراں واقعہ از دہلی بدآنجا رفتہ است [۱۹]

قاضی شہاب الدین رح بھی امیر تیمور
پردازی کے ایام میں دہلی سے جون پور
لائے تھے۔

اسی طرح شیخ دہلوی رح نے دوسری جگہ بیان کیا ہے کہ:۔

اما شہرت وقبولے کہ حق تعالیٰ اورا عطا کرد ہیچ کس را از اہل زمان او نکرد [۲۰]

یعنی جو شہرت وقبولیت حق تعا
قاضی شہاب الدین رح کو ان کے ہم
میں عطا فرمائی تھی کسی کو اس د

قاضی محمد اطہر صاحب مبارک پوری لکھتے ہیں کہ:۔

قاضی (شہاب الدین) صاحب جون پور میں کیا رونق افروز ہوئے ک
دیار پورب کی علمی وروحانی سلسلہ کی وہ تمام دولت جو دہلی میں لی
رہی تھی سمٹ سمٹا کر پھر پورب میں آگئی اور آٹھویں صدی میں او
کی جو روشنی دہلی کے میناروں پر ہو رہی تھی وہ نویں صدی شرو
ہوتے ہی جون پور کی فصیلوں پہ ہونے لگی، جس سے دیار پورب ب
بام و در چمک اٹھے اس طرح اس دیار کی متاع علم وفن پھر اس د
میں لوٹا دی گئی۔ ھذہ بضاعتنا ردت الینا [۲۱]

اور اسی دیار پورب جون پور میں شیخ ابو الفتح جون پوری رح بھی رونق افرو
ہو چکے تھے جن کے علم وفضل سے وعظ وتلقین سے بزم گرم رہا کرتی تھی

---

[۱۹] و [۲۰] اخبار الاخیار ص ۱۷۵ و ۱۸۰

[۲۱] معارف مئی ۱۹۷۱ء

صرت اور ہم وطنیت و رفاقت سے علمی مذاکرات، فقہی مسائل و جزئیات پر
و مباحثے بھی ہوتے تھے لیکن اس میں اس قدر شدت پیدا ہوتی چلی گئی کہ بسا
ت باہم مناظرہ بازی کی نوبت بھی آجاتی تھی، چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث
ح اس سلسلہ میں ایک مباحثے اور مناظرے کی طرف نشاندہی فرماتے ہوئے رقمطراز
ہ :-

با قاضی شہاب الدین در اصول و فروع فقہیہ بحثہا بود، خصوصاً در از گر بہ، مشکیں می چکد شیخ آنرا نجس ت قاضی بطہارت او می رفت [۲۲]	شیخ ابوالفتح رح کی قاضی شہاب الدین رح سے اصول کلامیہ اور جزئیات فقہیہ میں بحث ہوا کرتی تھی خصوصیت سے "زباد" جو مشک بلائی سے ٹپکتا ہے شیخ رح اسے ناپاک اور نجس فرماتے تھے اور قاضی صاحب رح اسے پاک قرار دیتے تھے۔

قاضی محمد اطہر صاحب مبارک پوری کا بیان ہے کہ :-

شیخ ابوالفتح بن عبدالحی بن عبدالمقتدر شریحی کندی متوفی ۸۵۳ھ
قاضی (شہاب الدین) صاحب کے استاد کے پوتے ہیں، جودت طبع
ور تبحر علمی میں دادا (قاضی عبدالمقتدر رح) کے جانشین تھے، فتنہ تیموری
میں وہ بھی دہلی سے جون پور چلے آئے تھے اُن میں اور قاضی صاحب
میں اکثر فقہی و کلامی مسائل میں بحث و مناظرہ ہوتا تھا دونوں ایک
ہی میدان کے مرد تھے مختلف فیہ مسائل میں داد تحقق دیا کرتے تھے
س سلسلہ میں ایک مرتبہ زباد دبلی نما ایک جانور سے نکلا ہوا خوشبودار
ادہ، کی طہارت و نجاست کی بحث چل پڑی، شیخ ابوالفتح ناپاک اور

---

[۲۲] اخبار الاخیار ص ۱۷۵

نجس مانتے تھے اور قاضی صاحب طہارت کے قائل تھے، انھوں نے
اس پر ایک رسالہ بھی لکھا جس میں زباد کی پاکی اور طہارت ثابت
کی، یہ بحث اتنی بڑھی کہ تلخی کی نوبت آگئی ۵۲۲

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ تحقیق طلب مسائل میں علمائے حقانی کے یہاں اخت
ہوا کرتے ہیں جو بلاشبہ وسعت و رحمت کا مظہر ہوتے ہیں اور ان حضرات کی
بیانی اور شیریں کلامی محض حق اور صرف حق کے لئے ہوتی ہے۔

(۹) شجرۂ بیعت | شیخ ابوالفتح جونپوریؒ کا شجرۂ بیعت اس طرح ہے
شیخ ابوالفتح شریحی کندی ثم جونپوری رحمہ من جدہ وشیخہ واس
مولانا قاضی عبدالمقتدر الدہلوی وھو من شیخہ واستاذہ شیخ نصیرا
محمود چراغ دہلوی وھو من شیخہ شیخ المشائخ محبوب الٰہی نظام الد
اولیاء دہلوی قدس اللہ اسرارہم ورحمہم اللہ تعالیٰ الیٰ آخر

۵۲۲ معارف جون ۱۹۷۱ء، تذکرہ نگار مناسب سمجھتا ہے کہ موضوع اختلا
حاصل بحث کو وضاحت سے بیان کردے تاکہ قارئین بھی معلومات میں اضافہ کرسکیں
"مشک بلائی" ایک جانور ہے جسے "صحرائی بلی"، بھی کہتے ہیں یہ شہری بلی سے قدرے بڑی ہوتی
اور کان بھی ذرا لمبا ہوتا ہے، رنگ بھورا خاکستری اور اس پر سیاہ دھاریاں ہوتی ہیں۔ یہ بری طرح
ہے، لیکن اس کے دم کے نیچے ایک تھیلی ہوتی ہے جس میں سے ایک خاص قسم کی خوشبو نکلتی ہے جو سفید
مائل اور کبھی سیاہ ہوتی ہے، اس جانور کو پنجرے میں بند کرکے بہت ہوشیاری اور ترکیب سے اس
تھیلی سے خوشبودار مادہ چمچے سے کھرچ کر نکالتے ہیں، شوقین حضرات محض خوشبو ہی حاصل کرنے کے
اسکو پالتے ہیں تو اختلاف نفس جانور کے حلال و حرام ہونے میں نہیں ہے کیونکہ وہ جانور تو بلا
حرام ہے۔ اختلاف اسکی خوشبو "زباد" یعنی خام مادۂ مشک کے بارے میں ہے کہ شیخ ابوالفتح جونپوریؒ
نجاست اور قاضی شہاب الدینؒ اسکی طہارت کے قائل ہیں (ملخصاً غیاث اللغات واردو کی جو
محمد ارشد عفا اللہ عنہ ۵ ۹/۴ مدرسہ مطلع العلوم بنارس۔

تصنیف وتالیف | شیخ کی کسی مکمل تصنیف کا تو پتہ نہیں ملتا ہے البتہ اس سلسلہ
و ملفوظات کا پتہ چلتا ہے جو گویا تالیف اور یادگار ہی کی حیثیت رکھتے ہیں
ں کا پتہ بھی شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے آپ کے تذکرہ کے ضمن میں دیا ہے، چنانچہ
نے اپنے جد محترم قاضی عبد المقتدرؒ کے ارشادات وہدایات کو جمع فرما کر ایک
مرتب فرمائی ہے جیسا کہ شیخ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:-

بدالوہاب کہ دریں زماں انجب اولاد
است می گوید کہ شیخ ابو الفتح کتاب
ظات جد خود جمع کردہ است[۲۴]

یعنی شیخ عبد الوہابؒ جو اس وقت شیخ ابو الفتح جون پوریؒ کی اولاد میں بزرگ وشریف تر ہیں وہ فرماتے ہیں کہ شیخ ابو الفتح رحمۃ اللہ علیہ نے جد مکرم قاضی عبد المقتدرؒ کے ملفوظات وارشادات کو ایک کتاب کی شکل میں جمع فرمایا ہے۔

گویا اس بیان کی روشنی میں یہ ثابت ہوا کہ "ملفوظات قاضی عبد المقتدرؒ" کے جامع
تب شیخ ابو الفتح جون پوریؒ ہیں

دوسری کتاب "ملفوظات شیخ ابو الفتح جون پوریؒ" ہے۔ جسے حضرت شیخؒ
ر کرام نے جمع کیا ہے۔ چنانچہ اس کا اشارہ بھی حضرت شیخ عبد الحق محدث
ؒ ہی کے ایک سلسلۂ بیان سے ملا ہے جیسا کہ ایک مقام پر لکھا ہوا ہے کہ:-

... ملفوظے کہ خلفائے او
ت کردہ اند الخ[۲۵]

وہ ملفوظات جسے شیخؒ کے خلفاء نے مرتب کیا ہے۔

ل ونصائح وغیرہ شیخ ہی کے ہیں مگر جامع اور مرتب آپ کے خلفاء حضرات
ریہ اہل بصیرت حضرات جانتے ہیں کہ کسی شیخ کے ملفوظات منسوب اُن ہی کے

(باقی صفحہ ۲۵۰ پر)

اخبار الاخیار ص ۱۷۵۔

مسلم علم الہیئت کی مختصر تاریخ

جناب شبیر احمد خاں صاحب ایم۔اے ایل ایل بی سابق رجسٹرار امتحانات
اتر پردیش۔ علیگڈھ

(۱) مسلم علم الہیئت کی ابتدا

افاضل اسلام نے علم ہئیت کی ترقی میں جو خدمات شائستہ انجام دی ہیں ان کی تفصیل علم و حکمت کی عالمی تاریخ کا درخشاں باب ہے جس کا انصاف پسند مستشرقین نیز دوسرے یورپی فضلاء نے بھی اعتراف کیا ہے۔

والفضل ماشھدت بہ الاعداءُ

چنانچہ کارادی "جس نے ورثہ اسلام" میں مسلمانوں کے ریاضی و ہیئت پر مقالہ لکھا ہے کہتا ہے:-

مسلمانوں نے سائنس کے اندر واقعی بڑے عظیم کمالات حاصل کئے۔ انھوں نے اعداد کی ترقیم کا طریقہ سکھایا، اگرچہ وہ ان کی ایجاد نہیں تھا۔ اور اس طرح وہ روزانہ زندگی کے علم الحساب کے بانی بن گئے۔ انھوں نے علم الجبر والمقابلہ کو ایک تحقیقی علم بنا دیا اور اُسے بہت زیادہ ترقی دی، نیز ہندسہ تحلیلی کی بنیاد ڈالی۔ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ علم المثلثات مستوی و کروی کے بانی وہی ہیں۔ جس کا سچ تو یہ ہے کہ یونانیوں کے یہاں وجود بھی نہیں تھا۔ علم الہیئت میں انھوں نے بہت سے قیمتی مشاہدات کئے۔"(۱)

---

(1) Carra de Vaux

اسی طرح مشہور مورخ ریاضیات کاجوری نے لکھا ہے۔

"ہمیں عربوں کے یہاں ایک قابل تعریف علمی سرگرمی نظر آتی ہے۔ خوش قسمتی سے انھیں علم دوست حکمراں ملے تھے جنھوں نے اپنی شاہانہ نوازشوں سے علمی تحقیقات کو ترقی دی۔ خلفاء کے دربار میں اہل علم اور سائنس والوں کے لئے کتب خانے اور رصدگاہیں موجود رہتی تھیں عرب (مسلمان) مصنفین کی کاوش فکر سے تصانیف کی ایک کثیر تعداد ظہور میں آئی۔ کہا جاتا ہے کہ عرب عالم تو ضرور تھے، مگر عبقری نہیں تھے لیکن اب جو معلومات ہمیں حاصل ہوئی ہیں۔ ان کے پیش نظر اس قسم کے تبصروں پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ انھیں (مسلمان فضلاء کو) بہت سے قابل اعتناء کمالات کا شرف اولیت پہونچتا ہے، انھوں نے تیسرے درجہ کی مساواتوں کو ہندسی اعمال کے ذریعہ حل کیا، علم المثلثات کو ایک نمایاں حد تک مکمل کیا۔ ان کے علاوہ انھوں نے ریاضیات طبیعیات اور فلکیات کے اندر بھی بے شمار اضافے کئے۔ (۱)

آگے چل کر یہی مصنف خصوصیت سے ان کی فلکیاتی مساعی کے بارے میں رقمطراز ہے:۔

"ان وجوہ کی بناء پر (ان علوم کے اندر مسلمان ہیئت دانوں کے یہاں) بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ ہیئتی جداول (زیجوں) اور آلات رصدیہ کی اصلاح کی گئی، رصدگاہیں تعمیر کی گئیں اور فلکیاتی مشاہدات کے پیہم سلسلوں کی رسم جاری کی گئی"۔ (۲)

ان تبصروں کا استقصاء موجب تطویل ہوگا۔ لیکن تاریخ فکر انسانی کا

---

(1) F. Cajori : History of Mathematics,

(2) Cajori: History of Mathematics, P. 1[illegible]

انتہائی افسوسناک المیہ ہے کہ باایں ہمہ ستائش و مدح سرائی مسلمانوں کی علمی مساعی کا کوئی تفصیلی جائزہ مرتب نہیں کیا گیا۔ صرف کارادی نے "ورثہ اسلام" میں اور نلینو[1] نے "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" میں موضوع پر مختصر مقالے لکھے ہیں مگر وہ صرف چند منتشر واقعات کی کھتونی ہیں، جن کے قلمبند کرنے میں کسی سائنٹیفک انداز ترتیب و تحریر کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

سائنٹیفک علمی تاریخ کا مفہوم انسانی کاوشیں خواہ فکری ہوں یا عملی، خلا میں پروان نہیں چڑھا کرتیں، بلکہ تاریخی عوامل ہی ان کا رخ متعین کیا کرتے ہیں۔ اس لئے کسی تحریک کے ارتقار کی سائنٹیفک توجیہ کے لئے اُن سیاسی و معاشراتی عوامل کا تجزیہ اشد ضروری ہے، جن کے زیر اثر وہ ظہور پذیر ہوئیں۔

فلسفۂ تاریخ کے اس اصول نے سب سے زیادہ مسلم علم الھیئت کے ارتقا کو متاثر کیا ہے اور اس کی تدریجی ترقی، سیاسی تقلبات ہی کی رہین منت ہے۔

ذیل میں اسی نقطۂ نظر سے مسلم علم الہیئت کا ایک مختصر جائزہ مرتب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۔ عہد رسالت میں علم الہیئت کی تاسیس

اسلام اور علم الہیئت کی ترغیب پچھلی مذہبی برادریوں کے برخلاف اسلام نے ایک تمدن پسند اور ترقی پذیر سماج کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس کا بنیادی اصول ہے کہ "لا رھبانیۃ فی الاسلام"، اس لئے جہاں وہ فلاح اخروی کے لئے تقوی اور پرہیزگاری کی تعلیم دیتا ہے، وہیں حیات دنیوی کو کامیاب بنانے کے لئے علوم حکمیہ کے حصول پر بھی زور دیتا ہے۔ کیونکہ دنیا مزرعہ آخرت ہے۔

---

(1) CARLO NALLINO,

چنانچہ وہ حکمت کو زندگی کی قدر اعلیٰ دخیر کثیر) قرار دیتا ہے :۔

ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا" (۱)	اور جسے حکمت ملی اُسے بہت بھلائی ملی۔

اور اس لئے وہ کائنات و مافیہا کے مشاہدے پر زور دیتا ہے :۔

اولم ینظروا فی ملکوت السمٰوت والارض وما خلق اللہ من شیٔ۔ (۲)	کیا انھوں نے نگاہ نہ کی آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور جو چیز اللہ نے بنائی۔

اور ان مشاہدات کائنات میں سب سے اہم اجرام سماوی کی سیر و گردش، ان کے طلوع و غروب اور ظہور و افول کا مشاہدہ ہے، کیونکہ اسی نے ہمارے جد امجد سیدنا حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی چشم جہاں بین کو توحید ربوبیت کے کحل الجواہر سے منور کیا، بقول اقبال

سکوت شام صحرا میں غروب آفتاب	جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل

چنانچہ جب آیۃ کریمہ :۔

"ان فی خلق السمٰوت والارض واختلاف اللیل والنہار" الی آخرالایہ

نزول ہوا تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ویل لمن لاکھا بین لحیتیہ ولم یتفکر فیھا" (۳)	تباہی ہے اس کے لئے جو اس آیت کی تلاوت کرتا ہے مگر اس کے معانی پر غور نہیں کرتا۔

اور یہ رجحان دیندار طبقے میں آخر تک برقرار رہا، چنانچہ امام غزالی فرماتے ہیں :۔

من لم یعرف الھیئۃ والتشریح فھو عنین فی معرفۃ اللہ تعالیٰ" (۴)	جو شخص ہیئت اور علم التشریح نہیں جانتا وہ معرفت باری تعالیٰ میں ناقص ہے۔

---

(۱) قرآن کریم سورہ بقر ۔ ۲۶۹ ۔ (۲) اعراف ۱۸۵

(۳) امام الدین ریاضی التصریح شرح تشریح الافلاک صفحہ ۳ ۔ (۴) ایضاً صفحہ ۳

اسی طرح امام غزالی کے ایک ہم عصر امام ابوالحسن انبیری کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک دن مشہور ہیئت دان شاعر عمر خیام کو علم ہیئت کا شاہکار "کتاب المجسطی" پڑھا رہے تھے، کسی فقیہ کا وہاں سے گزر ہوا اور انھوں نے دریافت کیا کیا پڑھا رہے ہو؟ ابوالحسن انبیری نے برجستہ جواب دیا، آیہ کریمہ "اولم ینظروا الی السماء فوقھم کیف بنیناھا" کی تفسیر کر رہا ہوں۔ (۱)

ظاہر ہے یہ تعلیم اور رجحان اسلامی فکر میں ہیئت و فلکیات کے ساتھ غیر معمولی اعتنا پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور شروع ہی سے اس علم کی طرف مسلمانوں کی توجہ ہو گئی۔

سائنٹفک علم الہیئت کی اساس	سائنٹفک علم الہیئت کا سنگ بنیاد عہد رسالت ہی میں رکھا گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے:۔

ہیئتی سرگرمیاں قدیم الایام سے انسان کا محبوب مشغلہ رہی ہیں۔ مگر امم قدیم کی بد نصیبی اور محرومی یہ تھی کہ انھوں نے اس علم کو جوتش کے ڈھکوسلوں کا آلۂ کار بنا رکھا تھا۔ دنیائے قبل از اسلام کا عظیم ترین ہیئت دان بطلمیوس ہے، مگر علم ہیئت میں اس کی ایک ہی تصنیف ہے لیکن ابن الندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں نجوم کے اندر اُس کی متعدد تصانیف کا ذکر کیا ہے (۲)، جن میں سب سے اہم "کتاب اربعۃ مقالات" تھی جس کا لاطینی ترجمہ (Quadripartitum) کے نام سے عرصہ دراز تک قرون وسطیٰ کے یورپ میں شائع و ذائع رہا۔ کیپلر عہد حاضر کا عظیم المرتبت ہیئت دان ہے مگر جوتش کے ڈھکوسلوں کے ساتھ اس کے اعتنا کے بارے میں گستاؤلی بان "تمدن عرب" میں رقمطراز ہے:۔

(۱) تتمہ صوان الحکمہ ۔ ۹۷ (۲) ابن الندیم: کتاب الفہرست ۳۷۵

"نجوم کا اعتقاد اُس زمانہ (دانغ بیگ کے زمانہ یعنی پندرھویں صدی مسیحی) کے کل مہندسین کو تھا جن میں یورپ کے مہندس بھی شریک ہیں۔ اور یہ اعتقاد ہمارے زمانہ کے بہت قریب تک رہا۔ خود کیلمہ کئی جنتریوں کا مصنف ہے جن میں انواع و اقسام کی پیشین گوئیاں کی گئی ہیں" (۱)

مگر یہ صرف اسلام ہی کا کارنامہ ہے کہ اُس نے اس علم کو خالص سائنٹفک بنیادوں [پر قا]ئم کیا۔ چنانچہ۔

ایک جانب اس نے اجرام سماوی کے مشاہدے پر اور اس مشاہدے سے جو [قوانین] مستخرج ہوتے ہیں، ان سے حیات دنیوی میں فائدہ اٹھانے پر زور دیا۔ قرآن [کہتا] ہے:۔

الذی جعل الشمس ضیاء والقمر	وہی ہے جس نے سورج کو جگمگاتا بنایا۔ اور
[نور]اً وقدرہ منازل لتعلموا عدد	چاند چمکتا اور اس کے لئے منزلیں ٹھہرائیں
[السـ]نین والحساب ما خلق اللّٰہ	کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جانو۔ اللہ نے
[ذلـ]ک الا بالحق یفصل الآیات	اُسے نہ بنایا مگر حق۔ نشانیاں مفصل بیان
[لقو]م یعلمون" (یونس ۵۰)	فرماتا ہے علم والوں کے لئے۔

دوسری جانب اُس نے ستاروں کو حوادث کائنات میں موثر ماننے کے جاہلانہ [عقید]ے کی بڑے منطقی انداز میں تردید کی۔ اُس نے کہا کہ اجرام سماوی کا ایک [بند]ھے ٹکے نظام میں سیر و گردش کرنا ان کے محکوم و مربوب ہونے کی دلیل ہے، بقول [اقبال]:۔

[و]ہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا	وہ خود فراخیٔ افلاک میں ہے خوار و زبون

---

[۱]گستاؤلی بان: تمدن عرب (اردو ترجمہ از سید علی بلگرامی) ۴۲۴

علم ہئیت کے فائدے اور اسلام | علم ہئیت کے دو اہم فائدے ہیں :-

پہلا فائدہ وقت شناسی اور گاہ شماری ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ مشہور جرمن مورخ اسپنگلر نے اپنی کتاب "انحلال الغرب" کے اندر وقت شناسی یا زمانہ کے احساس شدید ہی میں یورپ کی تہذیب حاضر کا پچھلی تہذیبوں پر فوقیت کا راز مضمر بتایا ہے"(۱) مگر اسلام نے ابتداء ہی سے وقت شناسی و گاہ شماری کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ عبادات ہوں یا معاملات، اُس نے سبھی کے اندر صحیح وقت کے تعین کا حکم دیا ہے: نماز پنجگانہ کے اوقات متعین ہیں اوقات ممنوعہ کے سلسلے میں آفتاب کے طلوع و غروب اور استواء کے وقت کو پہچاننا ضروری ہے۔ روزے کے اتمام کے لئے "خیط ابیض" کا "خیط اسود" سے ممتاز کرنا اور ابتدائے لیل کا تعین کرنا ہر روزہ دار کا فرض ہے۔ واجب زکوٰۃ کے لئے "حولان حول" کا تعین شرط اولین ہے۔ حج کے لئے ماہ ذی الحجہ کا پہچاننا فرض ہے۔ اسی طرح معاملات کے لئے خواہ نکاح و طلاق سے متعلق ہوں یا لین دین سے وقت پہچاننا ناگزیر ہے۔

علم ہئیت کا دوسرا بڑا فائدہ جس پر آج کے دن تک اچھا زرانی کا دارمدار ہے، یہ ہے کہ انھیں ستاروں کی مدد سے انسان لق و دق بیابانوں اور ناپیدا کنار سمندروں میں منزل مقصود کا راستہ دریافت کرتا ہے۔ اس کی طرف قرآن اشارہ کرتا ہے :-

"هو الذی جعل لکم النجوم لتهتدوا بها فی ظلمات البر والبحر قد فصلنا الآیات لقوم یعلمون" (۲)	اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے تارے بنائے کہ ان سے راہ پاؤ خشکی اور تری کے اندھیروں میں ہم نے نشانیاں مفصل بیان کر دیں علم والوں کے لئے۔

---

(1) SpingLer: Decline of the west, VoL.I P.133

(۲) انعام - ۹۷ -

اسلام اور تقویم کی اصلاح گاہ شماری کے سلسلے میں اسلام نے ایک انقلابی اصلاح کی۔ یہ مرو[illegible] تقویم کی درستی تھی۔ عرب قدیم کا سال خالص قمری ہوتا تھا۔ مگر بعد میں یہودیوں کی تقلید میں ان کا عمل بھی "شمسی۔ قمری" حساب پر ہوگیا۔ اس [illegible] نتیجے میں "تکبس" (لوند) کا رواج ہوگیا۔ مگر قلامسہ (۱) جنھیں "لوند" کے مہینے کا [illegible] کرنے کا مجاز تھا، علم حساب میں اتنی دستگاہ عالی نہیں رکھتے تھے، جس کا یہ اہم [illegible] منصب متقاضی تھا۔ بہت کچھ من مانے طور پر یا بااثر قبیلوں کے دباؤ میں ہوتا تھا جو اکثر فتنہ وفساد اور خانہ جنگی کی طرف منجر ہو جاتا تھا۔ اس لئے اسلام نے بڑ[illegible] سختی سے اس "تکبس" کی مخالفت کی اور اسے کفر کا مصداق ٹھیرایا

"انما النسئ زیادۃ فی الکفر یضل بھا الذین کفروا" (۲) — ان کا مہینے پیچھے کرنا نہیں مگر کفر میں اور زیا[illegible] اس سے کافر بہکائے جاتے ہیں۔

اور گاہ شماری کا مدار صرف چاند کی رویت پر رکھا۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے :۔

یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج (۳) — تم سے نئے چاند کو پوچھتے ہیں، تم فرمادو وہ [illegible] کی علامتیں ہیں لوگوں اور حج کے لئے۔

نیز سال مستقل طور پر (بغیر کسی کمی بیشی کے) بارہ مہینوں کا قرار پایا۔ قرآن کہتا ہے :۔

"ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ (۴) — بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک [illegible] مہینے ہیں، اللہ کی کتاب میں۔

اس طرح فطری تقویم پر عمل شروع ہوا جو آج کے دن تک بغیر کسی تبدیلی کے پور[illegible] عالم اسلام میں رائج ہے۔

---

(۱) ابوریحان البیرونی : الآثار الباقیہ۔ ۶۲ (۲) سورۃ توبہ۔ ۲۷ (۳) سورۃ بقرہ ۱۸۹
(۴) سورہ توبہ ۲۶

۲- خلافت راشدہ

جو کام عہد رسالت میں شروع ہوا، خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی جاری رہا
میں علم و حکمت کی ترقی بھی تھی - چنانچہ عہد صدیقی (۱۱- ۱۳ھ) میں قرآن جمع ہوا اور
رب العزۃ کی مصلحت بھی یہی تھی کہ اس اُمت میں جو پہلی کتاب مدون ہو وہ "اللہ
اب" ہو- عہد عثمانی میں اختلاف سے بچنے کے لئے اسی "مصحف صدیقی" کی
مختلف دیار و امصار میں بھیجی گئیں - لحن اور غلطی اعراب سے بچنے کے لئے علم
جود میں آیا- یہ کام حضرت علی کے ایما سے ابوالاسود دؤلی نے انجام دیا -

کے معاونِ کی ابتدا	علم ہیئت میں تبحر و تمہر کے لئے دو علموں کی خصوصیت سے ضرورت ہے حساب کی اور ہندسہ کی اور عہد فاروقی میں ان دونوں کی

پڑی -

جہاں تک علم الحساب کا تعلق ہے عربوں میں اس کی معلومات واجبی ہی واجبی
- باوجود کثرت الفاظ کے ان کی لغت میں "ہزار" سے بڑے عدد کے لئے کوئی لفظ
س تھا - مگر عہد فاروقی (۱۳- ۲۳ھ) میں بیت المال قائم ہوا- جس کے انتظام
ام کے لئے حساب دانی کی ضرورت تھی - ادھر عوام کی اقتصادی حالت اچھی
تھی اور وہ ترکہ میں بڑی بڑی رقوم چھوڑ جاتے تھے، جو احکام قرآنی کے مطابق
پسماندگان میں تقسیم ہوا کرتی تھیں - لہذا مناسخہ کے پیچیدہ مسائل پیدا ہونے
سے عہدہ برآ ہونے کے لئے حساب میں دستگاہ ضروری ہو گئی -

اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حساب بالخصوص علم الفرائض میں مہارت
کرنے پر خصوصی زور دیا، آپ فرمایا کرتے تھے -

"اذا لھوتم فالھوا بالرمی واذا تحدثتم فتحدثوا بالفرائض"[1]

: جب تم لوگ کوئی کھیل کھیلو تو تیر اندازی کا کھیل کھیلا کرو اور جب آپس میں

---

[1] تیمیہ : الرد علی المنطقیین -

(تشحید ذہنی کے لئے) گفتگو (بحث و مناظرہ) کیا کرو تو فرائض (متوفیوں کے پسماندگان
کے حصص وراثت) کے بارے میں کیا کرو]

اور جہاں تک علم ہندسہ کا تعلق ہے۔ یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہنوز عربوں کی
معشیت گلہ بانی سے آگے نہ بڑھ سکی تھی۔ لہذا مساحت اور پیمائش زمین کا جو زرعی
کی شرط اولین ہے سوال پیدا نہ ہوتا تھا۔ مگر جب ۱۶ھ میں سواد عراق کا علا
فتح ہوا۔ تو حضرت عمرؓ نے اسے خراج کے عوض مفتوحین ہی کے پاس رہنے
اس لئے تشخیص خراج کے لئے زمین کی مساحت کرائی گئی۔ یہ فریضہ عثمان بن حن
نے بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا (۱)

اس طرح اسلامی سماج کو مساحت میں درک حاصل ہوا جو علم ہندسہ کا سنگ
بنیاد ہے۔ خود مصر میں، جو علم ہندسہ کا گہوارۂ اولین ہے اور جہاں سے حکمائے یونا
فن سیکھ کر آئے تھے، علم ہندسہ کی ابتدا مساحت زمین سے ہوئی۔ اسی وجہ سے
علم کو آج تک "جیومیٹری" (پیمائش زمین) کہتے ہیں۔

ان دونوں علموں نے فوری طور پر تو ہئیت کی ترقی میں کوئی حصہ نہیں لیا
ہئیت کے پیچیدہ مسائل کے اخذ و ادراک کے لئے عوامی ذہن کو تیار کر دیا۔

علم ہئیت کی ترقی جہاں تک علم ہئیت میں ترقی کا تعلق ہے، اس عہد کے دو
واقعے قابل ذکر ہیں:۔

۱۔ وقت کی "دقیق پیمائی"(۲) کی تکمیل عہد رسالت میں ہو چکی تھی "کبیر
کی تکمیل حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ہوئی۔ ہوا یہ کہ آپ نے کسی عامل کو کہ
کام شعبان کے مہینے میں انجام دینے کا حکم دیا۔ عامل نے دریافت کیا کہ اس سا

(۱) البلاذری۔ فتوح البلدان: ۲۷۷

Micrometery (3) Macrometery.

ہیں یا اگلے سال کے۔ اس سے آپ کو "سن" کی ضرورت کا احساس ہوا اور آپ نے
بہ کرام کے مشورے سے "سن ہجری" کو جاری کیا جو جلد ہی پوری اسلامی دنیا میں مروج
(۱)

جب مختلف اقوام و ممالک کے باشندے مشرف باسلام ہونے لگے تو ان میں سے
اپنے ساتھ اپنے قومی معتقدات بھی لے کر آئے جن کے وہ عادی تھے۔ انھیں میں
ں کے سعد اور نحس ماننے کا خیال اور اس کے مطابق کام کرنے نہ کرنے کا دستور
خلیفہ وقت نے جو فرمان نبوی "من اتی منجما فلیس منا" پر عامل تھے
تی سے اس بد عقیدگی کا سد باب کیا۔

چنانچہ "نہج البلاغہ" میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خوارج
ب کے لئے جارہے تھے کہ ایک شخص نے کہا: امیر المومنین! اس وقت ستارے
ہیں ہیں، اگر آپ سفر فرمائینگے تو کامیاب نہ ہوسکیں گے۔ اس پر آپ نے بڑی
نکیر فرمائی اور ارشاد فرمایا:

ناس ایاکم وتعلم النجوم	اے لوگو! خبردار نجوم نہ سیکھنا، سوائے اس چیز کے
ں ئ بہ فی بر او بحر فانھا تدعو	جس سے خشکی اور سمندر میں رہنمائی ہوسکے، کیونکہ
، انہ المنجم کالکاھن والکاھن کالساحر	جوتش کہانت کا باعث ہے منجم کا حکم کاہن کا سا ہے
ر کالکافر والکافر فی النار"	اور کاہن جادوگر کے مانند ہے اور جادوگر کافر
	کی طرح ہے اور کافر دوزخی ہے۔

اشدہ نے جوتش کو موکد طور پر ممنوع قرار دیا اور اس طرح "علم الہیئت
Astron" کو نجوم یا "Astrology" کے ڈھکوسلوں سے آزاد کر کے
بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے زمین ہموار کردی۔ (باقی)

سعد: طبقات: الجزء الثالث: القسم الاول: ۲۰۲

دیوان حافظ مترجم

اردو ترجمہ پر ایک نظر

از مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی - ایم - اے پروفیسر حدیث وتفسیر مدرسۂ عالیہ
کلکتہ

اردو میں دیوان حافظ کے کئی ایک ترجمے شائع ہو چکے ہیں - ان میں سے بعض
کی اشاعت اس وقت ہوئی تھی جبکہ فارسی زبان و ادب کا روایتی ذوق ایک حد تک
لوگوں میں موجود تھا - آج کل کی فضا ترجمہ کے لئے کچھ زیادہ سازگار ہے - اور اردو ز
و ادب کا دامن رنگارنگ بیل بوٹوں سے سج رہا ہے - لیکن ترجموں کا سیل رو
جس تیزی سے امنڈا چلا آتا ہے اس کا بھیانک پہلو یہ ہے کہ عربی و فارسی ماخذوں سے
راست استفادہ کی صلاحیت کو کہیں ترجمہ کی وبا گھن کی طرح نہ کھا جائے - بہر حال کر
شاعر کے کلام کا ترجمہ اگر ہوا بھی تو اس سے بنیادی نقصان نہیں پہنچ سکتا - البتہ د
کے اصولی مراجع و ماخذ کے عامیانہ ترجموں کے نتیجہ میں اس قسم کا اندیشہ روز بروز
جا رہا ہے - ان تمام باتوں سے قطع نظر خود ترجمہ کی صحت اور قدر و قیمت کا مسئلہ الگ
ہے - اس میں شک نہیں کہ مترجم کی حیثیت سے جب کسی مستند اور پختہ کار شخص کا نام
نظر آتا ہے تو یک گونہ اطمینان ہوتا ہے کہ ترجمہ کا معیار قائم رہا ہوگا اور ذمہ داریوں
سے نبٹنے میں مترجم نے حتی الوسع کامیابی حاصل کی ہوگی - اگرچہ اکثر و بیشتر صورتوں میں تر
کا علمی جائزہ لینے کے بعد حسن ظن کا کم از کم مجروح ہونا ایک عام بات ہے -

پچھلے چند برسوں کے اندر دیوان حافظ کے اس ترجمہ کو خاصی مقبولیت ہو

نا قاضی سجاد حسین صاحب پرنسپل مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی کی کاوشوں سے فارسی
ور خصوصاً خواجہ حافظ شیرازی کے شیدائیوں کو میسر آیا۔ اس ترجمہ کی خصوصیت
د خواجہ کا فیضان لسان الغیبی کہنا چاہئے۔ کہ دونوں کا ملا جلا اثر یہ ہے کہ اب تک
جمہ کے کئی ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں۔ جو یقیناً نیک شگون ہے۔

اضی صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، ان کے رشحات قلم کے انتساب کے
جمہ کی صحت، روانی اور برجستگی میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ حاشیہ پر موقع و محل
تھ مختصر اور مفید اشارات بھی ملتے ہیں۔ کچھ دنوں پہلے فرصت کے لمحات میں
جمہ کا تیسرا ایڈیشن حسن اتفاق سے سامنے آگیا۔ میرے لئے یہ پہلا موقع تھا، لہذا
ی طور پر اس کی ورق گردانی شروع کی۔ خلاف توقع کچھ مقامات ایسے بھی نظر
ں قاضی صاحب کے ترجمہ سے مجھکو اتفاق نہ ہو سکا۔ ذیل میں ان مقامات
ھی کے ساتھ اپنا ناقص خیال پیش کر رہا ہوں۔ اور بعض غزلیات میں جو
سالم ابیات یا مصرعے ملتے ہیں ان کی تصحیفات سے بھی نبٹنے کی کوشش کی
فیصلہ اہل ذوق کے ہاتھوں ہے۔ ویسے ایک ضخیم دیوان کے ترجمہ میں گنتی
قامات میں کسر رہنا معمولی بات ہے جس سے اس معیاری ترجمہ کی اہمیت
ی۔ بہر حال اصل شعر یا مصرعہ کے ساتھ تحت اللفظی ترجمہ بقید صفحات اس کے
خیال علامت (م) کے تحت درج ذیل ہے۔

(۱) صفحہ ۲۹ الا یا ایہا الساقی ادر کاساً وناولہا

ت: آگاہ اے ساقی پیالے کا دور چلا، اور وہ دے

م: ہاں اے ساقی بھرے جام کا دور چلا اور اسے بڑھاتا رہ۔ ترجمہ میں
باتیں غور طلب ہیں۔ (۱) آگاہ کا لفظ کافی بوجھل معلوم ہوتا ہے اس کی جگہ
) پورے معنی ادا کرتا ہے۔ اور بظاہر ہلکا اور رواں ہے۔ (۲) وہ دے

ٹھیٹھ ہے. جس سے روانی میں فرق آگیا پھر (تا دلھا) کو مسلسل دیتے رہنے سے جو ت
ہے وہ اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ (دہ دے) کی جگہ (اسے بڑھاتا رہ یا دیتا رہ) کہیں
(۳) عربی زبان میں (کاس) بھرے پیالے کو کہتے ہیں۔ احمد بن محمد الفیومی (م ۷۷۱ھ)
نے صراحت کی ہے۔ ولا تسمی کاسا الا وفیہا الشراب (المصباح المنیر: ج ۲
مصر ۱۹۰۹ء) یعنی جب تک پیالہ میں مشروب نہ ہو۔ اس کو کاس نہیں کہتے۔ اگرچہ فیر
کے بیان کے ایک جزء سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیالہ میں مشروب کا ہونا (کاس) کہلانے کے
ضروری نہیں۔ لیکن عربوں کے کلام سے فیومی کی تائید ہوتی ہے، الاعشی کا مشہور

وکاس شربت علی لذۃ   واخری تداویت منہا بہا

غرض ترجمہ میں اس کا لحاظ رکھنا فائدہ سے خالی نہیں۔

(۲) صفحہ ۲۹: متی ماتلق من تہوی دع الدنیا وامحلہا

ت: جب تیری محبوب سے ملاقات ہو تو دنیا کو چھوڑ اور اس کو ترک کر دے

م: ترجمہ میں (متی) کو (اذا) شرطیہ کا ہم معنی قرار دیا گیا ہے۔ بہتر یہ ہے
اسے ظرف رہنے دیا جائے اور ترجمہ یوں کیا جائے: "کب، تیری ملاقات محبوب سے ہو
دنیا کو چھوڑ اور اسکو تج دے"۔ یعنی ترک دنیا کے بغیر وصال محبوب ممکن نہیں فاض
مترجم نے مزید توضیح یوں کی ہے (محبوب کے مشاہدہ کے وقت دنیا وما فیہا سے غافل
چاہئے)۔ حالانکہ بات سیدھی سی ہے کہ محبوب کا مشاہدہ مطلوب ہے تو پہلے د
وما فیہا سے کنارہ کش ہو جانا چاہئے۔

(امحلہا) بہ تقدیم (میم) لکھا ہے جیسا کہ عام نسخوں میں ملتا ہے۔ لیکن معتبر
قدیم تر نسخوں میں (اہملہا) بہ تقدیم ھائے ہوز ملتا ہے جو بالکل صحیح ہے ا
ترجمہ ہے (اس کو ترک کر دے)، امہال بہ تقدیم میم کے معنی موقع دینے یا مہلت د
ہیں۔ یعنی مطلق ترک کرنے کے معنوں میں (امہال) نہیں آتا۔ بلکہ ڈھیل د

...ت دے کر طلب کرنے کے معنی میں آتا ہے، الفیومی کی تصریح ہے: امھ لتہ، امھالا
...ں تہ وا خرت طلبہ (المصباح: ج ۲ ص ۹۰۱) ظاہر ہے کہ ترک علائق دنیوی
...سلسلہ میں یہ لفظ چسپاں نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا۔ اھملہا۔ بہ تقدیم ہائے ہوز کے
...ت ہونے میں شک نہیں۔ میم کی تقدیم تصحیف ہے جو متن میں علی حالہ رہ گئی
... اس کا اگر اعتبار کیجئے تو ترجمہ غلط ہوا اور اگر ترجمہ کو برقرار رکھئے تو متن میں
...یف باقی رہی۔ اس طرح بر موقع ترجمہ صحیح ہے لیکن متن محرف۔

(۱) صفحہ ۳۱: دل خرابی میکند دلدار را آگہ کنید زینہار اے دوستاں جان من و جان شما

ت: دل خرابی پیدا کر رہا ہے، محبوب کو آگاہ کر دو، ضرور اے دوستو! تمہیں میری اور تمہاری جان کی قسم۔

م: (زینہار) کے موقع استعمال مختلف ہیں۔ یہ موقع حسرت و افسوس کا ہے۔ صرف
... کا محل اگر قرار دیتے ہیں تو کچھ زیادہ معنویت پیدا نہیں ہوتی، اور اسے تسلیم بھی
... تو تاکید کا اظہار قسم کے لفظ سے ہو جاتا ہے، اس طرح (ضرور) کا لفظ بھرتی کا معلوم ہوتا ہے

صفحہ ۳۳: روزے تفقدے کن درویش بے نوا را

ت: کسی دن بے سامان فقیر پر مہربانی کر۔

م: کسی دن بے سامان فقیر کی بات پوچھ لے۔ اس طرح (تفقد) کا پورا مفہوم ادا
... ہوتا ہے، صاحب قاموس کی تصریح ہے۔ افتقدہ۔ وتفقدہ: اذا طلبہ عند
...غیبتہ اھ کسی کے غائبانہ اس کی بابت پوچھنا افتقاد و تفقد کے معنی ہیں۔

...) صفحہ ۳۳: در رقص، حالت آرد پیران پارسا را۔

ت: نیک بزرگوں کو رقص میں لے آئے گا

م: پاک باز بوڑھوں کو رقص میں لے آئیگا

صفحہ ۳۴: اے صبا گر بجوانان چمن باز رسی

ت: اے صبا چمن کے جوانوں کے پاس سے اگر تیرا گذر ہو۔

م: باز رسیدن' کے پورے معنی کی رعایت سے (پھر جو تیرا گذر ہو) کہنا چاہئے

(۷) صفحہ ۳۶: ترسم کہ صرفہٴ نبرد روز بازخواست + نان حلال شیخ ز آب حرام ما

ت: مجھے اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن۔ کہیں غلبہ حاصل نہ کرلے شیخ کی حلال
ہمارے حرام پانی سے۔

م: ترجمہ میں شعر کا مطلب الٹ دیا گیا ہے۔ شاید اسی موقع کے لئے کہا گیا ہے
(شعر مرا بمدرسہ کہ برد) مزید توثیق حاشیہ کی عبارت سے ہوتی ہے کہ (راہ عشق میں
کی وجہ سے کہیں ہم مغلوب نہ ہو جائیں) بہر حال کہنا یہ چاہئے کہ راہ عشق میں ہم
رندی، عجب نہیں کہ شیخ کی پارسائی پر غالب آجائے۔ ترجمہ یوں کرنا تھا (مجھے اندیشہ
ہے کہ قیامت کے دن غلبہ نہ پاسکے گی شیخ کی حلال روٹی ہمارے حرام پانی پر)
انہی معنوں میں خواجہ کا ارشاد دوسری غزل میں ہے۔

زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ رند از رہ نیاز بدار السلام رفت (ص ۲۰۶
نظر ایڈیشن)

(۸) صفحہ ۳۶: گو نام ما ز یاد بعمدا چہ می بری

ت: کہہ دینا جان بوجھ کر ہمارا نام یاد سے کیوں بھلاتا ہے۔

م: (یاد سے) بھرتی کا ہے۔ (از یاد بردن) کے معنی ہیں بھلانا۔ علاوہ بر
(بعمدا) الف پر تنوین کے ساتھ غالباً عربی کی رعایت سے ہے۔ لیکن عربیت کا خیال
کیجئے تو سرے سے الف کی یہاں گنجائش نہیں نکلتی۔ تب یہ واقعہ ہے کہ فصحائے عجم نے اس
اسی طرح الف کے ساتھ، اور اغلب یہ ہے کہ بلا تنوین استعمال کیا ہے۔ ترجمہ تفسیر
(عہد سامان) عنصر المعالی کی کتاب قابوس نامہ، اور خاقانی شروانی کے دیوان
میں اس کا استعمال اسی طور پر ہوا ہے۔ خواجہ ہمارے علم میں چوتھے شخص ہیں

فصحائے عجم کا یہ تصرف قابل ذکر تھا لہٰذا یہاں عرض کر دیا گیا۔ خواجہ نے اسے کبھی اصل کے مطابق بدون الف بھی استعمال کیا ہے فرماتے ہیں:۔

از چہ لعجمہ میکشی تیغ جفا بجان من۔ (ص ۴۴۲۴۔ زیر نظر ایڈیشن)

(۹) صفحہ ۳۶: ساغرِ مے در کفم نہ تا ز سر برکشم ایں دلق ازرق فام را

ت: میرے ہاتھ میں شراب کا پیالہ دے تاکہ دماغ سے اس نیل گون گدڑی کو نکال دوں۔

م: میرے ہاتھ میں جام مے دے تاکہ اپنے سر سے نیلی گدڑی کو اتار پھینکوں۔

(سر کا ترجمہ دماغ یہاں پر چسپاں نہیں ہے۔

(۱۰) صفحہ ۳۷: ساقی بگذار از کف خود رطل گراں را + تا خوش گذرانیم جہانِ گذراں را

ت: اے ساقی بھاری پیمانہ اپنے ہاتھ سے چھوڑ دے۔ تاکہ ناپائدار دنیا کو ہم اچھی طرح گزار دیں۔

م: (اپنے ہاتھ سے چھوڑ دے) کی جگہ (اپنے ہاتھوں بڑھا) کہنا تھا، دست ساقی سے رطل گراں کی طلب ہے۔ یہاں پر (چھوڑ دے) کہنا ایسا ہے۔ جیسے ساقی سے کہیں (پیمانہ پھینک دے) ۔ حافظ۔ تو خیر حافظ ہیں۔ کسی ادنیٰ شاعر کے تصور میں یہ بات نہیں آسکتی۔

(۱۱) صفحہ ۳۹: تفقدے نکند طوطی شکر خارا

ت: شکر خور طوطی پر مہربانی نہیں کرتا۔

م: لفظ (تفقد) کے اصل معنی کے لحاظ سے (خبر گیری نہیں کرتا) کہنا چاہئے۔ جیسا کہ گذر چکا ہے۔ (نمبر ۴)

(۱۲) صفحہ ۴۰: عاشقی آموز اندر سوختن پروانہ را

ت: جلنے میں پروانہ سے عاشقی سیکھ۔

م: جلنے میں پروانہ کو عاشقی سکھا

(۱۳) صفحہ ۴۰: از زہد ریائی توبہ کردہ پیش ازاں + پس بر و بکشائے آخر شب در میخانہ را

ت (دوسرا مصرعہ) پس جا آخری شب میں اس پر میخانہ کا دروازہ کھول دے

م: (جا) یا (اس پر) دو میں سے ایک حشو ہے اور بظاہر غلط

(۴) صفہ ۴۷: ہمچو ہاروتیم دائم بلائے عشق زار

کاش کہ ہرگز ندیدے دیدۂ ماروت را

م: متن میں (ہاروتیم) بہ ہائے ہوز ہے، ترجمہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ ہم اسے (ماروتیم) بہ میم صحیح سمجھتے اس کی دو وجہیں ہیں (۱) صنعت، تجنیس (۲) ہاروت کی طرح ماروت بر مستقل شعر، ہونا چاہیئے۔

(۵) صفہ ۴۷: کے شدے ہاروت درچاہ زنخدانش اسیر

گر نگفتے شمۂ از حسن او ماروت را

ت: ہاروت اس کی ٹھوڑی کے کنوئیں میں کیوں قید ہوتا؟ اگر ماروت اس کے حسن کا تھوڑا سا بھی بیان نہ کرتا۔

م: (نگفتے) کا فاعل ہاروت ہے ماروت نہیں۔ لہذا ترجمہ میں (اگر ماروت سے ..) ہونا چاہیئے۔ غالباً کاتب کی غلطی سے چھوٹ گیا ہے۔

(۶) صفہ ۵۲: بکام تا نہ رساند لبش مراچوں نائے

نصیحت ہمہ عالم بگوش من باد است

ت: جب تک اس کے ہونٹ مجھے میرے مدعا تک، نے کی طرح نہ پہنچائینگے، تمام دنیا کی نصیحت میرے کان میں ایک ہوا ہے۔

م: (نے کی طرح) کو (نہ پہنچائینگے) کے بعد رکھنا چاہئے، ورنہ بات نہیں بنتی۔

(۷) صفہ ۶۲: مراچوں اشک می اندازد از چشم ۔ نگارینے کہ عالم را پناہ ہست

ت: میری ہی آنکھوں سے آنسو کیوں بہاتا ہے؟ وہ معشوق، جو جہان کے لئے پناہ ہے

م: ترجمہ میں سوالیہ اسلوب اختیار کرنے کی وجہ معلوم نہیں۔ کہنا تھا یوں ــ

ھکو آنسو کے قطروں کی طرح آنکھوں سے گراتا ہے۔۔) (از چشم انداختن) کا محاورہ
اں معنی کے لحاظ سے (چشم انداز شدن) سے سمجھا جا سکتا ہے۔ فرق دونوں میں صرف
دیہ و لزوم کا ہے۔

(۱) صفحہ ۸۶ : در تاب توبہ چند تواں سوخت ہمچو عود + مے دہ کہ عمر در سر سودائے خام رفت

ت: تیری تپش میں اگر کی طرح کب تک جلا جا سکتا ہے۔ الخ

م: توبہ کی آگ میں اگر کی طرح کب تک جلا جا سکتا ہے۔ اس کا مضمون اشعار سابق سے تعلق
رکھتا ہے۔ ساقی بیار بادہ کہ ماہ صیام رفت   درده قدح کہ موسم ناموس و نام رفت

وقت عزیز رفت بیا تا قضا کنیم   عمرے کہ بے حضور صراحی و جام رفت

یا رمضان کے احترام میں جو توبہ کی تھی اب اس کی تلافی میں شکست توبہ ضروری ہو گئی۔

(۱۰) صفحہ ۸۷ : زیں قصہ ہفت گنبد افلاک پر صدا است ۔ کوتہ نظر ببیں کہ سخن مختصر گرفت

ت: اس قصہ سے آسمان کے ساتوں گنبد گونج رہے ہیں، کوتہ نظر کو دیکھ کہ اس نے
مختصر بات سمجھ لی۔

م: شاعر کا مقصود واضح نہیں ہوا، یوں کہنا تھا کوتہ نظر کو دیکھ کہ اس نے
اس قصہ کو معمولی سمجھا۔

(۱۱) صفحہ ۹۱ : ہر کہ خاک درمیخانہ بر خسارہ نہ رفت

م: ترجمہ میں رخسارہ سے صاف کی) کی جگہ (... صاف نہ کی) چاہیے۔ کاتب کی غلطی ہے

(۱۲) صفحہ ۹۴ : چہ وقت مدرسہ و بحث کشف و کشاف است

ت: مدرسہ اور تحقیق و کشاف کی بحث کا کیا وقت ہے۔

م: مدرسہ اور کشف و کشاف کی بحث کا کیا وقت ہے (کشف بھی کتاب کا نام ہے۔ اور
مطلب یہ ہے کہ بزدوی کی کشف الاسرار مراد ہے۔ جو اصول فقہ کی معروف کتاب ہے
اور درسیات کی صف اول میں کشاف زمخشری کی طرح شامل رہی ہے)۔

(۲۲) صفحہ ۱۱۴: چشم مخمور تو دارد ز دلم قصد جگر ترک مست است مگر میل کبابے دارد

ت: (مصرع ثانی) تیرا مست ترک شاید کباب کی طرف میلان رکھتا ہے۔

م: دوسرے مصرعہ میں سکتہ ہے غالباً (ترک مستت) کی تحریف ہے۔ مترجم کو اس پر انتباہ نہیں ہوا۔

(۲۳) صفحہ ۱۱۴: اگر نہ بادہ غم دل ز یاد ما ببرد

ت: اگر شراب دل کے غم کو ہماری یاد سے نہ بھلائے۔

م: (ہماری یاد سے) قطعاً دور از کار ہے۔ پہلے بھی گذر چکا ہے (نمبر ۸)

(۲۴) صفحہ ۱۲۶: بیفشاں جرعۂ بر خاک و حال اہل شوکت بیں

ت: ایک گھونٹ زمین پر لنڈھا دے اور اہل دبدبہ کی حالت پر غور کر۔

م: خم کا لنڈھانا مستعمل ہے، گھونٹ کا لنڈھانا، نامانوس، یوں کہنا تھا۔ (ایک گھونٹ زمیں پر چھڑک دے) خود افشاندن کا تقاضہ یہی ہے۔

(۲۵) صفحہ ۱۳۱: چوں نافہ بسے خون دلم در جگر افتاد

م: نافہ کی بابت حاشیہ پر ملتا ہے۔ (نافہ ہرن کا خون ہے جو شکم کے ایک حصہ میں جمع ہو جاتا ہے) یہ تشریح بدون تاویل سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ خون افتادن در... خواجہ کی پسندیدہ تعبیر ہے جو اس مصرعہ میں ملتی ہے۔ ایک غزل میں یوں فرماتے ہیں

چہ خوں کہ در دلم افتاد ہمچو جام، و شد (ص ۱۹۵)

یا ان کی مشہور غزل میں ہے۔ چہ خوں افتاد در دلہا (ص ۲۹)

(۲۶) صفحہ ۱۳۱: بار غم او عرض بہر کس کہ نمودند عاجز شد و ایں قرعہ بنام بشر افتاد

م: خواجہ کے زبان زد شعر: آسمان بار امانت الخ (ص ۱۵) کا مفہوم یہاں بھی ادا ہوا ہے۔ دونوں کا ماخذ آیت شریفہ (انا عرضنا الامانۃ — الخ) ہے

(۲۷) صفحہ ۱۳۱: گر جاں بدہد سنگ سیہ لعل نگردد با طینت اصلی چہ کند، بدگہر افتاد

ت: اگر کالا پتھر جان بھی دیدے تو لعل نہیں ہو سکتا۔ اصلی طبیعت کے مقابلہ میں بدگہر طبیعت والا کیا کرے

م: (دوسرا مصرعہ) اپنی اصلی طبیعت کو کیا کرے جو اصلاً بد واقع ہوئی ہے۔

صفحہ ۱۳۲: پیش از یں کایں سقف سبز و طاق مینا برکشید
منظر چشم مرا ابروے جاناں طاق بود

ت: اس سے پہلے کہ سبز چھت اور منقش طاق بنایا۔ میری آنکھ کا منظر ...وق کے ابرو کا طاق تھا۔

م: (منظر چشم) آنکھ کی پتلیوں کو کہتے ہیں، لہٰذا بہتر تھا یوں کہنا میری ...کی پتلیوں کے لئے معشوق کے ابرو کا طاق تھا)

صفحہ ۱۳۴: پاے خیال در دست مبادا کہ تر شود

م: کاتب کی غفلت سے (دوست) کا لفظ ترجمہ میں، چھوٹ گیا ہے

صفحہ ۱۳۵: کاں شوخ سر بریدہ بند زباں ندارد

م: ترجمہ میں (وہ) کاتب کی غلطی سے قلم انداز ہو گیا ہے

صفحہ ۱۳۵: مست است در رہ حق او کس ابن گماں ندارد

م: ترجمہ میں (کوئی) کاتب کی غلطی سے چھوٹ گیا ہے۔

صفحہ ۱۳۷: کسے کو کشتہ رویت نباشد

م: ترجمہ میں (مجھے) کاتب کی غلطی ہے۔ قلمزد کیا جائے۔

صفحہ ۱۳۷: چو فندق بستہ اش خندد بحالم۔ چرا بادام من گریاں نباشد

ت: اس کا بستہ فندق کی طرح میرے حال پر مسکرا رہا ہے الخ حاشیہ پر ...ہے: فندق ایک سرخ پھل ہے، انگلیوں کو اس سے تشبیہ دی جاتی ہے ...سے مراد منہ۔ الخ

م: حاشیہ نے بات اور الجھا دی۔ اصل بات یہ ہے کہ اس پھل کا مغز بستہ کی ...ہوتا ہے۔ تیسری صدی ہجری کا مشہور لغوی ابو منصور ازہری (م ۳۷۰ھ)

رقمطراز ہے: الغنق ق حمل شجرۃ مدحرج کالبندق یکسرعن لب کا لفظ
(المصباح المنیرج ۲ ص ۱۲۷) محبوب کے لب کو پستہ جس طرح کہتے ہیں۔ فندق
سے بھی تشبیہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ خود فارسی زبان کے لغت نویسوں نے بھی لکھا ہے
اگرچہ انگلیوں کو اس سے تشبیہ دینا بھی معروف ہے۔ مگر یہاں پر حنائی انگلیوں کے
معنی! ترجمہ یوں ہونا چاہئے (اس کے پستہ جیسے لب میرے حال پر مسکرا رہے ہیں)

(۳۴) صفحہ ۱۴۱: قد ہمہ دلبران عالم   در خدمت قامتت نگوں باد

ت: تمام عالم کے حسینوں کا قد تیرے قد کے حضور میں نیچا رہے۔

م: (نگوں) کا ترجمہ نہیں ہوا۔ یہ ترجمہ (پست) یا (کوتاہ) کا ہوا۔ صحیح یوں
(تیرے قد کے حضور میں جھکا رہے) خواجہ نے معاً بعد اسکی وضاحت فرما دی ہے

(ہر سرو کہ در چمن برآید   پیش الف قدت چو نون باد)

(۳۵) صفحہ ۱۴۳: چوں چنیں نیک ز سر رشتہ خود بےخبرم
آں مبادا کہ مددگاری فرصت نبود

ت: جبکہ میں بہت زیادہ اپنے انجام سے بے خبر ہوں، ایسا نہ ہو کہ فرصت
کی مدد نہ ہو۔

م: (دوسرا مصرعہ) ایسا نہ ہو کہ مدد کرنے کی فرصت نہ ہو۔

(۳۶) صفحہ ۱۵۵: نصیحت کم کن و مارا بفریاد دف و نے بخش
کہ غیر از راستی نقشے درین جوہر نمی گیرد

ت: نصیحت کم کر اور ہمیں دف و نے کی فریاد پر عنایت کر الخ

م: . . اور ہمیں دف و نے کی فریاد پر بخش دے۔

(باقی)

تبصرے

ندائے فرقان (سہ ماہی) مدیر محمد شہاب الدین ندوی، تقطیع ۲۲×۱۸،
عات ۴۸۔ کتابت و طباعت بہتر، سالانہ چندہ دس روپے۔ پتہ فرقانیہ اکیڈمی
ے، باناورہ بنگلور نارتھ۔

فرقانیہ اکیڈمی نے ایک خاص طرز کی متعدد کتابیں شائع کی ہیں اور اس سے قبل
ماہانہ رسالہ بھی جاری کیا تھا، اب یہ اسکا سہ ماہی ترجمان جاری ہوا ہے۔ جبکی
لی اشاعت ہے، فرقانیہ اکیڈمی ایک بہت ہی عظیم کام کا بیڑا اٹھا رہی ہے جسکی ہمت
ی عظیم الشان چلتے ہوئے ادارے بھی شاید نہ کرسکیں یعنی اسلام کی نشأۃ ثانیہ
کام کے لئے جس قدر وسائل جتنی تیاری اور سب سے بڑھ کر جیسے ہی باصلاحیت اور
م اسلامیہ کی کامل مہارت، اور علوم جدیدہ سے بھرپور واقفیت رکھنے والے
نسلوں کی ایک جماعت درکار ہے۔ یہاں وہ سب چیزیں ابھی ابتدائی مراحل میں
نظر نہیں آتیں، جذبۂ صادق اور عزم بلند اپنی جگہ مبارک، لیکن نامناسب
گا اگر ہم سفر سے پہلے زاد سفر فراہم کرلینے اور مسافر کو اپنی قوت، تول لینے کا مشورہ دیں،
ابتک فرقانیہ اکیڈمی نے جتنا کچھ بھی شائع کیا ہے تقریباً تمام کا تمام ایک خاص
وع پر ہے اس رسالہ میں بھی وہی رنگ غالب ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکیڈمی کے
اروں کے نزدیک اسلام کی نشأۃ ثانیہ میں سب سے زیادہ یا اصل اہمیت اسی موضوع
ہے، اسی طرح اس میں ایک کتاب کا تعارف کراتے ہوئے اس کو عظیم الشان تجدیدی
مہ کہا گیا ہے، ان چیزوں سے شبہ ہوتا ہے کہ اکیڈمی کے سامنے یا تو نشأۃ ثانیہ" اور

"تجدید" جیسے الفاظ کا صحیح اور پورا مفہوم نہیں ہے یا پھر اس کام کی ذمہ داریوں
احساس نہیں ہے۔ رسالہ میں جو چند مقاصد بیان کئے گئے ہیں ان میں سے ہر ایک ایسا
اگر فرقانیہ اکیڈمی ان میں سے کوئی ایک کام بھی صحیح طریقہ پر کر گذرے تو یہ اس کا
بڑا کارنامہ ہوگا، عربی دانوں کو انگریزی کی اور انگریزی دانوں کو عربی کی تعلیم دینا، تص
وتالیف کی مشق کرانا، لائبریری اور دارالمطالعہ، تحقیقی مرکز، دارالترجمہ اور دارالا
یہ سب اکیڈمی کے حصے ہیں۔ اچھا ہو کہ اکیڈمی لمبے چوڑے پروگرام بنا کر وسائل کے فق
سے پریشان ہونے کے بجائے اپنے موجودہ وسائل کے بقدر خاموشی سے کوئی خدمت
کرے اور رفتہ رفتہ حالات کے مطابق آگے بڑھتی رہے۔

بہرحال ہماری دعا ہے کہ فرقانیہ اکیڈمی سے خدا تعالیٰ اپنے دین اور اپنی کتاب
مقدس کی کوئی خدمت لے اور اسے پھسلنوں سے بچاتے ہوئے صحیح راہوں پر جاری

مناظرہ بھیمڑی - مرتبہ شبیر احمد راہی ایم - اے۔ تقطیع ۱۸×۲۲ - کتابت طبا
بہتر - صفحات ۱۴۴ قیمت تین روپے - ناشر:- انجمن اہل سنت والجماعت
بھیمڑی ضلع تھانہ (مہاراشٹر)

موجودہ دور میں ہر سمجھ دار سلیم الطبع انسان یہ بات تسلیم کرتا ہے کہ دو ف
کے باہمی اختلافات کو دور کرنے کے لئے مناظروں کا قدیم طریقہ غیر مفید بلکہ سخت مض
جب دونوں فریق اپنے کو حق پر اور دوسرے کو باطل پر سمجھنے اور ثابت کرنے پر مص
ہوں اور اپنی رائے میں ایک فیصد بھی نظر ثانی کی ضرورت نہ سمجھتے ہوں تو ایسے
ماحول میں جو بھی گفتگو ہوگی بالکل فضول اور ضیاع وقت بلکہ تفریق بین المسلمین
ذریعہ ہوگی۔ اور ہر فریق اپنے معتقدات پر مزید پختہ ہوگا۔
دیوبندی اور بریلوی طبقوں کے درمیان ماضی میں جو معرکہ آرائیاں رہی ہی

...رانکی وجہ سے فریقین کے درمیان جو بے اعتمادی اور نفرت کی فضا پیدا ہو گئی
ہے اس کے تحت اس کی امید کرنا کہ کوئی افہام و تفہیم کارگر ثابت ہو گی بالکل بے
معنی ہے۔ اگر کوئی کام کرنے کا ہے تو پہلے نفرت کو دور کر کے باہمی اعتماد پیدا کرنا ہے
اس کے بعد اس کا نمبر آتا ہے کہ کوئی بات کہی اور سنی جائے۔

یہ کتاب کسی مناظرہ کی روداد نہیں ہے جیسا کہ نام ظاہر کرتا ہے بلکہ ایک مناظرہ کے لئے
شرائط اور موضوعات طے کرنے کی مجلس میں جو بات چیت ہوئی ہے اس کی روداد ہے جو
ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے ضبط تحریر میں لائی گئی ہے۔ اس پوری کتاب کو پڑھ جایئے سطر
سطر اور لفظ لفظ میں آپکو طنز و تعریض تضحیک و تذلیل اور فقرہ بازی ملے گی اور ایک
دوسرے پر بے اعتمادی کا کھلا ہوا مظاہرہ ہوگا۔ ایسے حالات میں اس بات کی کیا توقع
کی جا سکتی ہے کہ فریقین ٹھنڈے دل سے کسی دوسرے کی بات پر معقول غور و فکر کر سکیں گے
جس مناظرہ کی شرائط طے ہونے میں ۱۴۴ صفحات سیاہ ہو گئے اور صرف ایک صفحہ کے
شرائط طے ہو سکے وہ مناظرہ خود کس قدر طول پکڑے گا۔ لطف یہ ہے کہ مناظرہ بازی
کے غیر مفید ہونے کا اس کتاب کے شائع کنندگان کو بھی احساس ہے لیکن ان کے
سامنے ان کی مجبوری یہ ہے کہ فریق ثانی نے ہمیں مجبور کر دیا اور دامن بچانے کی
کوشش کے باوجود ہمیں اس کے لئے آنا پڑا۔ سوال یہ ہے کہ فریق مخالف بھی اگر
یہی عذر کر دے تو ذمہ دار کون ٹھہرے گا؟ ہم نے کتاب کے مطالعہ کے بعد اصل وجہ
یہ سمجھی ہے کہ اول اول بھیمڑی میں متعدد ایسی تقریریں ہوئیں جن میں ایک فرقہ
کے عقائد پر تنقید کی گئی اس پر اس فرقے کے لوگوں نے بھی اپنے عقائد کو مدلل کیا
اس طرح دونوں طرف سے دلائل کا تبادلہ اور پھر کشیدگی پیدا ہو کر قدیم مناظرانہ
انداز کو تحریک ہوئی۔ اگر روز اول ہی سے اتباع سنت پر مثبت طریقہ پر توجہ دلائی
جاتی اور بدعت کو براہ راست نشانہ نہ بنایا جاتا تو امید قوی ہے کہ اس کی نوبت نہ آتی۔

اس کتاب کے ترتیب دینے اور شائع کرنے والے لوگ خاصے سنجیدہ اور باوق
ہیں مگر فریق مخالف کے لوگوں کا ذکر جگہ جگہ تہذیب سے گرے ہوئے الفاظ میں کیا گیا
ہماری سمجھ سے یہ بات بعید ہے کہ اس طرح کی کوششوں سے کوئی بھی اصلاح ہو گی
اور آپس کا کوئی بھی اختلاف دور ہو گا۔ آج ملک بھر میں سیکڑوں مقامات پر
دونوں قسم کے عقائد رکھنے والے مسلمان موجود ہیں، لیکن کہیں آپس میں مقابلے
مناظرے کی نوبت نہیں آتی اور اختلاف ہونے کے باوجود افتراق دپھوٹ نہیں
لیکن جن جن مقامات پر بدعت کے خلاف تقریریں ہوئی ہیں وہاں دونوں فری
باہم دست و گریباں ہوئے اور ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالا گیا۔

باہم گفت و شنید اسی وقت مفید ہو سکتی ہے جبکہ قرآن کریم کے بیان کر
جدال احسن کو اپنایا جائے اور وہ ایک مخصوص ماحول ہوتا ہے جبتک وہ ما
نہ ہو اس طرح کی کوشش ہی نہیں کرنی چاہئے۔ بہر حال ہم ایسی کوششوں کی ہمت
افزائی کرنے سے قاصر ہیں۔

"تذکرہ حضرت سید شاہ اسماعیل قادری رح" از محمد معین الدین اختر۔ ایم اے
تقطیع $\frac{20\times30}{16}$ صفحات ۱۲۷۔ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۴/۵۰
ناشر: انجمن اتحاد طلبائے قدیم اردو آرٹس ایوننگ کالج حیدرآباد۔

اہل اللہ اور مشائخ کاملین کے حالات اور ان کی تعلیمات اپنے اندر ایک
خاص تاثیر اور ایک خاموش اصلاحی پیغام رکھتی ہیں، ان کی زندگی بہت سے
بندگان خدا کے لئے مشعل راہ ثابت ہوتی ہے اسی لئے ہمیشہ سے ان حالات
کے مرتب کرنے شائع کرنے کا اہتمام رہا ہے لیکن ایک کمی جو اکثر تذکرہ نگاروں
یہاں پائی جاتی ہے اور جس کا بعض طبائع پر بالخصوص موجودہ دور میں اچھا

یں پڑتا وہ یہ ہے کہ ان کے اوصاف و کمالات میں بہت سی کرامات اور ایسی
یب و غریب چیزیں بھی شامل ہو جاتی ہیں جن پر ایک عام انسان کے لئے یقین
مشکل ہوتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ خوارق و کرامات دلیل بزرگی اور نشان
سان میں بھی نہیں اور نہ انھیں کسی دوسرے کے لئے کوئی سبق ہوتا ہے، بعد والوں
لئے جو چیز مفید ہو سکتی ہے وہ ان بزرگوں کے معمولات اور ان کی تعلیمات ہیں،
ں کی بات ہے کہ اب کچھ عرصہ سے تذکرہ نگاری کے باب میں یہ رجحان کم ہو چلا ہے
تبصرہ کتاب بھی بڑی حد تک رطب و یابس اور کشف و کرامات کے تذکروں
محفوظ ہے، لائق مرتب نے جو کچھ لکھا ہے تلاش و تحقیق اور کتابوں کی مراجعت
لکھا ہے، اس کے علاوہ بعض بیانات زبانی روایات سے بھی قلمبند کئے ہیں۔

کتاب کی ترتیب میں کئی جگہ ایک واقعہ کو متعدد حوالوں سے ذکر کرتے وقت ہر
ب کی پوری پوری عبارتیں نقل کی گئی ہیں اسی طرح سلسلہ نسب کئی کتابوں میں
ڑے تھوڑے فرق سے تھا تو ہر ایک کو جوں کا توں نقل کر دیا ہے ..... اس سے
ضروری طول ہو گیا ہے اس کے بجائے اگر سب کا خلاصہ لکھ کر دوسری کتابوں کے
کو واضح کر دیا جاتا تو زیادہ مناسب تھا۔

کتاب کی معمولی غلطیوں کے علاوہ ایک سقم یہ کھٹکتا ہے کہ اکثر مقامات پر ایک
کے حواشی دوسرے صفحہ پر لکھے گئے ہیں یہ چیز بدرجۂ مجبوری پوری کتاب میں
دو جگہ تو گوارا ہو جاتی ہے لیکن بار بار ایسا ہونا قاری کے لئے پریشانی کا باعث ہوتا ہے
۳۳ پر حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سے صاحب تذکرہؒ کی عقیدت مندی کے
ق ایک روایت نقل کی گئی ہے اس کو یہ کہہ کر رد کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ دوسرے
بزرگ کا ہے، ہمارے خیال میں اس میں کوئی مانع نہیں ہے کہ ایسا واقعہ
و بزرگوں کے متعلق ثابت ہو جبکہ دونوں ہی روایتیں زبانی یادداشتوں

پر مبنی ہیں۔

ص۲۱ : کی پہلی سطر میں القریشی کتابت کی غلطی ہے۔ القرشی ہونا چاہیے
اس لئے کہ یہاں اس کے تلفظ کا ہی فرق بتانا مقصود ہے۔ لیکن فاضل مرتب نے
اس فرق کو غیر ضروری اہمیت دیدی۔ چنانچہ دوبارہ ص۲۳ پر اس اختلاف کا
ذکر کیا ہے۔ حالانکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے لفظ قریش کی طرف نسبت
قریشی بھی آتی ہے اور قرشی بھی۔

بہرحال کتاب محنت اور توجہ سے لکھی گئی ہے امید ہے کہ بزرگان دین سے
عقیدت رکھنے والے بالخصوص حضرت صاحب تذکرہؒ کی درگاہ سے وابستگی
رکھنے والے حضرات اس کتاب سے مستفید ہوں گے۔		(طارق)

بقیہ صفحہ ۲۴۷

نام سے ہوتے ہیں۔ اگرچہ جمع و ترتیب کا کام متعلقین وغیرہ کرتے ہیں۔

(۱۱) وصال | یہ آفتاب عالمتاب ۱۴ ربیع الاول ۸۵۸ھ یوم جمعہ کو ضو
فشانی کرتا ہوا سرزمین جون پور میں غروب ہوگیا ۲۶ انا للہ الخ مزار پر انوار
جون پور میں ہے نور اللہ مرقدہٗ و رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

---

۲۶ ایضاً ص ۱۷۵۔

۱۹۵۴ء — حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ العلم والعلماء۔ اسلام کا نظام عفت و عصمت۔ تاریخ صقلیہ، تاریخ ملت جلد نہم

۱۹۵۵ء — اسلام کا زرعی نظام، تاریخ ادبیات ایران، تاریخ علم فقہ، تاریخ ملت حصہ دہم سلاطین ہند اول، تذکرہ علامہ محمد بن طاہر محدث پٹنی

۱۹۵۶ء — ترجمان السنہ جلد ثالث۔ اسلام کا نظام حکومت (طبع جدید مع اضافہ و ترتیب)، جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد دوم، خلفائے راشدین اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات

۱۹۵۷ء — لغات القرآن جلد پنجم، صدیق اکبر، تاریخ ملت حصہ یازدہم سلاطین ہند دوم، انقلاب روس، روس میں انقلاب کے بعد

۱۹۵۸ء — لغات القرآن جلد ششم، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، تاریخ گجرات، جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد سوم

۱۹۵۹ء — حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط، ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، مصائب و کوائف۔

۱۹۶۰ء — تفسیر مظہری اردو پارہ ۲۹-۳۰۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط، امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام۔

۱۹۶۱ء — تفسیر مظہری اردو جلد اول، مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط، اسلامی کتب خانے، عرب جدید، تاریخ ہند پر نئی روشنی

۱۹۶۲ء — تفسیر مظہری اردو جلد دوم۔ اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں، معارف الآثار۔ نیل سے فرات تک۔

۱۹۶۳ء — تفسیر مظہری اردو جلد سوم، تاریخ ردہ، برکشی ضلع بجنور، علمائے ہند کا شاندار ماضی اول

۱۹۶۴ء — تفسیر مظہری اردو جلد چہارم، حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط، عرب و ہند عہد رسالت میں، ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں۔

۱۹۶۵ء — ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد اول۔ تاریخی مقالات، لادینی دور کا تاریخی پس منظر، ایشیا میں آخری نوآبادیات

۱۹۶۶ء — تفسیر مظہری اردو جلد پنجم، رموز عشق۔ خواجہ بندہ نواز کا تصوف و سلوک۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں۔

۱۹۶۷ء — ترجمان السنہ جلد چہارم، تفسیر مظہری اردو جلد ششم، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ

۱۹۶۸ء — تفسیر مظہری اردو جلد ہفتم، تین تذکرے۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، اسلامی ہند کی عظمت رفتہ۔

۱۹۶۹ء — تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم، تاریخ الفخری، حیات ذاکر حسین، دین الٰہی اور اس کا پس منظر

۱۹۷۰ء — حیات عبدالحی، تفسیر مظہری اردو جلد نہم، مآثر و معارف، احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت

۱۹۷۱ء — تفسیر مظہری اردو جلد دہم، بیماری اور اس کا روحانی علاج، خلافت راشدہ اور ہندوستان

۱۹۷۲ء — فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، انتخاب الترغیب والترہیب، اخبار التنزیل، عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برہان

مرتبہ
سعید احمد اکبرآبادی

مطبوعات ندوۃ المصنفین دہلی

۱۹۳۹ء اسلام میں غلامی کی حقیقت۔ اسلام کا اقتصادی نظام۔ قانونِ شریعت کے نفاذ کا مسئلہ۔ تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام۔ سوشلزم کی بنیادی حقیقت۔

۱۹۴۰ء غلامانِ اسلام۔ اخلاق و فلسفۂ اخلاق۔ فہم قرآن۔ تاریخ ملت حصہ اول "نبی عربی صلعم"۔ صراط مستقیم (انگریزی)

۱۹۴۱ء قصص القرآن جلد اول۔ وحی الٰہی۔ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات حصہ اول۔

۱۹۴۲ء قصص القرآن جلد دوم۔ اسلام کا اقتصادی نظام (طبع دوم بڑی تقطیع مع ضروری اضافات) مسلمانوں کا عروج و زوال۔ تاریخ ملت حصہ دوم "خلافتِ راشدہ"۔

۱۹۴۳ء مکمل لغات القرآن مع فہرستِ الفاظ جلد اول۔ اسلام کا نظامِ حکومت۔ سلطریہ۔ تاریخ ملت حصہ سوم "خلافتِ بنی امیہ"

۱۹۴۴ء قصص القرآن جلد سوم۔ لغات القرآن جلد دوم۔ مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت (کامل)

۱۹۴۵ء قصص القرآن جلد چہارم۔ قرآن اور تصوف۔ اسلام کا اقتصادی نظام (طبع سوم جس میں غیر معمولی اضافے کیے گئے)

۱۹۴۶ء ترجمان السنہ جلد اول۔ خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ۔ جمہوریہ یوگوسلاویہ اور مارشل ٹیٹو۔

۱۹۴۷ء مسلمانوں کا نظمِ مملکت۔ مسلمانوں کا عروج و زوال (طبع دوم جس میں سیکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے اور متعدد ابواب بڑھائے گئے ہیں) لغات القرآن جلد سوم۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ۔

۱۹۴۸ء ترجمان السنہ جلد دوم۔ تاریخ ملت حصہ چہارم "خلافتِ ہسپانیہ"۔ تاریخ ملت حصہ پنجم "خلافتِ عباسیہ اول"

۱۹۴۹ء قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات (حکمائے اسلام کے شاندار کارنامے (کامل) تاریخ ملت حصہ ششم "خلافتِ عباسیہ دوم" بصائر۔

۱۹۵۰ء تاریخ ملت حصہ ہفتم "تاریخ مصر و مغربِ اقصیٰ" تدوینِ قرآن۔ اسلام کا نظامِ مساجد۔ اشاعتِ اسلام، یعنی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا۔

۱۹۵۱ء لغات القرآن جلد چہارم۔ عرب اور اسلام۔ تاریخ ملت حصہ ہشتم "خلافتِ عثمانیہ"۔ جارج برنارڈ شا۔

۱۹۵۲ء تاریخ اسلام پر ایک طائرانہ نظر۔ فلسفہ کیا ہے؟ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد اول (جس کو از سرِ نو مرتب اور سیکڑوں صفحوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ کتابتِ حدیث۔

۱۹۵۳ء تاریخ مشائخ چشت۔ قرآن اور تعمیرِ سیرت۔ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برہان

جلد ۸۰ | جمادی الثانی ۱۳۹۸ھ مطابق مئی ۱۹۷۸ء | شمارہ ۵

فہرست مضامین

نظرات

کہتے ہیں بغداد میں جب مدرسہ نظامیہ قائم ہوا تو علمائے ربانیین کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی، لوگوں نے کہا یہ تو خوشی کی بات ہے۔ ماتم کرنے کا کیا موقع ہے؟ بولے اب تک علم دین خالصۃً لوجہ اللہ حاصل کیا جاتا تھا۔ اس لئے جن میں یہ حوصلہ ہوتا تھا وہی اس کا طالب اور جویا ہوتا تھا۔ لیکن اب علم دین بھی منجملہ دوسرے ذرائع کے ایک ذریعۂ معاش ہو جائے گا اور اس میں وہ پہلی سی خیر و برکت نہ رہے گی۔

ہر صاحب نظر مسلمان حسرت اور افسوس کے ساتھ محسوس کرتا ہے کہ آج ہمارے ملک میں اور دوسرے ممالک میں بھی مدارس عربیہ کی جو تعداد ہے اور اس میں بروزہ اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے، پھر ان مدارس میں اساتذہ، طلبا اور منتظمین کارکنان کی جو بھیڑ ہے ان مدارس کی جو آمدنی اور ان میں چندوں کی جو ریل پیل ہے وہ اب سے پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ مگر ساتھ ہی علمائے ربانیین، اساتذۂ فن، اور الراسخون فی العلم کی پیداوار بہت کم ہوگئی ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ آج عربی اور علوم دینیہ کی تعلیم بھی انگریزی تعلیم اور دوسرے ذرائع معاش کی طرح ایک بہت اچھا ذریعۂ معاش ہوگئی ہے، ایشیا اور افریقہ کے مسلم یا نیم مسلم ممالک کی آزادی، ان کے ترقیاتی منصوبے اور پھر عرب ممالک میں زر سیال کے سمندر کی طغیان آفرینیاں، عربی اور اسلام کے نام پر عرب سرمایہ دولت کے ابر کرم کی بارش، بحیثیت زبان کے انگریزی اور فرانسیسی کی طرح عربی کی ضرورت اور اہمیت ابھی غور کیجئے گا تو معلوم ہوگا کہ یہی وہ چیزیں ہیں، جو

باعث عربی کے مدارس دینیہ ایک جسدِ بے روح کے مانند ہوتے جا رہے ہیں۔ مدارس
عربیہ کی اصل غرض و غایت دین کی خدمت تھی، جب وہ باقی نہیں رہی تو اوس کا اثر
نصابِ تعلیم، طلبا کی اخلاقی اور دینی تربیت پر بھی پڑ رہا ہے سوچنا چاہیے کہ
آخر وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص حجۃ الوداع کے موقع
پہ ارشاد فرمایا: وانی لستُ اخشی علیکم ان تشرکوا بعدی، ولکن اخشی
علیکم الدنیا ان تنافسوا فیہا، فتہلکوا کما اہلک من کان قبلکم: متفق علیہ
یعنی لوگو! مجھے تم سے اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے
البتہ ہاں! تم سے اس کا اندیشہ ہے کہ تم دنیا پہ ریجھ جاؤ گے، اگر ایسا ہوا تو جس طرح
تم سے پہلی قومیں ہلاک ہو گئیں تم بھی اسی طرح ہلاک ہو جاؤ گے۔

ظاہر ہے اس صورتِ حال کی اصلاح کا کام ایک، دو مدرسوں کے کرنے کا نہیں، بلکہ
بیماری چونکہ اجتماعی ہے اس لئے سب کے مل جلکر کرنے کا ہے، اس سلسلے میں بڑی خوشی
کی بات ہے کہ صوبہ بہار کے علماء و اربابِ مدارس نے پہل کر کے دوسرے صوبوں کے
مدارس کے لئے ایک بہت اچھا نمونہ قائم کیا ہے، اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بہار
میں عرصہ سے ایک نہایت باا ثر اور فعال ادارہ "امارت شرعیہ" کے نام سے قائم ہے
اور اوس کی وجہ سے صوبہ کے مسلمانوں کے اسلامی اور دینی کام منتظم ہیں۔ چنانچہ اسی
"امارت شرعیہ" کی تحریک اور دعوت پر اور اسی کی سرپرستی میں صوبہ کے تمام
ملحقہ اور غیر ملحقہ مدارس کا ایک عظیم الشان کنونشن ۳۱ر مارچ سے ۲ر اپریل تک
جامعہ رحمانیہ مونگیر میں منعقد ہوا جس میں صوبہ کے حضرات علماء و اربابِ مدارس
کے علاوہ دیوبند، ندوۃ، علی گڈھ، کلکتہ اور دوسرے مقامات کے علماء، اور اربابِ
دانش و تعلیم نے بھی شرکت کی۔ تین دن کے بحث و مباحثہ اور مذاکرہ و گفتگو
کے بعد کنونشن میں جو تجاویز منظور ہوئی ہیں وہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ موجودہ

زمانہ میں علوم دینیہ کی حفاظت وبقا، اون کی تدریس اور نشر واشاعت اور خالص دینی مقصد کے پیش نظر مدارس اسلامیہ کی تنظیم جدید کے جو تقاضے اور مطالبات ہیں، کنونشن کو ان سب کا بخوبی احساس ہے اور اون کو پورا کرنے کے لئے جو اقدامات ضروری ہیں۔ کنونشن نے اون کی طرف پہلا قدم اٹھا دیا ہے، کنونشن کی تجاویز بڑی سیر حاصل ہیں وہ نصاب تعلیم میں اصلاح سے متعلق بھی ہیں اور تعلیمی اعتبار سے مدارس کا معیار بلند کرنے اور مدارس میں باہم یکجہتی، ربط اور ہم آہنگی پیدا کرنے سے متعلق بھی، اس مقصد کے پیش نظر ایک جنرل کونسل کی تشکیل بھی عمل میں آئی ہے جو کنونشن میں منظور شدہ تجاویز کو عمل میں لانے اور اس سلسلہ میں مدارس کے کاموں اور اون کی ضرورتوں کی تکمیل، رہنمائی اور اون کی نگرانی کی ذمہ دار ہوگی اس موقع پر کنونشن نے پونے دو سو صفحات کا ایک مجلہ بھی شائع کیا ہے جس کے مرتب مولانا محمد ولی رحمانی ہیں۔ اس مجلہ میں عربی و دینی تعلیم اور اوس کے مباحث ومسائل و دیگر متعلقات سے متعلق بڑے اچھے کارآمد اور مفید مضامین مختلف اصحاب علم کے قلم سے ہیں۔ غرض کہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ صوبہ بہار کے مدارس عربیہ و اسلامیہ کا یہ مشترکہ اجتماع اغراض ومقاصد اور نتیجہ و کارکردگی کے اعتبار سے ہندوستان کے مدارس کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا پہلا مبارک اقدام ہے، جس پر یہ سب حضرات مبارکباد کے مستحق ہیں خدا کرے دوسرے صوبوں کے مدارس بھی اپنے لئے اسی طرح کی تنظیم کا سروسامان کر سکیں۔

لیجئے! افغانستان میں بھی انقلاب ہوگیا، جنوب مشرقی ایشیا اس وقت انقلابات کی زد میں ہے، جو کچھ ہوگیا سو ہوگیا۔ لیکن کوئی نہیں بتا سکتا کہ ابھی اور کیا کیا ہونا ہے، کیونکہ حالات ہر جگہ اتھل پتھل ہیں، قرار وسکون کہیں نہیں ہے نظریہ

سُودی دادوستد

(۲)

مولوی محمد نعیم صدیقی ندوی ایم اے (علیگ) رفیق دارالمصنّفین اعظم گڈھ

...اور تجارتی سُود

آج مجوزین سود یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس زمانے میں سود کی حرمت نازل ہوئی تھی اس وقت صرف شخصی اور مہاجنی ...رواج تھا۔ یعنی ایک شخص اپنی کسی ذاتی ضرورت مثلاً جاں بلب مریض کے معالجہ ...ور وکفن میت کو دفنانے کے لئے سرمایہ دار اور مہاجن سے سودی قرض لیا کرتا ...جو یقیناً انسانیت سوز حرکت تھی۔ اس کی حرمت تو قرین عقل معلوم ہوتی ہے لیکن ...ت جو کمرشل انٹرسٹ اور بینکنگ سود کا رواج ہے اور جس کے ستونوں پر آج ...ت کا ایوان قائم ہے اس کا وجود عہد رسالت میں نہ تھا۔ لہٰذا سود کی حرمت صرف ...سم تک محدود رہے گی اور موخر الذکر نوع شامل نہ ہوگی۔

...اول تو یہ منطق ہی غلط ہے کہ جن چیزوں کی قرآن میں ممانعت فرمائی گئی ہے ...صرف ان ہی اشیاء تک محدود رہے گا جو نزول قرآن کے وقت رائج تھیں ...تنا زمانہ کے ساتھ ان میں جو تجدد و تنوع پیدا ہوتا ہے اس پر حرمت اثرانداز ...نہ ہوگی۔ اگر اس اصول کو حاشا صحیح تسلیم کرلیا جائے تو پھر قرآن میں فحشاء ...چند متعین شکلیں بیان کی گئی ہیں ان کی حرمت وہیں تک محدود رہے گی۔ اور مرور ...کے ساتھ معاشرہ میں جو نوع بنوع فحشاء ایجاد ہوتے گئے ان کو خدانخواستہ

جائز ہی ہونا چاہئے ۔ مثلاً قرآن نے قمار اور جوئے کی ممانعت کی ہے جسے میسر اور از
سے تعبیر کیا ہے ۔ مگر آج قمار کی دسیوں ترقی یافتہ قسمیں لاٹری، معمہ بازی اور انشور
وغیرہ کی شکل میں موجود ہیں مذکورہ اصول مفروضہ کی بنیاد پر اس قسم کے قمار کو جا
ہونا چاہیئے (العیاذ باللہ) ظاہر ہے اس باطل اصول کو تعلیمات اسلام کی حلت و حرمت ک
معیار قرار دیئے جانے کے بعد شریعت کی عمارت ہی متزلزل ہوئی جاتی ہے ۔ اس
کہ آج فحشاء منکر کی جتنی صورتیں بھی موجود ہیں ان کی ظاہری ہیئت پہلے سے یکسر
گئی ہے ۔ لہذا شراب حرام ہے خواہ وہ دیسی ٹھرا ہو یا سیل بند وھسکی اور بیئر جو
ہے خواہ معمولی بازی ہو یا لاٹری اور معمہ کی خوشنما شکل میں ۔ زنا کاری حرام ہے خواہ
و تاریک کوٹھیوں میں ہو یا شاندار کلبوں اور پر رونق بالاخانوں پر بالکل اسی طرح
بہر حال حرام ہے خواہ شخصی و صرفی ضروریات کے لئے ہو یا تجارتی اور کاروباری اغرا

پھر تاریخی حیثیت سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ عہد رسالت میں جہاں مہاج
کا رواج تھا وہیں تجارتی اغراض کے لئے بھی سودی داد و ستد عام تھا ۔ بلکہ آ
یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربٰوا الخ کی شان نز
میں جتنے واقعات مفسرین عظام نے نقل کئے ہیں، سب سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ
کاروبار کے لئے باہمی سودی لین دین عام تھا ۔ اور اس کے بقایا کی کافی رقمیں آ
دوسرے کے ذمہ واجب الادا تھیں جن کا وہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی مطا
کر رہے تھے ۔ مذکورہ آیت نے نازل ہو کر بقایا سودی رقموں کو چھوڑنے اور صرف ر
المال لینے کا حکم دیا ۔ چنانچہ تفسیر درمنثور میں ہے کہ :

"حضرت عباس اور خالد بن الولید کا شرکت میں کاروبار تھا ۔ اور
دوران کا لین دین طائف کے قبیلہ بنو ثقیف کے ساتھ تھا ۔ حضرت عباس
کی ایک کثیر رقم سود کے حساب سے بنو ثقیف کے ذمہ واجب الادا تھی جس کا

انھوں نے بنی ثقیف سے مطالبہ کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم قرآنی کے تحت اپنے چچا حضرت عباسؓ کو سود کی اتنی بڑی رقم چھوڑ دینے کا حکم دیا۔[1]

علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں اس آیت کی شان نزول پر بہت وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو عمرو اور بنو مغیرہ میں زمانہ جاہلیت سے باہم سودی لین دین چلا آرہا تھا۔ جب دونوں قبیلے یکے بعد دیگرے مشرف باسلام ہوگئے تو بنو عمرو کی ایک بڑی رقم بحساب سود بنی مغیرہ کے ذمہ واجب الادا تھی۔ جب انھوں نے مطالبہ کیا تو بنو مغیرہ نے دینے سے انکار کر دیا۔ بالآخر معاملہ قاضی کے واسطہ سے بارگاہ رسالت میں پیش ہوا اور آپ نے بحکم ایزدی اس کے لینے کی ممانعت فرمادی[2] یہ واقعہ البحر المحیط۔ روح المعانی، تفسیر ابن جریر، تفسیر کبیر، فتح القدیر اور خازن وغیرہ سب میں قدرے فرق کے ساتھ موجود ہے۔ جن سب کا ماحصل مشترک یہی ہے کہ سودی کاروبار بڑے پیمانے پر تجارتی اغراض کے لئے کیا جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں جو الفاظ کتب تفسیر میں مذکور ہیں ان میں بھی کسی التباس کی گنجائش نہیں ہے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:۔

کان ربا یتبایعون بہ فی الجاھلیۃ[3]۔	یہ ایک ربا تھا جس کے ساتھ جاہلیت کے لوگ تجارت کرتے تھے۔

تفسیر قرطبی میں اس سے بھی زیادہ تصریح ہے:

ھذا حکم من اللہ لمن اسلم من کفار قریش ومن کان یتجر ھناک[4]۔	اللہ کا یہ حکم ان کے لئے ہے جو تجارت پیشہ کفار قریش و ثقیف میں سے مسلمان ہوگئے تھے۔

---

[1] تفسیر درمنثور ج ۱ ص ۳۶۶۔ [2] عمدۃ القاری ج ۵ ص ۵۳۶۔ [3] تفسیر درمنثور ج ۱ ص ۳۶۶ [4] تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۳۶۱۔

ان تصریحات کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ سودی داد و ستد
اور عرفی حاجتوں تک محدود نہ تھا بلکہ عموماً بالکل اسی طرح سے کاروبار ہوتا تھا جیسے
آج ایک کمپنی دوسری کمپنی سے کرتی ہے۔ بنو ثقیف کا تمول و ترفہ مشہور عام اور
زبان زدِ خلائق ہے۔ ابو حیان نے انھیں سب سے زیادہ سود لینے والا لکھا ہے
بنی مغیرہ بھی تجارت پیشہ متمول قبیلہ تھا۔ اسی طرح حضرت عباس اور عثمان غنی رضی اللہ
بھی مالدار اشخاص تھے۔ یہ دونوں دوسرے تاجروں سے سودی معاملات کیا کرتے

بیع اور ربا کا فرق

آج کی طرح ہر زمانہ میں یہ سوال اٹھایا جاتا رہا ہے کہ آخر بیع اور ربا
میں فرق کیا ہے؟ منافع کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں کہ جس طرح
کوئی شخص مثلاً ایک کپڑا دس روپے میں خرید کر گیارہ میں فروخت کرے تو یہ جائز
ہے اسی طرح اگر کوئی دس روپے کو گیارہ روپے میں فروخت کرے تو جائز ہونا
چاہیے۔ یا جس طرح سامان اور مکان کرایے پر دے کر نفع اندوزی جائز ہے
اسی طرح نقدین کو بھی کرایہ پر دے کر اس کا نفع لینا جائز ہونا چاہیے۔ یہ اشکال سب
سے پہلے بنو ثقیف کے ذہنوں میں ابھرا جیسا کہ ابو حیان اندلسی نے اپنی تفسیر میں نقل
کی ہے۔ [۱] اور اسی لیے جب حرمت سود کے سلسلہ کی آخری آیت کا نزول ہوا تو
انھوں نے اپنی ذہنی کجروی کی بنا پر اس اعتراض کو دہرایا کہ انما البیع مثل الربوٰ
ظاہر ہے بنو ثقیف کا یہ انداز استہزائی تھا۔ کیونکہ بیع کی حلت میں تو کسی شبہ کی
گنجائش نہ تھی اس لئے کہا یہ جا سکتا تھا کہ "ربا بھی مثل بیع کے حلال ہے" لیکن انھوں
نے بیع کو ربا کے مماثل ٹھیرایا یعنی اگر ربا کو حرام کہا جائے تو بیع کو بھی حرام کہنا ہوگا
خداوند قدوس نے معاً ان کے قول کو باطل اور مردود قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا
"احل اللہ البیع وحرم الربوٰ" یعنی بیع کو ہم نے حلال کیا ہے اور ربا کو حرام۔

[۱] البحر المحیط ج ۲ ص ۳۳۵۔ [۲] ایضاً۔

درحقیقت بیع در ربا میں ایک نہایت نمایاں فرق تو یہ ہے کہ بیع وشراء (تجارت)
دونوں طرف مال ہوتا ہے۔ ایک کے بدلے میں دوسرا مال لیا جاتا ہے۔ اس کے
خلاف قرض و ادھار میں جو زیادتی سود کے نام پر لی جاتی ہے اس کے مقابلہ میں
ئی مال نہیں ہے بلکہ ایک میعاد ادائیگی ہے۔ اور ظاہر ہے یہ میعاد کوئی مال نہیں جس کا
اوضہ اس زیادتی کو قرار دیا جائے۔ امام فخر الدین رازی نے سود و تجارت کا فرق واضح
تے ہوئے ایک مستند قول نقل کیا ہے کہ:

"قفال نے ان دونوں کے درمیان جو فرق ہے اسے واضح فرمایا ہے۔ کہتے
ہیں کہ جو کوئی دس کا کپڑا بیس میں فروخت کرتا ہے۔ تو وہ اسکو بیس کے
مقابل سمجھتا ہے تو بس جب رضامندی حاصل ہو جائے تو مالیت بھی ایک
دوسرے کے برابر ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنے ساتھی سے کوئی شے بغیر معاوضہ
کے نہیں لیتا۔ لیکن اگر وہ دس روپے کو بیس میں فروخت کرتا ہے تو اس
طرح وہ دس بغیر معاوضہ کے وصول کرتا ہے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ وہ کہے کہ
اس کا معاوضہ مدت ادائیگی ہے۔ کیونکہ مہلت نہ تو مال ہے اور نہ ایسی
شے ہے جس سے استفادہ کیا جا سکے۔ چہ جائیکہ اس زائد دس کو مہلت
کا معاوضہ قرار دیا جا سکے۔"[1]

بیع وسود میں بنیادی فرق معاوضہ کی صحت کا ہے۔ یعنی اصل سے زائد جو
رقم لی جا رہی ہے۔ اس کا معاوضہ کیا ہے۔ اگر اس کے مقابلہ میں کوئی ایسی چیز ہے
جسے از روئے شریعت وعقل معاوضہ کہا جا سکے تو وہ زیادتی منافع صحیح یعنی تجارت
ہوگی ورنہ سود۔ مثال کے طور پر ایک شخص کپڑے کی تجارت کرتا ہے اس میں وہ

---

[1] تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵۳۴۔

ہر طرح کی مالی و جانی مشقتیں اٹھا کر مشتری کے لئے سامان مہیا کرتا ہے اور پھر اپنی محنت و مشقت کے لئے وہ مشتری کی رضامندی سے کچھ زائد رقم وصول کرتا ہے جسے برضا و رغبت انگیز کر لیتا ہے۔ یہ زیادتی یقیناً جائز ہے۔ اور شریعت اسلامیہ میں مستحسن ہے۔ لیکن اس کے برخلاف ایک سرمایہ دار کسی کو دس ہزار روپیہ قرض دیتا ہے اس سے وہ معاہدہ کرتا ہے کہ ایک سال کے بعد پندرہ سو ادا کرنے ہوں گے۔ اب اگر مدیون نے یہ رقم کسی ذاتی ضرورت سے لی تھی تو اس میں صرف ہو گئی۔ وہ روپیہ ربح سے کے اس طور پر دے رہا ہے کہ اس نے اس رقم سے کوئی آمدنی نہیں کی۔ اور اگر تجارت کے لئے قرض لیا تھا تو اس میں منافع ہر حال میں ضروری نہیں۔ ممکن ہے خسارہ ہو جائے تو پھر اسے کل روپیہ اپنے ہی پاس سے ادا کرنا ہو گا۔ اب یہ زیادتی جو دہ پانچ سو کی دے رہا ہے وہ کس مد میں ہے؟۔

مستغربین اور مجوزین سود کی جانب سے اکثر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آج دنیا میں کاروبار کی جو نوع بنوع شکلیں رائج ہیں ان کے اندر روح اور اسپرٹ کو تلاش کرنا چاہیے کہ وہ بیع کی ہے یا ربا کی۔ اگر ربح (تجارت) کی روح غالب ہے تو وہ جائز بیع ہو گی۔ اور اگر ربا کی اسپرٹ کارفرما ہو گی تو وہ سود ہو گا۔ لہٰذا کمرشیل انٹرسٹ کو اگر دیکھا جائے تو اس میں ربح کی روح غالب ہے۔ کیونکہ مدیون جو سود کی رقم دائن کو ادا کرتا ہے وہ اپنے پاس سے نہیں بلکہ اس نے قرض پر حاصل کردہ رقم کو تجارت میں لگا کر اس سے اتنا نفع کمایا کہ اس کا ایک معین حصہ وہ دائن کو دے دیتا ہے۔ مثلاً کسی نے ایک ہزار روپے بشرح سود چالیس روپے لئے۔ اب وہ ان سے تجارت کر کے سو روپے ماہانہ نفع حاصل کرتا ہے۔ جس میں سے بآسانی چالیس روپے دائن کو دے کر بقیہ خود رکھ لیتا ہے۔ اس معاملہ سے دونوں کو فائدہ ہے۔ کسی کا نقصان نہیں۔ لہٰذا کمرشیل انٹرسٹ کو جائز ہونا چاہیے۔

یہ صرف ایک مغالطہ ہے۔ ورنہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کمرشیل انٹرسٹ میں ربا ہی کی روح کارفرما ہے۔ جسے قرآن حکیم نے لاتظلمون ولاتظلمون اور [illegible]ور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لاضرر ولاضرار کے جامع الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ سوال [illegible]ہے کہ جب آپ نے سود پر ایک ہزار روپے قرض لے کر تجارت میں لگائے تو اس بات کا کیسے تیقن ہو گیا کہ اس میں ہر ماہ غیر معمولی منافع آئے گا۔ ممکن ہے۔ آپ دیوالیہ [illegible]جائیں۔ اس وقت تو آپ کو اصل ہی کے لالے پڑیں گے، مزید برآں سود کا بوجھ۔ [illegible]ن تو آپ کی مصیبت کا ذرا سا بھی خیال کئے بغیر اپنی کل رقم مع سود بلکہ بسا اوقات [illegible]در سود وصول کرلے گا۔ ایسی صورت میں آپ کے ساتھ ظلم شدید ہوا۔ اور اگر آپ نے [illegible] رقم سے غیر معمولی منافع حاصل کیا اور اس میں سے صرف متعینہ سودی رقم دائن کے [illegible]لہ کر کے بقیہ پر خود قابض ہو گئے تو یہ دائن کے ساتھ ظلم ہوا۔ اور یہ کہنا صحیح [illegible]یں ہے کہ کمرشیل انٹرسٹ میں ڈائن (خواہ وہ مہاجن ہو، کمپنی ہو، یا بینک ہو) اپنے [illegible]یون کی تباہی کا منتظر نہیں رہتا۔ اس کو تو فائدہ اسی صورت میں ہے کہ آپ کی کاروباری [illegible]سکیم فیل ہو جائے۔ یا وہ کسی آفت ارضی و سماوی سے دوچار ہو جائے۔ جس کے نتیجہ میں [illegible]اس کی سودی رقم ہر ماہ بڑھتی چلی جائے۔

حالانکہ شریعت کا صریحی منشا یہ ہے کہ فائدہ ہو تو دونوں کا ہو اور نقصان میں [illegible]ی دونوں برابر کے شریک و سہیم ہوں۔ کسی فریق پر ظلم نہ ہو اسی لئے اس نے ہر اس باہمی [illegible]عاملہ کو ممنوع قرار دیا جس میں کسی ایک فریق پر زیادتی کا احتمال ہو۔ خواہ وہ زیادتی [illegible]اہمی رضامندی ہی سے کیوں نہ ہو۔ اگرچہ میرے نزدیک یہ کہنا بھی غلط ہے کیونکہ کوئی [illegible]بھی قرضدار سودی رقم خندہ جبینی سے نہیں دے سکتا۔ اور تحت الشعور میں جذبہ [illegible]نفرت ضرور موجود ہوگا اور ... بھی اس کے دلی ارادہ کا ترجمان ہے۔

شریعت نے اس قسم کی تجارت کے لئے مضاربت کی شکل نکالی ہے۔ ایسا

بہت ہوتا ہے کہ ایک شخص بڑے سرمایہ کا مالک ہے لیکن بدقسمتی سے وہ کسی کاروبار کی صلاحیت سے قطعی نابلد ہے۔ اور ایک دوسرا شخص تجارتی ذہن اور صلاحیت سے بہرہ ہے مگر کاروبار کے لئے وافر سرمایہ سے محروم ہے۔ شریعت نے اس کی جائز صورت یہ نکالی ہے کہ مذکورہ دونوں قسم کے اشخاص شرکت میں (مضاربت) کاروبار کریں یعنی ایک اپنا سرمایہ لگائے اور دوسرا اپنی محنت، ذہانت اور تجربہ کام میں لائے۔ اس سے جو نفع حاصل ہو اس میں دونوں مساوی شریک ہوں۔ اور اگر نقصان ہو تو اس میں بھی دونوں شامل رہیں۔

سود اور صدقہ اللہ جل شانہ نے غریبوں کی دلجوئی کے لیے مالداروں کو ان کی مدد اور تعاون پر بھی ابھارا ہے۔ اور قرآن کی بیشتر آیات کے اندر اہل ثروت کو ناداروں کی مدد کرنے پر ثواب و انعامات کی خوش خبریاں سنائی گئی ہیں۔ مزید برآں اسلام میں ایک متمول انسان کا اخلاقی فرض ہے کہ جو لوگ بالکل محتاج ہیں صدقہ و زکوٰۃ کے ذریعہ ان کی اعانت کرے اور جو لوگ صدقہ و زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہیں تو انھیں بلاسودی قرض دے کر مدد کرے۔ اور اگر وہ مدت معینہ پر ادا نہ کر سکے تو مزید احسان یہ کرے کہ مہلت دے دے۔ اس کے بخلاف سود خوری حرص و فسادت قلب کو بڑھا کر اعانت کے ان دونوں طریقوں کا سد باب کر دیتی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں قرآن میں جہاں سود کا ذکر آیا ہے وہاں صدقہ و زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین کی گئی ہے۔ کیونکہ سود اور صدقہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کی بنیاد اخلاق، تناصر و تعاون، اور اخوت اور مودت کی اعلیٰ قدروں پر ہے۔ جس سے امیر و غریب باہم مربوط ہوتے ہیں اور نسبی تعلق سے زیادہ قوی تعلق دونوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اور سود کی بنیاد بخل، حرص وطمع اور فسادت قلب پر ہے۔ جس سے ناداروں اور اہل ثروت میں انتہائی بعد پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے امام رازی فرماتے ہیں کہ "صدقہ اور سود دونوں باہم اضداد ہیں۔

قات میں ایک شخص اپنے مال کا زائد حصہ دوسرے کو دیتا ہے اور ربا میں دوسرے کا
حصہ خود حاصل کرتا ہے تو جس مذہب نے صدقات کا حکم دیا۔ اس میں سود کس
ح جائز ہو سکتا ہے[1]۔ خدائے تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یمحق اللہ الربا و یربی الصدقات۔ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

اس کے ذیل میں امام موصوف رقمطراز ہیں: "ربا میں فی الحال زیادتی معلوم ہوتی
لیکن حقیقت میں نقصان ہے، اور صدقہ صوری حیثیت سے نقصان معلوم ہوتا ہے۔
معناً وہ بڑھوتری ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بظاہر سود خوار کا مال بڑھتا ہے لیکن انجام کار
ہوتا ہے[2]۔" رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا "ربا زیادہ ہو تو کم
جاتا ہے"۔ جو شخص ممانعت کے باوجود سود لیتا ہے اس کے مال سے برکت رخصت ہو جاتی
۔ اور بالآخر کسی نہ کسی صورت سے وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ علامہ محمد الخضری لکھتے ہیں۔
"اور قرآن مجید نے یہ بیان نہیں کیا کہ بیع کیا ہے۔ اور سود کسے کہتے ہیں۔ قرآن مجید
سامعین کے نزدیک یہ ایک جانی ہوئی بات ہے اور قرآن مجید نے اس اصول
ممنوعہ پر اکتفا کیا۔ البتہ یہ بیان کر دیا کہ سود ذرمی کے اس اصول کے بالکل منافی
ہے جس پر شریعت اسلامیہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔"
کہا جاتا ہے کہ اکتناز (ذخیرہ اندوزی) شریعت میں ممنوع ہے بلکہ دولت کو
گردش میں رہنا چاہیے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب تجارت اور دیگر
ضروریات کے لیے صاحب حاجت لوگوں کو سودی قرض دیئے جائیں تاکہ کسی فرد واحد
کے پاس دولت جمع نہ ہو سکے۔ حالانکہ قابل غور بات یہ ہے کہ اکتناز کسی صورت

---

[1] تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵۲۹۔ [2] ایضاً ص ۵۳۷

میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ سودی قرضہ دینے میں یا جائز تجارت میں لگاتے ہیں۔ جب بینک سودی قرضہ دیتے ہیں تو ممکن ہے کہ مدیون اس کو ادا کرنے پر قادر نہ ہو سکے اس وقت تو وہ بالکل تباہ حال ہو جائے گا۔ اور اس کا مکان و جائداد سب قرق ہو جائیں گے جس کا مشاہدہ شب و روز ہوتا رہتا ہے۔ لہذا یہ دولت سمٹ کر کہاں آئی؟ سرمایہ دار کی تجوری اور بینک کے حصہ میں۔ اسی طرح پوری ملت کا سرمایہ سمٹ کر ایک جگہ اکٹھا ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس سے قسم قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی اکتناز کی قرآن نے ممانعت کی ہے۔ قرآن میں جہاں اکتناز زر کا ذکر آیا ہے وہیں انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ اور اس کے مفہوم کی وسعت میں ایک غریب و نادار کی صدقہ و زکوٰۃ سے اعانت کرنا بھی شامل ہے۔ یہاں تک کہ کسی غیر مستطیع کو بغیر سودی قرضہ دے کر اس کی مہلت ادائیگی میں ڈھیل دینا بھی ثواب اور کار خیر ہے۔

درحقیقت دولت کی آزادانہ گردش تو تجارت ہی میں ہے۔ جو جائز طریقے سے ہو یا پھر مضاربت کی شکل میں۔ جس میں ایک فریق کا سرمایہ اور دوسرے کی محنت و ذہانت کارفرما ہوتی ہے اور اس سے حاصل شدہ منافع میں دونوں برابر کے شریک و سہیم ہوتے ہیں۔ اس طرح دولت آزادانہ گردش کرتی رہے گی۔ اور کہیں بھی ہمہ تن تعیش و راحت اور غفلت کیشی کا ذریعہ نہ بننے پائے گی۔

بینکنگ انٹرسٹ آج تمام دنیا میں بڑی ترقی یافتہ شکل اور وسیع پیمانے پر بینکنگ سسٹم نافذ ہے۔ اس کی افادیت سے انکار شپرہ چشمی کی دلیل ہے لیکن "اثمھما اکبر من نفعھما" کے مصداق سود کی گرم بازاری نے اس کی ساری افادیت پر پانی پھیر دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بینکوں میں سرمایہ جمع کرنے سے غریب عوام کا فائدہ ہے کہ وہ ایک متعینہ منافع حاصل کرتے رہتے ہیں اور اس سے قرض داروں کا بھی فائدہ ہوتا ہے کہ بہت ہی معمولی شرح سود پر اکٹھی رقم قرض مل جاتی ہے اس لئے عقل اس کے جواز کی

ستقی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مروجہ بنک کاری نظام میں اسپرٹ وہی کارفرما ہے جو
ریم ساہوکارانہ نظام سود میں تھی۔ ظاہری فرق صرف باعتبار شکل اور پیمانے کا ہے۔
ولت کی آزادانہ گردش جو معاشرہ کی بہبودی کے لئے ضروری ہے ختم ہو جاتی ہے۔ خواہ
سیونگ فنڈ ہو یا فکسڈ ڈپازٹ اور ریکرنگ ڈپازٹ ہر ایک میں دولت سمٹ کر
یک جگہ پہونچ جاتی ہے اور ایک معینہ مدت پر ایک معمولی شرح سود حاصل ہوتا ہے۔
آج ایک رجحان یہ بھی عام ہو گیا ہے جس میں نہ صرف اشخاص بلکہ بڑے بڑے اسلامی
دارے بھی مبتلا ہیں کہ ایک کثیر رقم بنک میں مثلاً دس فیصد شرح سود پر فکسڈ ڈپازٹ میں
محفوظ کر دی جائے۔ اور پھر اس کے سالانہ منافع سے تکمیل ہی کی جائے۔ مثلاً پندرہ
لاکھ روپیہ دس فیصد سالانہ سود پر فکسڈ ڈپازٹ میں محفوظ کر دیا گیا اس سے سالانہ
ڈیڑھ لاکھ روپیہ مستقل آمدنی ہوتی رہے گی۔ اس انداز فکر سے کئی نقصانات ہیں۔ شرعی
قباحت تو ہے ہی۔ آپ آخر یہ بیٹھے بٹھائے ڈیڑھ لاکھ روپیہ کس عوض میں حاصل
کر رہے ہیں اس کے مقابلہ میں کیا چیز ہے؟ شریعت میں اسے صریحی ناجائز قرار دیا گیا ہے
جیسا کہ سطور بالا میں بہت تفصیل سے بحث کی جا چکی ہے۔ اس طرح کی آمدنی سے
جسے آپ ہزار منافع بینک کہتے رہئے۔ ایک اور سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس سے
تن آسانی، حرص و آز اور بے برکتی کی مصیبتیں نازل ہوتی ہیں ذہنی تعیش، دماغی سہل
انگاری اور جسمانی راحت پسندی پیدا ہو جاتی ہے۔ قوی اختلال پذیر ہو جاتے ہیں۔

اسلام نے سود کو ایک خاص اصول اور نظریہ کی بناء پر حرام قرار دیا ہے۔
جو اسلام کا سنگِ بنیاد ہے۔ یعنی نرمی، فیاضی، ہمدردی، اعانت، اور مسامحت وغیرہ
اس لئے سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ بینکوں کے سود میں اس اصول کی خلاف ورزی
ہوتی ہے یا نہیں۔ اصول میں کمی بیشی اور رضعت و شدت کا لحاظ نہیں کیا جاتا مثال کے

طور پر اسلام میں قاتل سے قصاص لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب وہ قاتل خواہ کسی مرد توانا کے قتل کا مرتکب ہوا ہو یا ننھی سی جان کا۔ سزا دونوں کی ایک ہے۔

اس حیثیت سے آپ بینکوں کے سود پر نظر ڈالیے تو اس میں بھی سخت گیری کا یہ مادہ نظر آتا ہے۔ اس لیے بینکوں کا منافع یہ ہے کہ زر نقد کم شرح سود پر امانتاً لیں اور زیادہ شرح سود پر قرض دیں۔ اس لیے شرح سود کی یہ زیادتی گو ربا کی شرح سود سے کم ہو لیکن وہ بہرحال ایک قسم کی خود غرضی اور سخت گیری پر مبنی ہے۔ جو اسلام کے احکام مسامحت کے منافی ہے۔ مزید برآں بینک کے اندر غریب اور مفلس کا تو گزر نہیں وہ صرف تاجروں، کاشتکاروں اور ہر اس شخص کو سود پر قرض دے گا جس کے پاس ضمانت کے لئے بڑی بڑی غیر منقولہ جائداد یں ہوں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے بہت عمدہ بات لکھی ہے کہ "حرمت سود کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ انسان ہمہ تن تعیش کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور میدان زندگی میں تگ و دو کرنے اور حصول مال کے جائز ذرائع تجارت، صنعت و زراعت سے منہ موڑ کر سود کی آمدنی پر زندگی بسر کرنے لگتا ہے[1]" چنانچہ بینک کے سود میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ ایک دولت مند شخص یا ادارہ بینک میں روپیہ جمع کر کے بے فکری، حرام خوری اور بے کاری کی زندگی بسر کرنے لگتا ہے۔ فَھَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ؟

سود کے اثرات اخلاق پر سود خوری کی بیماری ایسی متعدی ہے کہ وہ کسی ایک حد پر نہیں رکتی بلکہ وہ اپنی سمیت کو قوم و ملک کے رگ و ریشہ میں سرایت کر کے اس کو اخلاقی دیوالیہ پن سے دوچار کر دیتی ہے۔ اسی کے مضر اثرات سود خور قوم کو اخلاقی و روحانی اور تمدنی و اجتماعی اور معاشی و معاشرتی اعتبار سے تہی دست بنا دیتے ہیں۔ ان سے انسانیت و شرافت سلب کر لی جاتی ہے۔ چنانچہ ہمارے سامنے دنیا کی

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۹۲

متمول ترین قوم۔ یہودیوں کی تاریخ ایک کھلی کتاب کے مانند ہے۔ وہ اپنے زمانہ کی سب سے زیادہ مہذب، ترقی یافتہ، متمول اور اعلیٰ قوم شمار ہوتی تھی۔ لیکن جب وہ اپنی سرکشیوں نا فرمانیوں کی پاداش میں ایک دم قعرِ مذلت میں گری تو تمام نعمتوں اور بخششوں کو ان سے سلب کر لیا گیا۔ قرآن نے ان کے اجرام کی فہرست شماری کراتے ہوئے ان کی تباہی کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا کہ:

واخذهم الربا وقد نهوا عنه	اور ان کے سود لینے کے سبب سے
واكلهم اموال الناس	حالانکہ وہ اس سے روکے گئے تھے۔ اور
بالباطل۔ (النساء۔ ۲۰)	لوگوں کا مال باطل طریقہ سے کھانے کے سبب سے۔

سود کا موازنہ جب بھی اسلام کے اعمالِ حسنہ مثلاً صدقہ و زکوٰۃ وغیرہ سے کیا جاتا ہے تو دونوں کے باہمی لوازم بھی سامنے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ ملاحظہ فرمائیں کہ دولت جمع کرنے کی خواہش سے لے کر اور سود کے انتہائی مدارج تک پورا ذہنی عمل خود غرضی، بخل، ظلم و تشدد، حرص و آز، اور شقاوت و سنگدلی جیسی صفات سیئہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس زکوٰۃ اور صدقہ میں فیاضی، رحمدلی، ایثار، اخوت، تعاون و تناصر اور عالی ظرفی جیسی صفات پائی جاتی ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی سود کے اخلاقی نقصانات کا تجزیہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"سود خواری حرص و طمع اور ظلم و بخل کا مجموعہ ہے حرص و طمع تو یوں کہ سود خوار اس کے ذریعہ چاہتا ہے کہ ساری دولت سمٹ کر اس کے پاس آجائے۔ بخل یوں کہ وہ کسی غریب مقروض کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرنا چاہتا اور نہ کسی کارِ خیر میں دے کر اپنے سرمایہ میں کچھ کمی پسند کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سود خوری کا ذکر صدقہ و خیرات کے مقابلہ میں کیا ہے۔ اور ظلم یوں کہ وہ سود اور سود در سود کے ذریعہ لوگوں کو ان کی محنتوں کے پھل سے محروم کر دیتا

اور رحم نہیں کرتا۔ اسی لیے سود کی ممانعت کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے فرمایا:

لا تظلمون ولا تظلمون ۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔[1]

امام رازی نے تفسیر کبیر میں سود کے معاشی، تمدنی، اخلاقی اور معاشرتی نقصانات پر شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ "سود خوری انسان کی عملی زندگی میں خلل انداز ہوتی ہے۔ کسب وعمل کی قوتوں میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے کیونکہ جس شخص کے پاس ایک روپیہ موجود ہے۔ اگر سود کے ذریعہ سے اسے نقد یا ادھار ایک روپیہ زائد حاصل کرنے کا اختیار ہو جائے تو وہ کسب معاش میں سہل انگاری سے کام لے گا۔ اور تجارت اور محنت طلب پیشوں کی مشقت نہ برداشت کرے گا۔ حالانکہ دنیا کا کاروبار تمام تر تجارت، صنعت اور حرفت ہی کے ذریعہ سے چلتے ہیں۔ اس لیے جواز سود کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا کے سامنے منفعت عامہ کے دروازے بالکل بند ہو جائیں۔"[2]

مشکلات اور ان کا حل

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب سود مذہبی، اخلاقی، تمدنی اور معاشی ہر حیثیت سے ناجائز، مضر اور قابل نفرین ہے اور شریعت نے بجا طور پر اسے حرام قرار دیا ہے تو پھر موجودہ زمانہ میں جب کہ اس کے عموم وشیوع سے کوئی شخص مامون نہیں ہے، مسلمان کیا کریں؟ جس معاشرہ میں وہ اس وقت زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ ان پر بھی اثرانداز ہے۔ اور شاید ہی کوئی شخص اس لعنت سے خود کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو سکتا ہو۔ دراصل ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمان اسلامی اقدار حیات کے تحفظ اور تمدن جدید کے رخ کو موڑنے کے لئے کوشاں ہوتا وہ خود اس خیرہ کن تہذیب اور اس کے لوازم کے تیز وتند دھارے کی زد میں ہے۔

---

[1] سیرت النبی جلد ششم بحث سود۔ [2] تفسیر کبیر ج ۲۔ ص ۵۳۱۔

سود کا مکمل طور پر سدباب تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب مسلمانوں کو بالادستی حاصل ہو اسلامی قوانین کا نفاذ ممکن ہو۔ اس وقت قانون کے زور سے سودی داد و ستد ممنوع قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور جن صورتوں میں سودی قرضے لینے کی ضرورت آئے اس کا متبادل نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی زکوٰۃ کی وصولی کا نظام اور رفاہی حال کا قیام۔ جس سے مفلوک الحال اور نادار کی امداد بھی کی جا سکے اور غیر مستطیع کا قرض بھی ادا کیا جا سکے۔

لیکن ہندوستانی مسلمان ظاہر ہے قانونی حیثیت سے سود کا سدباب کرنے پر قادر۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اولاً ان تمام اسباب کا ازالہ کرنے کی کوشش ہے جن کی وجہ سے ایک شخص قرض لینے پر مجبور ہوتا ہے۔ ثانیاً اگر قرض لینا ناگزیر ہے تو اس کے لیے غیر سودی قرض کا انتظام کیا جائے۔

یہ تسلیم ہے کہ قرض انسانی زندگی کی ایک ضروری شے ہے، علی الخصوص کم آمدنی والے کے لیے۔ وہ اس طرح جوڑ توڑ کر کے اپنے ماہانہ مصارف پورے کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت ہے اور کم از کم راقم سطور کے مشاہدہ میں اس کی متعدد جیتی جاگتی مثالیں ہیں کہ ضرورت عموماً انسان کی کو اپنی کسی ایسی ناگزیر ضرورت کے لئے پیش نہیں آتی موت و زیست کا مدار ہو۔ بلکہ عام طور پر دیکھا یہ جاتا ہے کہ اس کا سبب محض اسراف، تعیش پسندی، چٹورہ پن، اور بد تدبیری ہوتی ہے۔ ایک ایسی ضرورت فارغ دستی تک موخر کیا جا سکتا ہو محض اہل خانہ یا اولاد کے اصرار یا طعن سے مجبور ض سے پورا کرنا کسی طرح بھی دانشمندی کی بات نہیں ہے۔ ایسا شخص ہمیشہ قرض ال کے چنگل میں پھنسا اور پریشان حال رہے گا۔ اس بات کی شدید ترین ضرورت ہے کہ و خرچ کا ایک مدبرانہ بجٹ تیار کر کے اس کے مطابق زندگی کا معیار مقرر کیا جائے نہ کو اپنی معاشی صورت حال سے محض جھوٹی نمود کی خاطر کبھی فریب مغالطہ میں نہ رکھا

جائے۔ تاکہ شوہر کے دکھ درد اور اس کی اقتصادی مشکلات میں وہ بھی برابر کی
سہیم بن سکے۔

اب دوسری صورت لیجئے یعنی اگر کسی ہنگامی صورت حال میں قرض سے کسی مفر کی
گنجائش ہی نہ رہ جائے تو اسلام نے محض اخوت و انسانیت کے ناطے قرض دینے کو
اخلاقی فریضہ قرار دیا ہے۔ اس نے جہاں ایک طرف قرض دار کو ادائیگی میں تاخیر کرنے
مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ " کا خطاب دیا ہے۔ وہیں قرض خواہ سے مہلت ادائیگی میں
سہولت دینے کی نصیحت کی ہے۔ " فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ " بلکہ مہلت دینے والے کو اس
وقت عرش الٰہی کے سائے کی بشارت دی ہے جب اس سائے کے علاوہ کسی سائے کا وجود
نہ ہوگا۔

اس کے علاوہ اس سلسلہ میں حسب ذیل امور کو عملی زندگیوں میں نافذ و ساری
کرنے کی جد و جہد کی جائے۔

۱۔ مسلمانوں کو عموماً اور غریبوں اور متوسط الحال طبقہ کو خصوصاً عملی طور پر
قناعت اور کفایت شعاری کا خوگر بنایا جائے۔ تاکہ انھیں قرض لینے کی ضرورت ہی پیش
نہ آئے۔

۲۔ شادی بیاہ کی رسومات کی مناسب اصلاح کی جائے۔ اور ان مواقع پر تمام
مسلمانوں کو ایک ضابطہ کا پابند بنایا جائے۔ عموماً لڑکیوں کی شادی میں جہیز کی فراہمی
اور دھوم دھام میں باہمی مقابلہ آرائی ایک متوسط طبقہ کے شخص کی کمر توڑ دینے
نتیجہ کے طور پر لڑکیوں کی پیدائش عہد جاہلیت کی طرح مصائب کا پیش خیمہ خیال کی جاتی
ہے۔ اسلام میں مروجہ جہیز کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ سادگی اور قناعت اس کے
زریں اصول ہیں۔

۳۔ اہل ثروت اور متمول طبقہ میں مواسات، ہمدردی، ایثار اور فیاضی کے جذبات

ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔

۴۔ کم از کم قرض کے متعلق مسلمانوں کے تمام معاملات داد و ستد مسلمانوں ہی تک محدود رہنے دیئے جائیں۔ اور قانوناً کوشش کی جائے کہ کوئی مسلمان بینکوں اور ساہوکاروں سے سود نہ لینے پائے۔

۵۔ مسلمانوں کے دولت مند طبقہ کو قرض اور بوقت ضرورت وصولی قرض میں مہلت یا اس کو کلاً وجزء ً معاف کرنے کی ترغیب دلائی جائے۔

۶۔ ایک مسلمان اگر قرض ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو (جس کی نوبت بلاسودی قرض میں بہت کم آئیگی) تو دوسرے مسلمان بھائی ادائے قرض میں اس کی مدد کریں۔ بہتر تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو قرض دینے کے لیے تمام قوم سے چندہ حاصل کرکے ایک بیت المال قائم کیا جائے۔ جو اہل ضرورت کو کافی تحقیقات کے بعد ایک دستاویز کے ذریعہ بلاسودی قرض دے۔

۷۔ اور اسی کے مقابل ایک دوسرا بیت المال زکوٰۃ کے مال سے قائم ہو، جو کافی تحقیقات کے بعد صرف ان مسلمانوں کی طرف سے ان کا قرض ادا کرے جو قرض ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

غرض مسلمان اگر اپنے کو اس لعنت سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو انھیں حتی الامکان سودی داد و ستد سے احتراز لازم ہے اس کے بدلے میں وہ صورتیں اختیار کرنی چاہیئں جن کا ایک خاکہ سطور بالا میں پیش کیا ہے۔ اس خاکہ کو خاص طور سے ہندوستانی مسلمان منظم شکل میں اپنی عملی زندگیوں میں لاکر اس لعنت و مصیبت سے نجات پا سکتے ہیں۔ شرط اولیں یہ ہے کہ اسلام و شریعت، ضمیر و اخلاق اور دین و تقوٰی کی رمق اور زندہ ہو۔ ورنہ اگر عصر جدید کے تمدن نے نگاہوں کو اس حد تک خیرہ کر دیا ہے کہ ان میں تمیز کی صلاحیت ہی مفقود ہو گئی ہے تو پھر نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔

بڑا ہی سعید و بخت آور ہے۔ وہ شخص جو اس عالم میں بھی دور سے آتی روشنی کی کرن تاڑلے اور والہانہ اس کی طرف لپکے۔ اور اس کرن سے اپنے دل کی ظلمتوں کو منور کر سکے۔

آخری بات

اس افسوس ناک حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے قلم کا سینہ شق ہوتا ہے کہ سود کی حرمت پر مذکور الصدر تمام عقلی و نقلی براہین قاطعہ کے باوجود آج بعض مغرب زدہ مسلمان، اباحیت پسند علماء، اور اسلام کے نام پر قائم تحقیقاتی ادارے جواز سود کے لیے تاویلات کاسدہ سے کام لیتے ہیں۔ آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ عصر جدید میں معاملات کی بیشتر قسمیں ایسی ہیں جن میں ربا کی آمیزش ہے۔ ایسی صورت میں بعض جگہوں پر بعض اوقات میں مسلمان سودی دادو ستد پر مجبور ہے۔ اس وقت إلا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان پر عمل کرتے ہوئے ہم نفس جواز سود کا فتویٰ تو نہیں دے سکتے مگر اس مبتلی بہ مسلمان کی مجبوری کا لحاظ کرتے ہوئے عند اللہ عفو و درگذر کی توقع کر سکتے ہیں۔

لیکن اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ آپ کبریٰ اور صغریٰ و کبریٰ قائم کرکے یہ تاویل پیدا کریں کہ سود کی فلاں شکل فلاں صورت میں جائز ہے۔ کیونکہ ہم حکومت کو ٹیکس دیتے ہیں۔ ہمارے بہت سے ذاتی مفادات سے گورنمنٹ مستفید ہوتی ہے، وغیرہ وغیرہ، اس لیے آپ سیونگ فنڈ، فکسڈ ڈپازٹ اور ریکرنگ ڈپازٹ میں روپیہ جمع کرکے ایک متعینہ سود ہر سال اپنے کھاتے میں جمع کراتے رہیں، اور ضمیر و اخلاق کو تھپکی دے کر سالانہ اس کو برآمد کرکے ذاتی استعمال میں لائیں۔ العیاذ باللہ۔ بینکوں میں کرنٹ اکاؤنٹ میں روپیہ رکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی سود نہیں ملتا بلکہ مزید چارج بینک ہی کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا میں بھی روپیہ لگایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ تقریباً مضاربت کی ایک شکل ہے۔ اس میں کوئی متعینہ رقم نہیں ملتی۔ بلکہ اس کا بھاؤ اترتا چڑھتا رہتا ہے۔ کبھی فائدہ کبھی نقصان۔ خوب سمجھ لیں کہ یہاں ہم اس بات کی قطعی تبلیغ نہیں کرتے ہیں کہ سیونگ فنڈ وغیرہ میں روپیہ محفوظ نہ کریں۔ موجودہ شر و فساد کے زمانے میں کسی

شخص اپنے پاس زر نقد رکھنے کا مشورہ دے گا۔ غرض صرف یہ کرنا ہے کہ بینک کے ضابطہ کے مطابق انٹرسٹ کے نام پر جو فاضل رقم آپ کے راس المال پر مل رہی ہے اس کے ذاتی مصرف میں استعمال کا آپ کو ازروئے شرع کوئی حق نہیں ہے۔ تو پھر کیا کریں؟ اس کی شکل یہ ہے کہ آپ سالانہ حساب رکھ کر اس سودی رقم کو غریبوں اور مسکینوں میں امید اجر و ثواب تقسیم کر دیں۔ بینکوں ہی میں اسے چھوڑ دینے سے یہ اندیشہ ہے کہ ممکن ہے حکومت اسے کسی اور ناجائز مصرف میں خرچ کر دے۔ بہرحال اس سلسلہ میں تدبیر و احتیاط کا دامن مضبوطی سے پکڑنے کی ضرورت ہے۔

تحقیقات اسلامی کے وہ ادارے جو سود کے جواز کی موہوم شکلوں کے پیچھے سرگرداں ہیں، اسلام اور مسلمانوں کی کوئی مفید خدمت نہیں کر رہے ہیں۔ وہ اپنے وقت، دماغی صلاحیت اور ذہنی و فکری توانائیوں کا ضیاع بھی کر رہے ہیں اور قوم کی دولت بھی ان کے خطیر مشاہروں پر ضائع ہو رہی ہے۔ بکثرت مذہبی اور تحقیقی موضوعات ان کے فکر و قلم کی جولانیوں کی راہ دیکھ رہے ہیں ان میں اپنے اشہب قلم کو مہمیز دیجئے تو یہ ایک اہم خدمت ہوگی اسلام کی بھی اور مسلمانوں کی بھی۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ

بقیہ نظرات

طبقہ دوسرے سے ٹکرا رہا ہے، ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے برسرپیکار ہے لیکن اب تو جو کچھ ہو چکا ہے اس سے ایک مشترک سبق یہ ضرور ملتا ہے کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی طاقتور ہو وہ دھاندلی اور من مانی نہیں کر سکتا۔ آج نہیں تو کل اسے اس کا خمیازہ لازمی طور پر بھگتنا ہوگا۔

محمد قلی قطب شاہ کی ہندوستانیت پسندی

از جناب محمد ایوب صاحب واقف ایم۔اے

ہمارے یہاں مورخین کی ایک جماعت ایسی ہے جس نے ہندوستان کے
عہدِ اسلامی کو اپنے سیاسی مصالح کی بناء پر ہمیشہ مسخ کر کے پیش کیا ہے او
اسی میں وہ اپنی شان سمجھتی ہے ان مورخین کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں
مسلم سلاطین کو بدنام کیا جائے اور یہ کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیا
مصالحت کی بجائے منافرت کی طویل خلیج پیدا کی جائے ورنہ حقیقت یہ ہے
کہ مسلمانوں نے اپنے آٹھ سو سالہ دورِ حکومت میں ہندوستان کی تعمیر و تر
میں شاہی امارت اور ذہنی قوت کو بے دریغ خرچ کیا ہے۔ ادب مصور
سنگ تراشی تعمیر کاری اور دوسرے فنون کی جیسی ترقی مسلم دورِ حکومت
میں ہوئی شاید ہی کسی اور دور میں ہوئی ہو۔ اس کے علاوہ اسلامی عہد
ہندوستان میں عام رعایا بالخصوص ہندو معتقدات اور رسمیات کی تبلیغ و اشاعت میں کسی
کا کوئی خلل نہ پیدا ہوا ہندوؤں کے مذہبی پیشواؤں فائدوں (Puritans) اور سا
سنتوں کو پوری آزادی تھی کہ وہ جس طرح چاہیں اپنے مذہب اور عقائد
اشاعت کریں آپ مغل بادشاہ اورنگ زیب کے عہد کو لے لیں ہندوستا
کے بیشتر مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ اورنگ زیب مسلم پرور اور ہندو
شہنشاہ تھا۔ عمر بھر مندروں کو ڈھا کر مسجدیں تعمیر کرنے اور ہندوؤں کو بہ ز
شمشیر حلقۂ اسلام میں داخل کرنے کے علاوہ اس نے کوئی اور کام نہ کیا۔ مگر

وف تردید یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اورنگ زیب پر ہندو کشی کا جو اتہام لگایا
ہے وہ سراسر جھوٹ اور عام ہندوستانیوں کو اورنگ زیب سے
نفر کرنے کی ذلیل نفسیاتی خواہش کے سوا کچھ نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے۔
اورنگ زیب نے ہندوستان کے ۲۵ سے زائد بڑے بڑے مندروں
کو خرچ کے بھوج اور پوجا کے لئے جاگیریں وقف کی تھیں شومشیورناتھ کا مندر
اس کا جنگم واڑی کا مندر، گوہاٹی کا ماکشا مندر، چتر کوٹ کا بالاجی کا مندر
جین کا مہا کالی کا مندر آبو کا دلواڑہ مندر، گجرات کا پالیتان کا جین مندر
ایسے بہت سے مندروں کو اورنگ زیب کی طرف سے جاگیریں ملی تھیں
مندروں کے مہنتوں کے پاس اورنگ زیب کا لکھا ہوا فرماں اس کے
خط کے ساتھ موجود ہے۔ ہمارے ہندو بھائی جس بادشاہ کو بت خانہ شکن کہتے
اس کی بت خانہ پروری کی یہ شان کیا کم ہے کہ اس نے بسمنت نگر پر بھنی کے
بڑے مندر کے مہنت کو ایک انگوٹھی دی جس میں جواہرات لگے ہوئے
اور جس کی مالیت ۲۵ ہزار سے کم نہیں تھی اس انگوٹھی کے ساتھ عالمگیر نے
یں بھی دی تھیں اور جہاں تک اس کی ہندو کشی کا تعلق ہے اور تلوار
ر پر ہندوؤں کو اسلام قبول کروانے کی بات ہے تو عرض ہے کہ اس کے
میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہے اور اورنگ زیب ہندو کش
قطعی نہ تھا۔ اس کا محکمہ مال ہندوؤں سے بھرا ہوتا تھا۔ اس کے بڑے
فوجی افسروں اور جرنیلوں میں ہندوؤں کی تعداد کچھ کم نہ تھی اگر مرہٹہ
کے سردار شیواجی اور گرو گوبند سنگھ سے اس کی جنگوں کی بنا پر بعض مورخین
اورنگ زیب کو ہندو دشمن کہتے ہیں تو یہ بھی ان کی غلطی ہے۔ اس کی ان جنگوں
کا مقصد شیواجی کو زیر کرنا یا تباہ کرنا نہیں تھا بلکہ مرکزی حکومت کو مضبوط

کرتا تھا صرف اسی ضرورت کے پیش نظر اس نے شیواجی سے لڑائیاں
ورنہ شیواجی سے اس کی مذہبی دشمنی کبھی نہ تھی اور شیواجی بھی مذہب
کے نام پر اورنگ زیب سے کبھی نہیں لڑے آج بھی جمہوری حکومت کا
اصول اور ضابطہ ہے کہ صوبائی حکومتیں جب مرکز کے خلاف سر اٹھاتی ہیں
مرکزی حکومت ان بغاوتوں کو کچل دینے کی بھرپور کوشش کرتی ہے کیا اس
سے یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ مرکزی حکومت صوبائی حکومت کی دشمن
اور اس کو ختم کرنے کے درپے ہے؟

ہندوستان کی تاریخ میں ایک عہد ایسا بھی آیا تھا جب شمال
لے کر جنوب تک اور مغرب سے لیکر مشرق تک مسلم سلاطین کی حکمرانی
تھی شمال میں مغل اعظم اکبر برج کمال پر متمکن تھا۔ اور جنوب میں محمد
قطب شاہ ایک عظیم سلطنت کا مطلق العنان بادشاہ تھا۔ اس وقت
پورے ملک کی غیر مسلم رعایا مسلم بادشاہوں کے زیر نگیں تھی اور مسلمان
کی عسکری فتوحات ایشیا ہی نہیں بلکہ یورپ تک کو لرزاں کئے ہوئے
تھی اب بتائیے اگر مسلم سلاطین ہندو کش ہوتے تو کیا غیر مسلم عناصر
ہندوستان میں باقی رہنا ممکن ہو سکتا تھا؟ ہم فرقہ پرست مورخین
یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ مسلم حکمرانوں نے خدا کے اس فرمان پر کہ "زمین
میری بنائی ہوئی ہے اور اس پر بسنے والے تمام لوگ میری مخلوق ہیں
ان میں سے کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرو" پورا پورا عمل کیا ہے۔ اور حتی الوسع
انسان دوستی، صلح و آشتی اور اخلاق مندی کو ترجیح دی یہی وجہ ہے کہ مسلم
سلاطین کے درباروں میں مسلم علماء، شعراء اور فصحا کے ساتھ ہندو
وشعراء کثرت سے مجتمع رہتے تھے بنگلہ ہندی، گجراتی اور مراٹھی وغیرہ

ہندو شعراء و علماء کے ناموں کا پتہ چلتا ہے جن کے معاملات دربار سے ہوا کرتے تھے ان کو باقاعدہ وظیفے امداد اور دوسرے عطیات سے سرفراز کیا جاتا تھا چیتنیہ، تکارام، تلسی داس، سورداس اپنے عہد میں ہی نہیں آج بھی ہندو عقائد اور مذہبیات کے اہم ستون سمجھے جاتے ہیں اور یہ سب کے سب عالی مرتبت ہندو پیشوا مسلم عہد حکومت کی یادگار ہیں اگر مسلم حکمران ہندو تہذیب کے والہ و شیدا نہ ہوتے تو کیا "رامائن" اور دیگر روایات جیسی خالص ہندو تہذیب پر مشتمل کتابیں لکھی جا سکتی تھیں؟ اس کا جواب ہم ان مورخین سے طلب کرتے ہیں۔ جو مسلم سلاطین کو "مسلم پرور" اور "ہندو کش" کہتے ہوئے نہیں تھکتے۔

آج کی صحبت میں جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے ہمیں گولکنڈہ کے ہر دلعزیز بادشاہ محمد قلی قطب شاہ کی ہندوستانیت پسندی سے متعلق کچھ عرض کرنا ہے محمد قلی قطب شاہ کا عہد حکومت تیس سال پر محیط ہے وہ ۹۷۳ھ کے مقدس رمضان کی ۲۴ تاریخ کو پیدا ہوا۔ ۱۵ سال کی عمر میں ۹۸۸ھ میں تخت نشین ہوا۔ تیس سال تک انتہائی تزک و احتشام کے ساتھ گولکنڈہ کی عظیم سلطنت پر حکومت کرکے ۱۷ ذیقعدہ ۱۰۲۰ھ کو ۴۸ سال کی عمر میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملا وہ ابتدا سے ہی ہندوستانی تہذیب اور رسم و رواج کا دلدادہ تھا۔ اس کا ثبوت اس کی شبانہ روز کی سرگذاریوں سے واضح و مترشح ہے۔ محمد قلی قطب شاہ اگرچہ کسی نوساختہ سلطنت کا تاجدار نہیں تھا۔ اس سے قبل چار فرمانروایان سلطنت گولکنڈہ یکے بعد دیگرے حکومت کر چکے تھے۔ لیکن محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں سلطنت کے نظم و نسق میں چار چاند لگ گئے

اور وہ ہندوستانیت ہندی میں اپنے پیش رو سلاطین سے بازی لے گ
لیکن یہ امر مسلم ہے کہ اس کے آبا و اجداد بھی اپنے رہن سہن، وضع ق
لباس و معاشرت کے اعتبار سے خالص ہندوستانی تھے خود محمد قلی
قطب شاہ کا باپ ابراہیم قلی قطب شاہ ہندوستانی طرزِ زندگی کا
تھا۔ اور ہندو رعایا کا بے لوث خادم و بہی خواہ تھا اپنے تیس سالہ عہد حکو
میں ابراہیم قلی قطب شاہ نے تلنگانہ کی ہندو رعایا کے ساتھ بڑا ہمدردا
اور روادارانہ تعلق قائم رکھا ان کے تہواروں اور دیگر رسمیات میں
ساتھ شامل ہو کر اُن کی دلجوئی کرتا تھا۔ اس کا سود مند اثر یہ ہوا کہ تلنگا
کے تمام ہندوؤں نے بغیر کسی لیس دپیش اور شاہی دباؤ کے قطب شاہی سل
اور گولکنڈہ کو اپنی تمام آرزوؤں کا مرکز تسلیم کر لیا اور عرصۂ دراز تک گو
کو اپنی راجدھانی کہہ کر شاہی فرمان کی تکمیل کرتے رہے تمام ہندو بغیر کسی ت
اور خوف کے اپنے مذہبی اور معاشرتی امور میں بادشاہ سے حسب ضرورت
صلاح و مشورہ کرتے اور بادشاہ بھی انھیں کبھی دل برداشتہ واپس نہ
تھا۔ ہندو رعایا کا گولکنڈہ کی سلطنت سے یہ ذہنی لگاؤ محمد قلی قطب
کے عہد میں مثالی حیثیت اختیار کر گیا۔ اس کا طرز سلوک ہندوؤں او
مسلمانوں دونوں کے ساتھ مساویانہ اور روادارانہ سلوک تھا کہ سلط
کی ہندو اور مسلم رعایا میں کوئی خطِ فاصل یا اختلاف کی کوئی صورت
رہی ہی نہ تھی اس کے عہد میں دونوں قومیں باہم شیر و شکر بن کر رہن
محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں جہاں اس کا دربار اور محل عیدین
اور عید میلاد النبی جیسے اسلامی تہواروں کے موقعوں پر بقعۂ نور بن
کرتا تھا وہیں ہندوؤں کے تہواروں اور عام رسموں کی ادائیگی کے

ن پر بادشاہ کی کثیر دولت خرچ کی جاتی تھی دربار کی طرف سے جشن منایا
جاتا اور ہندوؤں کے اکابر کو اس جشن میں مدعو کیا جاتا تھا ان مواقع پر
ادشاہ محمد قلی قطب شاہ خود خوش و خرم ان کے ساتھ شریک ہوتا اور
ہندوؤں کے عوائد رسمیہ اور آداب مجلس کا پورا پورا خیال کرتا اس کے دربار اور
ل میں "بسنت" اور آمد برسات کے تہوار جن کا تعلق خاص ہندو فرق سے
ے اس گرم جوشی اور طمطراق سے منایا جاتا تھا کہ لوگوں کی نظریں بس دیکھتی ہی
ہتی تھیں محمد قلی قطب شاہ کے تمام ترحرکات و سکنات، عادات و اطوار رہن سہن
ر لوگوں کے ساتھ اس کے طرز سلوک کو دیکھتے ہوئے اگر یہ کہا جائے کہ وہ
ختلف النسل مختلف المذہب اور مختلف اللسان فرقوں کی تمام جماعتوں کو
یک دوسرے میں ضم کر کے ایک عظیم قوم جسے عرفِ عام میں ہندوستانی قوم
کہا جا سکتا ہے بنانے کے درپے تھا تو کسی طرح کی مبالغہ آرائی نہ ہوگی اس کے عہد
ں کل رعایا جس حسن و خوبی اور عمدگی کے ساتھ شیر و شکر ہو کر رہتی تھی اس کا نفس
لعلہ محض محمد قلی قطب شاہ کی ذاتِ واحد تھی۔ اس کے کردار کا یہ وصف
ہندوستان کے لئے رہتی دنیا تک باعث افتخار رہے گا اور اس کے لئے تحسین
فریں کی صدا بلند نہ کرنا اس عظیم محسن انسانیت کے حق میں بہت بڑی ناانصافی
گی۔

ابھی ہم نے متذکرہ بالا سطور میں کہا ہے کہ وہ "بسنت" اور "آمد برسات"
بڑے جوش و خروش سے مناتا تھا اور ان تہواروں کے موقعوں پر جتنا شوق
ہماک وہ پیدا کرتا تھا۔ اتنا شاید ہی کسی دوسرے تہوار کے موقع پر کیا جاتا
یہ محض ہماری ذہنی اختراع نہیں بلکہ محمد قلی قطب شاہ کے کلیات میں
ہندوؤں کے ان دونوں تہواروں سے متعلق جو نظمیں شامل ہیں ان سے

یہ حقیقت نور روشن کی طرح عیاں ہے۔ ان نظموں میں محمد قلی قطب شاہ نے بڑی رنگینی و بے ساختگی اور وارفتگی کے ساتھ آمدِ بہار اور آمدِ برسات کے بارے میں اظہارِ خیال کیا ہے اس کی ایسی تمام نظموں میں کیف و سرور کا چشمہ جاری ہے قارئین کی دلچسپی کی خاطر ہم ذیل میں اس کی ان نظموں سے کچھ اشعار پیش کرتے ہیں جنھیں اس نے بسنت اور آمد برسات کے متعلق لکھی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

بسنت کھیلیں عشق کی آ پیارا — تمھیں ہیں چاند میں ہوں جوں ستارا
نچھل کنڑں کے تاراں انگ جھونا — بندی ہوں چھند بند سوں کر سنگارا
بسنت کھیلیں ہمن ہور ساجنا یوں — کہ آسماں رنگ شفق پایا ہے سارا
پیا پگ پر ملا کر لیائی پیاری — بسنت کھیلی ہوا رنگ رنگ سنگارا

مذکورہ بالا اشعار محمد قلی قطب شاہ کی کلیات سے وابستہ ہیں جو بسنت یعنی آمد بہار کی خوشی میں جھوم جھوم کر کہے گئے ہیں ان اشعار میں نہ صرف یہ کہ موسم بہار کی آمد کا حسین و جمیل اور سادہ پرکار اظہار بیان ہے بلکہ ان میں ایسا مادھرا اور شیریں رس گھولا گیا ہے کہ جسے پی کر دل و دماغ کیف و سرور میں ڈوب جاتے ہیں اور انتہائی بے ساختگی کے عالم میں زبان سے واہ واہ کی صدا نکلتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری نظم میں جو آمد بہار ہی سے متعلق ہے محمد قلی قطب شاہ خوب مزے لیکر کہتا ہے۔

پیاری کے نکھ میانے کھیلیا بسنت — پھولاں حوض تھے چڑکے چھڑکیا بسنت
جوبن حوض میں انور تن رنگ بھرے — بسنت راگ گا دسہایا بسنت
بسنت کی خماری نینن میں بھری — ہنڈولے ننین دل ڈولایا بسنت

۳۸۰ سال قبل جب کہ اردو زبان کی حیثیت ایک کم مایہ زبان سے زیادہ

کچھ نہ تھی اُس کے ذخیرے میں اپنا کوئی سرمایہ نہ تھا ہندوستان کے طول عرض میں فارسی زبان و ادب کا سحر اثر انداز تھا جو لوگ شعر و شاعری کے دلدادہ تھے ان کی تشنگی شیراز و اصفہان کے فارسی شعرا ہی بجھا سکتے تھے اردو تو ابھی لبطن گیتی میں ہلکورے لئے رہی تھی اس کے پاس اتنی سکت کہاں تھی کہ کسی کی تشنگی کو دور کر سکتی ان حالات میں گولکنڈہ کا عظیم المرتبت شہزادہ محمد قلی قطب شاہ اپنی سخن سنجی و سخن گستری کی وہ مثال قائم کرتا ہے کہ سارے زمانے کی نگاہیں اس کی طرف مرکوز ہو جاتی ہیں۔ فارسی زبان و ادب کا اگرچہ وہ شاہ ہزار صفات والہ و شیدا تھا لیکن اس کے مروجہ اصولوں سے نظر بچا کر خالص ہندوستانی رنگ میں اس طرح طبع آزمائی کرتا ہے اور تمام اصناف سخن چاہے وہ غزل ہو یا رباعی مثنوی ہو قصیدہ حمد ہو یا نعت و منقبت، حسن و عشق کے معاملات ہوں یا دنیا و آخرت کے رموز و نکات ہر موضوع پر اپنے فکر سخن کے ذریعہ ایک بیش قیمت ذخیرہ ارباب نظر و بصیرت کے لئے تیار کرتا ہے محمد قلی قطب شاہ نے فکر سخن اگرچہ دکن کی مخصوص زبان یعنی دکنی میں کی لیکن دکنی ہی کو تو ہم ابتدائی اردو کہتے ہیں اس لئے ہندوستان میں مروجہ زبان فارسی سے ہٹ کر ایک ہندوستانی زبان کی داغ بیل ڈالنے اور پھر اس زبان کو اپنے دم سے دلہن کی طرح ہندوستانی الفاظ، محاورات تشبیہات و استعارات سے سجا کر منظر عام پر لانے کا سہرا گولکنڈہ کے فرمان روا محسن اردو محمد قلی قطب شاہ کے سر ہے۔ اپنے پچاس ہزار اشعار میں ملک الشعراء محمد قلی قطب شاہ نے جہاں اپنے منفرد اسلوب بلکے طرز خیالی اور شیریں تشبیہات کا انبار لگایا ہے وہیں اس نے اس بات کی بھرپور کوشش بھی کی ہے کہ اس کا

کلام ہندوستانی طرزِ فکر کی لازوال مثال ہو اور مقامِ مسرت ہے کہ وہ اپنی اس خواہش میں پوری طرح کامیاب ہوا اس کا پورا سرمایہ کلام ہندوستانی رنگ سے رنگا ہوا ہے ہندی تہواروں سے لیکر ہندوستان کے جنگلوں میں اگنے والے درختوں کھیتوں کی فصلوں اور ترکاریوں اور سبزیوں کا دلکش و دلفریب ذکر اس کے کلیات میں موجود ہے۔

اوپر ہم نے اس کی دو نظموں کے جو چند اشعار پیش کئے ہیں ان سے یہ بات واضح ہو گئی ہے محمد قلی قطب شاہ کی شاعری کے متعلق اپنے اس بیان کی توثیق و تصدیق کے لئے ہم اس کے کلام کے کچھ اور نمونے پیش کر تاکہ ناظرین پر یہ بات واضح ہو جائے آمدِ بہار کی طرح آمدِ برسات کا تہو بھی محمد قلی قطب شاہ کے لئے تسکین روح اور دل کے سرور کا موجب ہو برسات کے آغاز پر بادشاہ کا دربار رنگینیوں اور خوشنمائیوں کا دلکش تماشاگاہ بن جایا کرتا تھا کئی دنوں تک مسلسل محل و دربار میں اس کے جشن منائے جاتے تھے جس میں ہندو اور مسلمان بلا تفریق مذہب و ملت شریک ہوتے مطربانِ خوش نوا اپنے دل نواز رقص و سرود سے حاضرین کو خوش کرتے شاہی باغات میں جھولے ڈالے جاتے جن پر سہیلیاں اور حرم کی شہزادیاں اپنے البیلے جسموں کو مشک و زعفران سے معطر کر کے جھولتی تھیں اور ایسی مدھر آواز میں گاتیں کہ فضا عاشقانہ ماحول سے جھوم جھوم جاتی بادشاہ بھی ان ہندو تقریبات میں تمام تر شاہی لوازمات کے ساتھ شر ہوتا جشنِ برسات میں شریک ہونے کی بادشاہ کی عام طور پر دو وجہیں ہوا کرتی تھیں اول تو یہ کہ یہ ایک ہندوستانی تہوار تھا جس کا تعلق اس ہندو رعایا سے تھا جنھیں وہ عزیز رکھتا تھا دوسرے یہ کہ یہ تہوار اپنے

من میں بے شمار رنگینیاں رکھتا تھا اور چونکہ وہ حسن پرست اور عاشق مزاج تھا
لئے اس موقع پر ضرور حاضر رہتا اور بلا تکلف اپنی محبوباؤں اور کنیزوں کے
تھ جی بھر کے رنگ کھیلتا تھا۔ آمدِ برسات کے متعلق اتنا عرض کرنے اور بادشاہ
اس کا تعلق واضح کرنے کے بعد آیئے اس کی ان نظموں کے کچھ اشعار دیکھتے
ہیں جنھیں اس نے آمدِ برسات پر کہا ہے۔ ان اشعار کو درج کرکے ہمارا مقصد
کھانا ہے کہ محمد قلی قطب شاہ کا ہر شعر "ہندوستانی معاشرت" ہندوستانی
ب و روپ سے مزین ہے اب ذرا ملاحظہ فرمائیں:۔

ے سلطانی ستارہ جگ میں آیا پھر کر آج — رکھ سکل سر سبز ہو کر سر تھے کھلئے لعل تاج
نگ کھیلیا ہے مکھ پر لال کے لعلِ بدخش — تو سرخ اس رنگ تھے ہر رات جاوے لاج لاج

ں بنے تیلی رت میں شوانی — مگہا چھاتے انبر رنگ رنگ نہانی
سیس انچل دھو نور جیون گگن پر — سرگ میں سرگیاں کی کسوت سہانی
سی کے خوی بند مستا طا نگارے — بھواں کج سہیں جیون آسمان سمانی

یاں سینے میں آیا سرگ سال — دند یاد، یا ناں عزیزاں ہوتے خوشحال
ے آسماں کے تیں شفق رنگ — دندیاں مارے گئے اچھلیا رکت لال
میں گرہ گرہ انا مست ہے بہت — کرشمہ در رجباں کوں کرنے پامال

لیاں سرگ سال آیا ہوا سوں — گرہ جباں اس کا سہیا ہے ادا سوں
ے ہور زعفران عنبر کلا کر — سکیاں تن کوں لگا دو بھو صفا سوں
ندان اگر پہ ل سہادے — سجن مجلس میں ہے رنگ بے بہا سوں

محمد قلی قطب شاہ کا عشق اس کی زندگی کا ایک اہم ترین پہلو ہے جو رنگینیوں
اور رعنائیوں سے مملو ہے وہ نہ صرف ایک عظیم الشان شہنشاہ تھا بلکہ عشق
عشق کی معرکہ آرائیاں بھی اس کا روز و شب کا مشغلہ تھا اس نے
چچلم گاؤں کی ایک الھڑ دوشیزہ بھاگ متی کو اپنی بے پناہ محبتوں اور چاہت
سے لازوال شہرت بخشی بلکہ دوسری بارہ پیاریوں پر بھی اس نے اپنا
پیار نچھاور کیا ان بارہ پیاریوں کو اپنے نام کے ساتھ زندہ رکھنے کے لیے
قلی قطب شاہ نے بارہ لاجواب نظمیں لکھی ہیں۔ یہ سب کی سب نظمیں اس
کلیات میں موجود ہیں ان نظموں میں اس نے اپنے عشق اور معاملات کو بغیر کسی
تصنع و تکلف اور مبالغہ کے بیان کیا ہے محمد قلی قطب شاہ کی بارہ پیاریوں
کے ناموں پر ایک نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں اکثریت ان ناموں
کی ہے جن کا تعلق خالص ہند و معاشرت سے ہے مثلاً "ہندی چھوری"
"ساونلی"، "کوئلی"، "پیاری"، "سندری"، "گوری"، "چھبیلی"
"موہنی"، "پدمنی"، "سندر"، "سجنی"، "رنگیلی"، محمد قلی قطب شاہ
کے ایسے ناموں کو دیکھ کر ذہن میں دو طرح کے سوال اٹھتے ہیں اول تو یہ کہ
اس نے اپنی ہندوستانیت پسندی اور ہند و معاشرے سے بے پناہ لگاؤ
کے پیش نظر اپنی محبوباؤں کو ان ناموں سے پکارنا شروع کیا جن کا تعلق
ہند و معاشرے سے ہے یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کیونکہ بیشتر
بادشاہوں نے اپنی بیگمات اور محبوباؤں کو اپنے پسندیدہ ناموں سے
ہے اور بعد میں وہی نام ان کی شہرت کا باعث بنے ہیں چونکہ محمد قلی قطب
ہندوستانیت پسندی کے جذبات سے سرشار تھا ہندوستانی تہذیب
محبت اس کے رگ و ریشے میں سمائی ہوئی تھی چنانچہ اس جذبے کے تحت

نے اپنی محبوباؤں کو اپنے پسندیدہ ناموں سے پکارا ہوگا۔ دوسرا خیال
کہ محمد قلی قطب شاہ نے اپنی محبوباؤں کے ناموں کو تبدیل نہیں کیا بلکہ
ان کے اصلی نام رہے ہوں گے، اور یہی زیادہ قرینِ قیاس بھی ہے کیونکہ
اس کے محل میں مسلم بیگمات کے ساتھ ساتھ ہندو رانیاں بھی رہا کرتی تھیں
وہ اس قدر قریب تھا جتنا مسلم بیگمات سے بلکہ قرائن سے تو یہاں
پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندو رانیوں اور محبوباؤں کی طرف زیادہ مائل تھا
اس کے اس طرزِ سلوک کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کی سلطنت میں
رعایا کی بہتات تھی اور چونکہ وہ ہندو رعایا سے بے پناہ محبت رکھتا تھا
اس تعلق سے اس نے اپنے محل میں ہندو محبوباؤں کو ترجیح دی ہوگی۔
ہم اس امر کا انکشاف کر چکے ہیں کہ اس کی سلطنت کے بہت سے عمائدین
اور ملازمین ہندو تھے اور بعض اپنی نجی فہم و فراست اور عقل و
ہنر کی بنا پر دربار میں بڑی عزت و شرف کے مالک تھے اور ان پر بادشاہ
لطف و کرم کی نگاہ رکھتا تھا محمد قلی قطب شاہ ذات پات رنگ
نسل کے امتیازات سے بہت بلند تھا۔ اس نے عہدوں کی تقسیم اور انعامات
کی عنایات کے مواقع پر کبھی اس بات کی تشخیص نہ کی کہ کون ہندو ہے
اور کون مسلمان چنانچہ دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کی سلطنت کے خلاف
جب بغاوتوں نے سر اٹھایا تو ان بغاوتوں کو کچلنے کے لئے اس نے دربار
کے جو جان نثاروں کا ہی انتخاب کیا "آسیراؤ اور رگھو ناراؤ" اس کے خاص
مصاحبین تھے۔ آسیراؤ، مرسلوگ، نندیال، کنکور، گندی کوٹ
کنڈہ کی مہمات میں محمد قلی قطب شاہ کے شانہ بشانہ لڑ رہا تھا یہ ونا دا
ناراؤ جس شجاعت اور جوانمردی کے ساتھ ان جنگوں میں بادشاہ کی شان

شوکت کا تحفظ کر رہا تھا اسے بادشاہ بڑی قدر اور احترام کی نگاہ سے دیکھتا
تھا۔ دھرمار اؤ کی دلیری بھی کچھ کم اہم نہ تھی یہ بھی دربار شاہی کا بلند مرتبت
جنگجو سپہ سالار تھا ۱۰۰۵ھ جب، قوم نے بہ سلسلۂ عداوت قطب شاہی
سلطنت کے خلاف بغاوت کرکے ایلورہ، نردول اور بہار جلی میں لڑائی
شروع کردی تو اس کے مقابلے کے لئے دھرمار اؤ کا انتخاب عمل میں آیا۔
دھرمار اؤ نے میدان جنگ میں وہ دلیری دکھائی کہ باغی دسنا دیوتے
اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور اس کی ہمت و شجاعت کا اعتراف بھی
کیا آسیر اؤ اور دھرمار اؤ کے علاوہ محمد قلی قطب شاہ کی شاہی فوج میں
دوسرے اور بھی بہت سے ہندو جنگجو نوجوان تھے۔ ان میں جگپت راؤ،
سری راؤ، سابایی، بھالے راؤ، مکند راج، شنکر راج، ہری چندر،
رامچندر، راوت راؤ، اور کرشنا راج وغیرہ بڑی اہمیت کے مالک تھے
اور محمد قلی قطب شاہ ان ہندو افسراں کی بڑی عزت کرتا تھا۔

مندرجہ بالا سطور میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے محمد قلی قطب شاہ کی
ہندوستانیت پسندی کی پوری پوری تصدیق ہو جاتی ہے اور اس امر
کی بھی نشاندہی ہو جاتی ہے کہ وہ (محمد قلی قطب شاہ) اپنے معاصر مغل بادشاہ
جلال الدین محمد اکبر کی طرح اپنے کردار اور گفتار کے ذریعے ہندوستانی معاشرت
سے شیفتگی کا اظہار کرتا رہا۔ لیکن دونوں کے عمل کی یکسانیت کے باوجود
محمد قلی قطب شاہ اور اکبر کے ذہنی اور فکری نہج میں بڑا بُعد تھا۔ محمد قلی
قطب شاہ ہندوستانی وضع قطع لباس رہن سہن اور معاشرت کا
عاشق ضرور تھا لیکن ان چیزوں نے اسے جذباتی بنا کر ایمان و ایقان
کے راستے سے ایک پل کے لئے بھی غافل نہیں کیا قلی قطب شاہ نے

...اف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ

...جگ، منے سنج کون اہے کرتار معاذ — بندہ ہوں ای کا دہی ہر ٹھار معاذ
...ت ہوں محمد کا کروں شکر خدا — تو ہے منجے جسم احمدِ مختار معاذ

...ر پھر یہ کہ

...محمد تھے اہے جگ میں سو خاقانی — بندہ نبی کا جسم رہے ہستی ہے سلطان منجے
...کی غلامی تھے قطب شہ شاہ ہے — اسی برکت تھے دایم سب خوارج کون ملا دیتا

...نے انسانیت کے سب سے بڑے محسن اخوت کے سب سے بڑے علمبردار
...حق کے سب سے بلند و برتر طرحدار آقائے دو جہاں سرورِ افخم حضرت محمد
...اللہ علیہ وسلم سے اپنی بے پناہ عقیدت کو ایک شعر میں اس طرح بیان
...ہے کہ وہ اس کے عشق رسول کی مثبت دلیل بن گیا ہے ناظرین بھی وہ شعر
...حظہ فرمائیں :-

سدا اہے داس محمد قلی محمد کا — نبی صدقے میں ہوں محمد غلام

...افسوس کہ مغلیہ سلطنت کے سب سے بڑے بادشاہ جلال الدین محمد اکبر
...ہندوستانیت پسندی اور ہندی معاشرت سے اس کے والہانہ لگاؤ نے
...کی ایمانی قوت کو متزلزل کر کے رکھ دیا۔ اکبر کے سوءِ اعتقاد کی ظاہری
...اور خلافِ شرع اس کے بہت سے اعمال نے اس کی شخصی زندگی کے
...میں بہت سی بدگمانیاں پیدا کر دی ہیں۔ اور یہ بدگمانیاں ایسی ہیں۔
...وجود محض شکوک کی بنیاد پر قائم نہیں ہے بلکہ ان کی صحت کے لئے اکبر
...ندگی کے داخلی اور خارجی شواہد موجود ہیں۔ حب الوطنی ایک مقدس
...مذہب اسلام تو وطن پرستی کو انسانی زندگی کا اہم ترین جز قرار
...ہے۔ اس حقیقت کا انکشاف اس حدیث شریف سے ہو جاتا ہے کہ

حُبّ الوطن من الایمان۔ لیکن دینی حمیت بھی اپنی جگہ ایک الگ فریضہ ہے۔ ملک کا وفادار شہری بننا یقیناً ایک عملِ صالح اور نیکوکاری ہے لیکن ایمان و ایقان کو اس پر نثار کر دینا عقل کے بھی خلاف ہے اور جمہوری نقطۂ نظر کے منافی بھی۔ ایمان و ایقان کا تقاضا یہ ہے کہ خیالات و رجحانات کا کوئی بھی مد و جزر اسے متزلزل نہ کر سکے۔ شاید ہندوستان کے سب سے بڑے اور اعلیٰ مرتبت شہنشاہ نے اس راز کو نہ سمجھا ہو۔ خدا اسے اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ لیکن اکبر کے مقابلے میں محمد قلی قطب شاہ ایک دور اندیش اور دانش مند انسان تھا۔ اس نے اپنی دینی حمیت کو بھی برقرار رکھا اور اپنی حب الوطنی اور قوم پروری کو بھی بقائے دوام بخشا۔ یہ اس کی اعلیٰ ظرفی اور بلند فکری کا بین ثبوت ہے۔ ان حقائق کو سامنے رکھکر ابوالقاسم فرشتہ کے اس قول پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ محمد قلی قطب شاہ دوسرے بادشاہوں کے مقابلے میں "حلیم الرؤف" تھا۔ خدا ہندوستان کے اس مایہ ناز سپوت کو کروٹ کروٹ سکون بخشے۔ آمین

مسلم علم الہیئت کی مختصر تاریخ

(۲)

جناب شبیر احمد خاں صاحب ایم، اے، ایل ایل، بی سابق رجسٹرار
امتحانات اتر پردیش۔ علی گڈھ

۳۔اموی ملوکیت: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت اور سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی منصب خلافت سے دستبرداری کے بعد اموی خاندان برسر اقتدار آیا اس کے ساتھ "ملکِ عضوض" کا دور دورا شروع ہوا "ملکِ عضوض" کے ساتھ "رجعت پسندی" نے سر اٹھایا اور زمانہ جاہلیہ کے توہمات کا احیا ہوا۔

اموی ملوکیت کو تین ذیلی ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: آل حرب کا عہد، آل مروان کا عروج، مروانیوں کا زوال:۔

الف۔ امیہ بن حرب کی اولاد۔ ۴۰۔۶۳ھ یہ ذیلی دورا امیر معاویہ ان کے بیٹے یزید اور پوتے معاویہ بن یزید کی حکومت پر مشتمل ہے۔ امیر معاویہ نے تاریخ کے فن کی سرپرستی کی، بلکہ ان کی تشجیع ہی سے یہ فن ظہور میں آیا[1]۔ یزید کا عہد ظلم وستم ہی میں گذرا۔ اس کا بیٹا معاویہ چند دن ہی خلیفہ رہا۔

اس ذیلی دور میں نجوم کا کوئی چرچا سننے میں نہیں آتا۔

ب۔ آل مروان کا عروج۔ ۶۳۔۱۰۱ھ معاویہ بن یزید کے خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد شامیوں نے مروان کو اور اہل حجاز نے عبداللہ بن زبیر کو

(۱) کتاب الفہرست: ۱۳۲

خلیفہ بنا لیا۔ اس کے بعد بڑی سخت خانہ جنگی ہوئی، جس میں انجام کار عبداللہ بن زبیر کو شکست ہوئی اور مروان کا بیٹا عبدالملک باضابطہ خلیفہ ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ولید اور پھر سلیمان خلیفہ ہوا۔ سلیمان نے اپنے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلافت کے لئے نامزد کیا۔ موخرالذکر دو سال کی مختصر خلافت کے بعد راہی ملک بقا ہوئے۔

عبدالملک اپنے زمانہ کے فقہاء میں محسوب ہوتا ہے۔ مگر اموی ملوکیت اپنی جلو میں جن خرابیوں کو لائی تھی، اس کا علم و فضل بھی انھیں فروغ پذیر ہونے سے نہ روک سکا۔ وہ خود نجوم (جوتش) کا معتقد تھا۔ ہوا یہ کہ عبداللہ بن زبیر نے ایک فوج شامیوں کے خلاف بھیجی۔ عبدالملک نے اس کے مقابلہ کے لئے اپنے بھائی کو بھیجا۔ مگر عین لڑائی کے موقعہ پر اسے جنگ موقوف کرنے کے لئے کہلا بھیجا کیونکہ بقول مسعودی :-

"قد کان مع عبدالملک منجم مقدم وقد اشار علی عبدالملک ان لا تحارب لہ خیل فی ذلک الیوم فانہ منحوس ولیکن حربہ بعد ثلاث فانہ ینصر۔" (۱)	عبدالملک کے پاس ایک نجومی تھا جو اس کا بڑا مقرب تھا۔ اس نے عبدالملک کو مشورہ دیا تھا کہ اس دن اس کے سوار جنگ نہ کریں کیونکہ وہ منحوس دن ہے بلکہ جنگ تین دن بعد ہو۔ کیونکہ (اس دن) فتح۔ نصرت نصیب ہو گی۔

مگر ابھی "عرب کے سوز دروں" پر "عجم کا حسن طبیعت" غالب نہ آیا تھا، لہذا اس کے بھائی بن مروان اس ڈھکوسلے کو خاطر میں نہ لایا اور بھائی سے کہلا بھیجا۔

"لا التفت الی تخاریف منجمک" (۲) میں تمہارے منجم کی خرافات کو درخور اعتنا نہیں

(۱) مسعودی: مروج الذہب (بر حاشیہ کامل ابن الاثیر جلد سابع) صفحہ ۸۴ - (۲) ایضاً

مگر آخر تک نجوم حکما و اطبا کے ذریعے اُمرا، دربار میں مقبول ہو رہا تھا
میں سب سے زیادہ اس نے خالد بن یزید بن معاویہ کو متاثر کیا۔ مگر جیسا کہ
ع میں عرض کیا گیا اس کے سیاسی و معاشی اسباب تھے جن کی تفصیل حسب
ہے۔

طے یہ پایا تھا کہ عبدالملک کے بعد خالد بن یزید خلیفہ ہوگا۔ مگر استقلال
سنت کے بعد عبدالملک کی نیت بدل گئی اور اس نے کسی نہ کسی طرح خالد
یزید کو خلافت سے دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا[1]۔ لہٰذا وہ حصول خلافت
یوس ہو کر از دیاد جاہ و ثروت کی خاطر کیمیا اور ہوسی کی طرف مائل ہو گیا
اس غرض سے یونانی اور قبطی زبانوں سے کیمیا کی کتابیں عربی میں ترجمہ
ں۔ انھیں کیمیا کی کتابوں کے ساتھ اس نے طب اور نجوم کی کتابیں بھی ترجمہ
یں۔ ابن الندیم لکھتا ہے:-

ی عنی باخراج کتب القدماء فی	پہلا شخص جس نے علم کیمیا کے اندر متقدمین
ۃ خالد بن یزید بن معاویہ	کی کتابوں کو ترجمہ کرانے کے ساتھ اعتنا
ھو اول من ترجم لہ کتب الطب	کیا، خالد بن یزید بن معاویہ ہے .....
وم و کتب الکیمیاء۔" (۲)	وہ پہلا شخص ہے جس کے لئے طب، نجوم
	اور کیمیا کی کتابیں ترجمہ کی گئیں۔

خالد بن یزید کو محض نجوم (جوتش) ہی کے ساتھ دلچسپی نہیں تھی۔ بلکہ شاید
فلک، علم الھیئت سے بھی دلچسپی تھی۔ اس فن میں اس نے قدماء کی کتابوں
وہ غالباً ان کے آلات رصدیہ کو بھی جمع کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس
یس کا کرہ بھی تھا جو تانبے کا بنا ہوا تھا اور جو امتداد زمانہ کے ساتھ مصر کے

(۱) کتاب الفہرست: ۴۹۷ (۲) کتاب الفہرست: ۳۵۸

فاطمی خلفاء کے کتب خانہ میں پہونچا۔ وہاں اسے ابن السنجزی نے دیکھا تھا، چنانچہ
ابن القفطی اس سے نقل کرتا ہے:-

"فرائیت من کتب النجوم والهندسة والفلسفة خاصة ستة الاف وخمسمائة جزء وکرة نحاس من عمل بطلمیوس وعلیها مکتوب حملت هذه الکرة من الامیر خالد بن یزید بن معاویة" (۱)

پس میں نے صرف نجوم، ہندسہ اور فلسفہ کی ساڑھے چھ ہزار جلدیں دیکھیں۔ نیز ایک تانبے کا بنا ہوا کرہ بھی دیکھا جو بطلمیوس کا بنایا ہوا تھا اور جس پر لکھا ہوا تھا کہ یہ کرہ امیر خالد بن یزید بن معاویہ کے یہاں سے لایا گیا ہے۔

خالد بن یزید کو سائنٹفک علم الھیئت سے دلچسپی رہی ہو یا نہ رہی ہو مگر پہلی صدی ہجری گذرنے سے پہلے ہی ارصادی سرگرمیاں شروع ہو گئی تھیں چنانچہ حسب تحقیق البوریحان البیرونی پہلی صدی ہجری کے آخری عشرہ کے اندر قلمرو کے خلافت کے ایک غیر معروف مشرقی گوشہ (سجستان) میں باقاعدہ فلکیاتی مشاہدات کا پتہ چلتا ہے۔ یہ مختلف سورج گہنوں کے ارصادات تھے جو سن ۹۰ اور سن ۱۰۰ ہجری کے درمیان کئے گئے تھے۔ غالباً انھیں ارصاد کی مدد سے شہر بست کے عرض البلد کا استخراج کیا گیا جو ۳۲ درجے نکلا۔ نیز شہر کے ارتفاع جدی کی مقدار ارصاد کے بعد ۳۴ درجہ ۱۰ دقیقہ نکلی۔(۲)

یہ معلومات البیرونی کو ایک پرانی جھلّی پہ لکھی ہوئی "زیج" میں دستیاب ہوئی تھیں جو ایک شخص علی بن محمد البوشیجروی الملقب بجاسوس الفلک کے پاس

---

(۱) ابن القفطی: تاریخ الحکماء ص ۴۴۰۔ (۲) البوریحان البیرونی: تحدید نهایات الاماکن۔ ۲۶۷۔

"وقد عثرت بغزنة علی زیج معمول علی سنی دقلطیانوس مکتوب فی رق عتیق۔ وفی آخره تعالیق لبعض المجتهدین دنکت المواليد وکسوفات شمسیه مرصودة تواریخها فیما بین سنة تسعین وبین سنة مائة"

(۲) ایضاً صفحہ ۲۲۸ "والزیج الذی ذکرته باق فی ید علی بن محمد البوشیجروی الملقب بجاسوس الفلک

ح۔ مروانیوں کا زوال | حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد مروانیوں کا زوال ہو گیا جس کے نتیجے میں ایک جانب ان میں عیش پرستی اور دوسری جانب توہم پرستی بڑھتی گئی۔ موخر الذکر کے ضمن میں نجوم اور جوتش پر اعتقاد اعلیٰ طبقہ میں اپنے قدردان پیدا کرتا رہا۔ چنانچہ سیوطی نے حماد الراویہ سے روایت کی ہے کہ ولید بن یزید (۱۲۵-۱۲۶ھ) نے دو منجموں سے اپنا زائچہ بنوایا تھا۔ اسپر جماعت نے اسکا دل رکھنے کے لئے ایک اور جھوٹی پیشین گوئی کی۔ سیوطی نے لکھا ہے:-

"قال حماد الراویہ کنت یوماً عند الولید
فدخل علیہ منجمان۔ فقالا نظرنا فیما
امرتنا فوجدناک تملک سبع سنین
قال حماد فاردت ان اخدعہ فقلت
کذبا ونحن اعلم بالآثار وضروب العلم
وقد نظرنا فی ھذا فوجدناک
تملک اربعین سنة" (۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ولید ثانی کے زمانہ تک نجوم عربی ادب میں اچھی طرح متعارف ہو چکا تھا۔ اور اس فن میں عربی زبان کے اندر کافی کتابیں لکھی جانے لگی تھیں چنانچہ نجوم کی ایک کتاب "مفتاح النجوم" (جو افسانوی حکیم "ہرمس" کی تصنیف کہی جاتی ہے) (۲) کا مخطوطہ جس کا ترجمہ سنہ ۱۲۵ھ میں ہوا تھا حسب تصریح نلینو میلانو کے کتب خانہ میں ہے۔ (۳)

---

(۱) سیوطی: تاریخ الخلفاء ۱۰۱-۱۷۱۔ (۲) کتاب الفہرست: ۳۷۳۔ (۳) نلینو: اول کتاب علم من الیونانیة الی العربیة... وہو ترجمہ کتاب عرض مفتاح النجوم المنسوب الی ھرمس الحکیم... نسخة منہ فی المکتبة الامبروسانیہ فی میلانو من مدن ایطالیہ.... وکان ترجمة الکتاب فی ذی قعدہ سنہ خمس وعشرین ومائة ہجریة علم الفلک، تاریخہ عند العرب فی القرون الوسطی صفحہ ۱۴۲-۱۴۳

جہاں تک علم ہیئت کی خالص سائنٹفک سرگرمیوں کا تعلق ہے۔ اس د
میں بمنزلہ صفر نظر آتی ہیں ہشام بن عبدالملک (۱۰۵ - ۱۲۵ھ) کے زم
میں اس کا موقعہ آیا بھی تھا مگر اس نے حزم و احتیاط کی بنا پر اس کے سات
اعتنار کی جرأت نہیں کی - اس کی تفصیل یہ ہے :-

اسلام کے زرعی نظام میں زمین کی دو قسمیں ہیں: عشری اور خرا
عشری زمین کی پیداوار پہ دسواں (اور بیسواں) حصہ مقرر ہے - خراجی زمی
پر سالانہ لگان مقرر ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا سال قمری ہوتا ہے جو سال شمس
سے گیارہ دن سے کچھ زیادہ کم ہوتا ہے - اس لئے ہجری سن کے اعتبار سے
خراج کی واجب الادا تاریخ اصل واجب الادا تاریخ سے ہر سال گیارہ د
کم ہوتی جائے گی - ایران قدیم میں اس غرض سے سال شمسی کا جو ۳۶۵¼ د
ہوتا ہے اعتبار ہوتا تھا اور ہر ایک سو بیس سال کے بعد ایک مہینہ کا اضا
کردیا کرتے تھے۔[1] اس سے "نوروز" (جو ان کے یہاں خراج کے واجب ا
ہونے کی تاریخ تھی) کا وقت زیادہ نہیں بدلتا تھا۔

لیکن فتح اسلام کے بعد نوروز کی موقت اصلاح کا نظام مختل ہو گیا
یہاں تک کہ ہشام کے عہد خلافت میں زمینداروں نے عراق کے گورنر
بن عبداللہ القسری سے اس کی اصلاح کی درخواست کی - اس نے ا
اہم معاملے کو بطور خود انجام دینے سے منع کر دیا - البتہ اسے بغرض فیصل
ہشام کے پاس روانہ کر دیا۔ مگر اس نے ازراہ احتیاط اس درخواس
کو مسترد کر دیا کہ کہیں یہ "نسئی" کے بازاحیار کی شکل نہ اختیار کرلے، جس
قرآن نے اتنی شدت سے ممانعت کی تھی - البیرونی نے "آثار الباقیہ" میں ل

(۱) البیرونی: کتاب التفہیم (فارسی) مرتبہ جلال ہمائی صفحہ ۲۲۶

ن الفرس کانوا یکبسونها فلما جاء الاسلام
طل واخذ ذلک بالناس، واجتمع الدهاقنة
من هشام بن عبد الملک الی خالد
لقسری فشرحوا له هذا وسالوه
ن یوخر النوروز شهراً فابی وکتب
لی هشام بذلک فقال انی اخاف
ن لا یکون هذا من قول الله
عالی انما النسئی زیادة فی الکفر"[1]

) عباسی خلافت آغاز	اموی "ملک عضوض" جس طبقہ کے لئے سب سے زیادہ آزاردہ ثابت ہوا، اہل عجم (ایرانی قوم) کا تھا۔

ہیں یوں بھی اپنی قومی عظمت و برتری کا[2] اور اس سے زیادہ عربوں کی
وماندگی کا احساس تھا، اس پر ستم یہ ہوا کہ امویوں نے ان کی تقلید
ں ملوکیت پسند عرب اشراقیین نے انھیں بنظر تحقیر و تذلیل دیکھنا شروع
۔ ادھر اندرونی طور پر خود عربوں میں بنو ہاشم بالخصوص حضرت علی کرم
وجہہ کی اولاد منصب خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے لہذا جلد ہی دونوں
ں ایک طرح کا سمجھوتا ہو گیا اور اندر ہی اندر امویوں کے خلاف ایک
رناک تحریک مستحکم ہوتی گئی۔ دوسری صدی ہجری کے ثلث اول کے
مہ پر ابو مسلم خراسانی اس تحریک کا سربراہ تھا۔ اس نے علانیہ علم بغاوت
د کیا۔ اموی خلیفہ کو ہر معرکہ میں ناکامی ہوئی، تا آنکہ زاب کی جنگ میں
ارا گیا اور امویوں کے بجائے عباسی برسراقتدار آئے (۱۳۲ھ)
"زاب کی لڑائی" دو حکمراں خاندانوں کی جنگ نہ تھی، بلکہ "عرب کے سوز دروں"

ابوریحان البیرونی: الآثار الباقیہ۔ ۳۲۔ (۲) ابن جلجل: طبقات الاطباء و الحکماء
فحہ ۵ و ۹

اور "عجم کے حسن طبیعت" کا مقابلہ تھا اور اس میں موخر الذکر کی فتح ہوئی۔ عباسی
چونکہ ایرانیوں کی مدد سے منصب خلافت پر فائز ہوئے تھے اس لئے نہ صرف ا
کاروبار حکومت ہی پر چھاگئے، بلکہ ان کی تہذیب و ثقافت کو بھی عربوں کی ساد
بدویانہ تہذیب پر غلبہ حاصل ہوگیا۔

منصور اور علم ہئیت کی ترقی ایرانیوں کو اپنے علم و حکمت پر ناز تھا۔ وہ ایران ہی کو اس کا گہو
اولین سمجھتے تھے لہذا علوم دینیہ کے ساتھ علوم عقلیہ کو بھی خصو
ترقی ہوئی اور دوسرے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور (۱۳۶-۱۵۸ھ) ہی کے زما
علمی ترقی کے ایک نئے باب کا افتتاح ہوا۔ چنانچہ اموی عہد کی علمی بیمائگی کے شک
کے بعد قاضی صاعد اندلسی لکھتا ہے:۔

"پس جب اللہ تعالیٰ نے بنی امیہ کی جگہ ہاشمی (عباسی) خلافت قائم کی
اور انھیں حکمرانی کا موقعہ دیا تو ہمتوں میں استواری بخشی اور فطانتیں
بیدار ہوگئیں۔ اس خاندان میں پہلا شخص جس نے علوم و فنون کی طرف
توجہ کی خلیفہ ثانی ابوجعفر منصور تھا۔ جو فقہ میں دستگاہ عالی اور علوم
فلسفہ بالخصوص نجوم میں کمال رکھنے کے ساتھ ساتھ ان علوم کا شائق اور
اس کے ماہرین کا قدرداں تھا۔(۱)

چنانچہ اس نے بادشاہ روم سے علوم عقلیہ کی کتابیں ترجمہ کرا کر منگائیں۔ ا
خلدون لکھتا ہے۔

"فبعث ابوجعفر المنصور الی ملک الروم ان یبعث الیہ بکتب التعالیم مترجمۃ۔ فبعث الیہ بکتاب اوقلیدس

پس خلیفہ ابوجعفر منصور نے بادشا
روم کو ریاضیات کی کتابوں کا عرب
ترجمہ کرا کر بھیجنے کے لئے لکھا۔ پس ا

(۱) قاضی صاعد اندلسی: طبقات الامم - ۵۷

من کتب الطبیعیات۔ فقرأوا ...لمون واطلعوا علی ما فیہا ...داد واحرصاً علی الظفر ...فی منہا۔"(۱)

اقلیدس کی "اصول الہندسہ" اور طبیعیات کی کچھ کتابیں اسے بھیجیں۔ مسلمانوں نے انھیں پڑھا اور ان کے مضامین سے واقف ہوئے۔ اس سے ان کتابوں کیلئے جو روم میں باقی رہ گئی تھیں انکا شوق اور بڑھ گیا۔

منصور کو علوم عقلیہ میں سے نجوم کے ساتھ خصوصیت سے دلچسپی تھی۔ وہ ...ن نجوم کا دلدادہ تھا، قاضی صاعد اندلسی کی تصریح اوپر مذکور ہوئی۔ سیوطی ...ن محمد بن علی خراسانی سے نقل کیا ہے:۔

منصور اول خلیفۃ قرب المنجمین ...باحکام النجوم (۲)

منصور پہلا خلیفہ ہے جس نے نجومیوں کو تقرب بخشا اور احکام نجوم پر عمل کیا۔

منصور کا منجم خاص نوبخت تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو سہل بن نوبخت ...عہدہ پر فائز ہوا۔ دوسرا منجم ماشاء اللہ یہودی تھا جس نے نوبخت کے ...ساتھ مل کر بغداد کی بنیاد ڈالنے کی مہورت نکالی تھی۔

...نجوم کے ساتھ منصور کے اسی شغف کے قصے سن کر ہندوستانی پنڈتوں ...کا وفد بغداد پہونچا تھا۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

...اس وقت بغداد میں عرب نظام فلکیات مروج تھا جسے "علم الانواء" ...، کیونکہ اسی انداز پر ابراہیم بن حبیب الفزاری نے اپنی زیج "کتاب ...علی سنی العرب" مرتب کی تھی اور اسی انداز پر اس کے بیٹے محمد بن ابراہیم ...نے منصور کے حکم سے "سدھانت" کا ترجمہ کیا تھا۔

---

(۱) ...خلدون: مقدمہ: ۴۰۱۔ (۲) سیوطی: تاریخ الخلفاء - ۱۰۳

آیا خود "علم الانوار" پر بھی کوئی کتاب اس وقت لکھی گئی تھی، یہ سوال ہنوز تحقیق طلب ہے۔ ویسے بعد میں اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن میں سے کوئی بیس کے نام ابن الندیم نے "کتاب الفہرست" میں دیئے ہیں (۱)

دوسرا ہیئتی نظام ایرانیوں کا تھا، جس کی بنیاد "زیج شہریار" (زیگ شتریا) پر تھی۔ اس زیج کو ابوالحسن علی بن زیاد التمیمی نے عربی میں ترجمہ کیا تھا (۲) غالباً اسی پر نوبخت اور اس کی اولاد کا عمل تھا۔

یونانی علم الہیئت کی کتاب "المجسطی" کے ساتھ اعتنار کا کوئی حوالہ ہنوز نہیں مل سکا۔ مگر خیال ہوتا ہے کہ لوگ اس سے واقف ضرور تھے کیونکہ اول تو یہ انتہائی مشہور کتاب تھی، سریانی زبان کے علمار اس سے ضرور واقف ہونگے۔ دوسرے المجسطی کا مشہور مترجم حجاج بن یوسف بن مطر منصور کے دربار کا ایک معتمد علیہ فاضل تھا۔ جس کی نگرانی میں بغداد کا ایک ربع تعمیر ہوا تھا۔

اسی زمانہ میں (۱۵۶ھ بقول ابن الآدمی یا ۱۵۴ھ بقول ابوریحان البیرونی) ہندوستان کا ہیئتی نظام "سدھند" (سدھانت) بغداد میں داخل ہوا۔ چنانچہ قاضی صاعد اندلسی نے لکھا ہے:-

"ان الحسین بن محمد بن حمید المعروف بابن الآدمی ذکر فی زیجہ الکبیر المعروف بنظام العقد انہ قدم علی الخلیفۃ المنصور فی سنۃ ست وخمسین ومائۃ رجل من الہند قائم بالحساب المعروف بالسندھند

حسین بن محمد بن حمید المعروف بہ ابن الآدمی نے اپنی زیج کبیر میں جو "نظام العقد" کے نام سے مشہور ہے لکھا ہے کہ الخ

(۱) کتاب الفہرست: ۳۴۲۔ (۲) ایضاً صفحہ ۱۳ (۳) ابوریحان البیرونی کتاب الہند ۲۰۸۔

فی حرکات النجوم مع تعادیل معلومة
.... فی کتاب یحتوی علی اثنا عشر
باباً وذکر انه اختصره ......
امر المنصور بترجمة ذلک الکتاب
الی اللغة العربیه وان یولف منه
کتاب تتخذه العرب اصلاً فی حرکات
الکواکب فتولی ذلک محمد بن ابراهیم
الفزاری وعمل منه کتاباً یسمیه
المنجمون بالسند هند الکبیر۔
... فکان اهل ذلک الزمان یعملون
الی ایام الخلیفه المامون۔" (۱)

برہم سدھانت ہی کے ذریعے مسلمان مہندسین "جیب" کے تصور سے واقف ہوئے
یونانی اور ایرانی علم الھیئت میں "اوتار" ہی کے ذریعے مثلثاتی حسابات
جاتے تھے۔ علم المثلثات کی ترقی میں مسلمانوں کا یہ پہلا قدم تھا۔

اس زمانہ کے مشہور ہیئت داں حسب ذیل تھے :۔

ابراہیم بن حبیب الفزاری : سمرہ بن جندب فزاری کی اولاد میں سے
۔ نجوم و ہیئت میں دستگاہ عالی رکھتا تھا اور اس فن کی کئی کتابوں کا
مصنف ہے جیسے قصیدہ فی علم النجوم، کتاب المقیاس الزوال، کتاب الزیج
سنی العرب، کتاب العمل بالاصطرلابات ذوات الحلق، کتاب العمل بالاصطرلاب المسطح"

محمد بن ابراہیم الفزاری : علم ہیئت اور کواکب کی سیر و گردش کا فاضل

طبقات الامم - ۴۹۔ (۲) ابن القفطی : تاریخ الحکماء - ۵۷

نیز نجومی پیشین گوئی کا ماہر تھا۔ اسی نے خلیفہ ابوجعفر منصور کے ایما ر سے "سدھانت
کا عربی میں ترجمہ کیا جو "السند ہند" کے نام سے عرصہ تک مسلمانوں میں متداول
رہا اور پھر اسی کے انداز پر اپنی زیج تیار کی جو البیرونی کے مطالعہ میں رہی تھی۔

یعقوب بن طارق :۔ "سدھانت" کو عربی میں منتقل کرنے میں محمد بن
ابراہیم الفزاری کا شریکِ کار تھا۔ ہندوستانی ہیئتی وفد کے ایک رکن
کی مدد سے اس نے قدیم ہندو علم الھیئت کے "ادوار اربعہ" (چزیگ) کو عربی
میں منتقل کیا تھا۔ علم الہیئت میں اس کی خاص تصنیف "کتاب ترکیب الافلاک"
ہے۔ اس کے علاوہ اس کی تصانیف میں "کتاب تقطیع کردجات الجیب"
"کتاب ما ارتفع من قوس نصف النہار" "کتاب الزیج المحلول فی السندہند"
بھی ابن الندیم کے زمانہ (۳۷۸ھ) تک مشہور تھیں۔ (۱)

الطبری: حسب تصریح ابن واضح الیعقوبی ان لوگوں میں تھا جن کی نگرانی
میں انجنیروں نے بغداد کو تعمیر کیا تھا۔ غالباً اس کا پورا نام عمر بن فرخان الطبری
جو تاریخِ اسلام کے چار حذاق مترجمین میں محسوب ہوتا ہے۔ اس نے بطلمیوس
کی "کتاب الاربعہ مقالات" کی شرح لکھی تھی جسے ابویحییٰ بطریق نے عربی میں ترجمہ

نوبخت : منصور کا منجم خصوصی تھا، اسی نے امام نفسِ زکیہ کے مقابلے
میں منصور کی فتح کی پیشین گوئی کی تھی۔ اور جب لڑائی میں منصور کی فوج
کامیاب ہوئی تو نوبخت خلیفہ کو فتح کی مبارکباد دینے آیا۔ جس کے صلے میں
اسے ایک بڑی جاگیر عطا ہوئی (۲)۔ نوبخت ہی نے ماشاء اللہ کے ساتھ مل کر
بغداد کا سنگ بنیاد رکھنے کی مہورت نکالی تھی۔

ماشاء اللہ: منصور کے زمانہ کا بہت بڑا جوتشی تھا، نجوم اور جوتش کی

---

(۱) کتاب الفہرست: ۳۸۸ (۲) ابن الاثیر: کامل جلد خامس ۱۲۰

متعدد کتابوں کا مصنف ہے جن میں سے اکثر قرون وسطیٰ میں لاطینی میں ترجمہ کی گئیں۔ اس کی تصانیف میں ابن الندیم نے اصطرلاب سازی پر بھی کئی کتابوں کا نام لیا ہے جیسے "کتاب صنعۃ الاصطرلابات والعمل بھا" اور کتاب تسامت الحلق(۱)

ان منجمین اور ہیئت دانوں میں حسب تصریح ابن القفطی ابراہیم بن حبیب الفزاری کو شرف اولیت حاصل ہے۔ عہد اسلام میں وہ پہلا فاضل ہے جس نے اصطرلاب بنایا۔ اس کی کتاب تسطیح الکرہ اس فن میں بعد کے مسلمان ماہرین اصطرلاب کا ماخذ تھی چنانچہ ابن القفطی لکھتا ہے:۔

وهو اول من عمل فی الاسلام اصطرلابا وله کتاب فی تسطیح الکرۃ ماخذ کل الاسلامیین۔"(۲)	وہ پہلا شخص ہے جس نے عہد اسلام میں اصطرلاب بنایا۔ تسطیح کرہ کے موضوع پر اس نے ایک کتاب تصنیف کی تھی جو تمام مسلمان اصطرلاب سازوں کا ماخذ ہے۔

منصور کے بعد | خلیفہ ابوجعفر منصور نے ۱۵۸ھ میں وفات پائی اور اس کا بیٹا مہدی کے نام سے اس کا جانشین ہوا۔ اس کا بیشتر وقت زندقہ والحاد کے استیصال میں گذرا۔ زندقہ کی بیخ کنی کے لئے "صاحب الزنادقہ" کے نام سے ایک خصوصی پولیس افسر مقرر کیا۔ ان انتظامی معاملات کے ساتھ اس نے علمی سرپرستی کو بھی جاری رکھا۔ متکلمین کو بلا کر زنادقہ کے رد میں کتابیں لکھوائیں۔(۳) اس کے ایماء سے ایک نصرانی کاتب ابونوح نے جاثلیق طیماؤس کے ساتھ مل کر ارسطو کی کتاب طوبیقا" (کتاب الجدل) کو سریانی سے عربی میں منتقل کیا، نیز ارسطاطالیس کی پہلی تین کتابوں "قاطیغوریاس" "باری ارمینیاس" اور "انالوطیقا" اور فرفوریوس کی "ایساغوجی" کا عربی میں ترجمہ کیا۔

---

(۱) الفہرست: ۳۸۶۔ (۲) ابن القفطی: تاریخ الحکماء ۱۰۹۔ (۳) مروج الذہب برحاشیہ کامل ابن الاثیر جلد دہم صفحہ ۱۴۱-۱۴۲

دیگر علوم کے علاوہ نجوم کے ساتھ بھی سرکاری سرپرستی جاری رہی۔ دربار میں متعدد نجومی تھے جن کا رئیس اور افسر اعلیٰ توفیل بن توما الرہادی تھا۔ اس کی حذاقت فنی کے بارے میں ابن القفطی کہتا ہے۔

"توفیل بن توما النصرانی المنجم الرهاوی وکان هذا المنجم بغدادی وهو رئیس منجمی المهدی وکان خبیراً بحوادث النجوم وله فی احکام النجوم اصابات عجیبة (۱)

توفیل بن توما عیسائی مذہب نجومی تھا جو شہر رہا کا رہنے والا تھا مگر بعد میں بغداد ہی میں متوطن ہو گیا تھا۔ وہ مہدی کے نجومیوں کا رئیس اور سردار تھا۔ نجومی حوادث سے باخبر تھا۔ احکام نجوم میں اس کی پیشین گوئیاں تعجب خیز طور پر صحیح ثابت ہوتیں۔

مہدی نے سنہ ۱۶۹ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ہادی کے نام سے تخت خلافت پر متمکن ہوا، مگر سال بھر بعد ہی راہی ملک عدم ہوا۔ اور مہدی کا دوسرا بیٹا ہارون الرشید (۱۷۰-۱۹۳) اس کا جانشین ہوا۔

ہارون اور برامکہ ہارون کا عہد خلافت برامکہ کے عروج و زوال کی داستان ہے برامکہ کے مورث اعلیٰ بلخ کے مشہور بدھ مٹھ "نوبہار" کے متولی "برموک" (پرمکھ ۶ [illegible]) رہے تھے۔ اسی لئے یہ خاندان برمکی کہلاتا تھا۔ علم دوستی و علماء نوازی اس خاندان نے اپنے اسلاف سے ورثہ میں پائی تھی۔ انھیں نے ہندوستانی علوم بالخصوص ہندی طب کو بغداد میں متعارف کرایا۔ انھیں کے ایماء سے سلما الحرانی نے ارسطاطالیسی منطق کی پہلی تین کتابیں اور ایساغوجی کا تیسری مرتبہ (غالباً براہ راست یونانی سے) عربی میں ترجمہ کیا۔

---

(۱) تاریخ الحکماء - ۱۰۹

۔ انھیں کی سرپرستی میں حجاج بن یوسف بن مطر نے اصول اقلیدس کا ترجمہ کیا۔ (۱)
مگر ریاضی و ہیئت کی تاریخ میں برمکی خاندان کے دو کارنامے مشہور ہیں:۔
(۱) بطلمیوس کی کتاب المجسطی یونانی علم ہیئت کا شاہکار ہے جسے بطلمیوس
ڈی نے تصنیف کیا تھا ہارون کے برمکی وزیر یحییٰ بن خالد کی خواہش تھی کہ
ن کتاب کا عربی میں اسی پایہ کا ترجمہ کیا جائے جس پایہ کی اصل ہے۔ بہت سے لوگوں
س کا ترجمہ کیا۔ مگر یحییٰ برمکی کو پسند نہ آیا۔ آخر میں انھوں نے یہ کام مشہور
لم سلمائے حرانی اور ابوحسان کے سپرد کیا اور انھوں نے مختلف مترجمین سے
کے ترجمے کرائے۔ ان میں جو بہترین تھا اسے یحییٰ کے سامنے پیش کیا۔ ابن الندیم
ا ہے:۔

ں من عنی بتفسیرہ و اخراجہ الیٰ
بیہ یحییٰ بن خالد بن برمک
رہ جماعۃ فلم یتقنوہ ولم یرض
ب۔ فندب لتفسیرہ اباحسان
لم صاحب بیت الحکمۃ فاتقناہ
جتھد افی تصحیحہ بعد ان احضر
لہ المجودین۔ فاختبرا نقلھم
ن ابا فصحہ و اصحہ" (۲)

ا نچہ حجاج نے مامون کے عہد میں اصول اقلیدس کا جو ترجمہ کیا تھا اس کے دیباچہ میں مرقوم ہے:۔
ون الرشید کے عہد خلافت میں یحییٰ بن خالد بن برمک کی جانب سے حجاج اس کتاب
یا میں ترجمہ کرنے پر مامور ہوا۔ جب مامون تخت خلافت پر بیٹھا تو ... حجاج نے اس کے التفات
ت کو حاصل کرنے کے لئے توضیح و تفسیر کے ساتھ اس کتاب کی تلخیص کی۔

T. L. Heath: Thirteen Book of Euclid vol I P 71
الفہرست - ۳۷۴

"تاثرات"

بیگم صاحبہ، مرحوم ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی
وچیرمین اردو بورڈ دہلی

"تاثرات"

ڈاکٹر اسمار سعیدی کے مجموعۂ کلام گلہائے فکر پر مارچ کے برہان" میں
تبصرہ ہوچکا ہے، بیگم صاحبہ ڈاکٹر عبدالعلیم مرحوم کے "یہ تاثرات" اسی
مجموعہ کے متعلق ہیں، تبصرے کی اشاعت کے بعد شاید برہان میں اس خط کی اشاعت
ضروری نہیں تھی۔ خط میں قلبی تاثرات کو سادہ صاف، ستھرے ادبی رنگ میں پیش کیا
گیا ہے، اچھا ہے۔ اس طرح بیگم صاحبہ کا مکتوب محفوظ ہو جائے گا اور اسمار
بھی خوش ہو جائیں گی۔ (ع)

پیاری بیٹی اسماء۔ دعائیں:۔

تمہارے کئی خطوط مجھ کو ملے لیکن میں تم کو جواب نہیں دے سکی کیونکہ بیٹی تم جا
کہ میرا دل و دماغ غم واندوہ کے بوجھ سے قابو میں نہیں رہتا۔ جب تمہاری کتاب گ
فکر مجھے ملی تو اس میں تمہاری تصویر دیکھ کر دل بھر آیا۔ تمہاری محبت ایک مرتبہ پھ
کر آئی کتاب پڑھ کر اور تمہاری محبت و خلوص سے لبریز اشعار دیکھ کر آنکھوں
آنسوؤں کا سیلاب اُمنڈ پڑا، دل و دماغ کے سیمابی پردوں پر یادوں کے نق
اُبھرتے ڈوبتے رہے" آہ ڈاکٹر عبدالعلیم" کے اشعار پڑھتی رہی اور
کی وادیوں میں کھوئی رہی جب اس شعر پر پہنچی ؎

موتی باغ کی ہے فضا اس قدر حزیں کیوں آج وہ مناظر تاباں نہیں رہے

لی کا موتی باغ یاد آگیا جہاں تم سے اکثر ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ تمہارے خلوص کی
ڑ صاحب بھی بہت قدر کرتے تھے اور میں تو ہمیشہ ہی تمھیں ایک محبت کرنیوالی
ی طرح چاہتی رہی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ زندگی ایک سراب کی مانند ہے اور
ے خواب کسی شیشے کے محل طرح گر کر پاش پاش ہو جائیں گے۔ اب نہ تو
ے لئے موتی باغ ہے اور نہ دلی کی کشادہ سڑکیں اور چمکتی دمکتی زندگی
ت ایک گوشہ تنہائی ہے اور مرحوم کی یاد کو سینے سے لگائے بیٹھی ہوں بقول
رے ؎

ہیں یقین کچھ اس دل کو آہ کل تک تھے جو حیات وہ انساں نہیں رہے

نا یوسیوں میں کون امید میں بندھائے گا

وہ چارہ ساز حسرت و حرماں نہیں رہے

تمھارے اشعار آنسوؤں اور دلی جذبات میں ڈوبی ہوئی موتیوں کی لڑیوں
ح ہیں دل و جذبات کی ملی جلی تصویر اور محبت کی زبردست عکاسی تمہارے
ایک شعر سے عیاں ہے۔ یہ تمھاری تحریر نہیں بلکہ مجسم محبت اور خلوص انسانی
ہیں نے تمھیں قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا خ۔ اگرچہ تمھاری دعا باری رحمت
بول ہو ؎

مرقد پہ ان کے رحمتیں یارب تری رہیں

احکام سے جو تیرے گریزاں نہیں رہے

پس ماندگاں کو صبر کی توفیق کر عطا

یارب وہ تیرے بندۂ ایماں نہیں رہے

ے ایک نظم "نور بیگم ڈاکٹر عبد العلیم" بھی اپنی کتاب میں شامل کی ہے۔ پڑھ کر

تمھاری محبت اور قدر میرے دل میں بہت بڑھ گئی یہ تمھاری محبت اور قدر دانی ہے کہ تم نے مجھے اور میرے متعلقین کو سراہا۔ میرے رہنے سہنے کے طریقے پر گفتگو اور خلوص پر، مہماں نوازی اور عطیات خلوص پر اور نزاکت و نفاست پر طبع آزمائی کی ہے ۔

ہم نے کیا آپ کا مکاں دیکھا حسن و رعنائی کا جہاں دیکھا

گھر نظر سے بہت سے گزرے ہیں کیا سلیقہ مگر یہاں دیکھا

فیض و فیاضی و کرم کے سبب ہر گھڑی ایک مہماں دیکھا

پڑھتے پڑھتے جب اس شعر پر پہنچی ؎

آپ سے اور علیم صاحب سے گھر کے ذروں کو کہکشاں دیکھا

آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب کی یاد دل پر ایک کچوکہ بن کر لگتی ہے تو کچھ نہیں اچھا لگتا۔ کیسی عید اور بقر عید؟ کسقدر خوش ہوتے تھے ڈاکٹر صاحب ایسے موقعوں پر اب تو تمھارا خیال ہے ؎

یہ سویوں کا حسن رنگ و بو

منیر کو ایک بوستاں دیکھا

ایک خواب لگتا ہے۔

"بچوں کی محفل" بھی تم نے خوب لکھی ہے کتنی عمیق نظریں ہیں تمھاری افشاں ارشد اور منٹو کی حرکات و سکنات کو شعری جامہ زیب کرنا تمھارے ہی بس کی بات ہے بچوں کی ذہانت شرارت اور نفسیاتی تجزیہ تم نے اپنے اشعار میں بہت خوبصورتی سے کیا ہے ؎

باہم لڑائیاں بھی باہم ملاپ اس میں

بچوں کی انجمن ہے نفرت نہیں ہے جس میں

آخیر میں تم نے علیم صاحب کا شکریہ اس طرح ادا کیا ہے ؎

احسان و مہربانی و شفقت کا شکریہ
حالِ زبوں پہ لطف و عنایت کا شکریہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر صاحب کی مہربانیوں کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ کاش کہ تمہاری کتاب اُن کی زندگی میں چھپ کر آگئی ہوتی تو وہ کس قدر خوش ہوتے وہ نہ صرف اپنوں کے لئے کرتے تھے بلکہ غیروں کی بھی ہمدردی اور بھلائی کرتے تھے شاید اللہ تعالیٰ کو ان کی یہی ادا پسند آجائے اور ان کے سارے گناہوں کو رب العزت معاف فرما کے ان کو جنت الفردوس میں بہترین جگہ عنایت کر دے ہم سب کی دلی تمنا اور خواہش ان کے لئے یہی ہے۔ بیٹی تمہارا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ

ے شرمندۂ کرم تو انھیں سے رہے ہیں لوگ
اپنے لئے کسی سے پشیماں نہیں رہے

تمہاری خالہ جان تمھیں بہت یاد کرتی ہیں، کبھی علی گڈھ آنے کا پروگرام بناؤ تم سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ اخیر میں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ تم نے اپنی محبت میں ہم لوگوں کو یاد رکھا اور اپنا مجموعۂ کلام "گلہائے فکر" مجھے بھیجا۔ ہم لوگوں کی طرف سے اپنی امی کو سلام کہنا اور بہن کو دعا۔

(تمہاری، عصمت، بیگم علیم، علیگڑھ

بقیہ صفحہ ۳۱۶

عربی الفاظ عربی ٹائپ میں اور اردو الفاظ نستعلیق کتابت میں ہیں۔ البتہ عربی اور انگریزی کا ٹائپ جتنا باریک استعمال کیا گیا ہے اور اس کے لئے چھپائی میں جتنی احتیاط ضروری تھی اس میں کمی رہی کہیں حروف اڑے اڑے سے ہیں اور کہیں روشنائی بھر سی گئی ہے تاہم حروف پڑھنے میں آتے ہیں شروع میں عنوانات کی فہرست بھی دی جاتی تو افادیت اور بڑھ جاتی۔

بہرحال کتاب بہت مفید اور جامع ہے، امید ہے کہ عربی سیکھنے کے شائقین اس فائدہ اٹھائیں گے۔ (طارق دہلوی)

تبصرے

جدید عربی ٹیچر باتصویر مرتبہ: سید علی

تقطیع خورد ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۷۶، کتابت طباعت عمدہ

آفسیٹ قیمت =/۶ پتہ این، احمد اینڈ کمپنی ۵۷۔ نور

او کھلا نئی دہلی ۲۵

عربی زبان دنیا کی چند اہم ترین اور قدیم و ترقی یافتہ زبانوں میں

ایک ہے، اہل اسلام کے لئے اس زبان کی اہمیت یوں اور زیادہ ہے کہ

اور احادیث نبویہ اور عام بنیادی ذخیرہ اسلام کا اسی زبان میں ہے۔

جب سے عرب ممالک میں ہر قسم کے لئے لوگوں کے معاش کے بے شمار د

پیدا ہوئے ہیں۔ تو اس زبان کے سیکھنے کی طرف میلان بھی اسی مقدار

پیدا ہوا ہے اور اس موضوع پر بے شمار کتابیں معیاری اور غیر معیاری

بازار میں آگئی ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب سے اس ذخیرے میں ایک اچھا اض

ہوا ہے، اس میں روزمرہ کی ضروریات کے تمام الفاظ و محاورات آ

ہیں، خاص بات یہ ہے کہ اس میں عربی لفظ کے سامنے انگریزی رسم الخط

اسی عربی لفظ کو لکھا گیا ہے پھر اس کا اردو ترجمہ ہے اور پھر انگریزی تر

ہے۔ اس سے اس کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔

شروع میں عربی حروف تہجی کے متبادل انگریزی حروف کا نقشہ بھ

گیا ہے، اسم فعل حرف، واحد تثنیہ اور جمع وغیرہ چند موٹی موٹی باتیں

میں بتا دی گئی ہیں مہینوں دنوں اور وقت کے نام انسانی عمر کے مختلف

مراحل کے الگ الگ نام بھی درج ہیں۔ (بقیہ صفحہ ۳۱۵ پر ملاحظہ

حج کمیٹی

[پارلیمنٹ کے ایکٹ نمبر ۵۱ ۱۹۵۹ء کے تحت تشکیل شدہ ادارہ]

صابو صدیق مسافر خانہ
لوکمانیہ تلک مارگ
بمبئی ۴۰۰۰۰۱

فون: ۲۶۲۹۸۹
تار کا پتہ:۔ حج کمیٹی

اعلان بنابر حج ۱۹۷۶ء

۱۔ حج کمیٹی انتہائی مسرت کے ساتھ اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ حکومت ہند نے امسال بیس ہزار عازمین حج کو حج بیت اللہ کے لئے جانے کی اجازت دی ہے۔ جن میں سے پندرہ ہزار حجاج بذریعہ سمندری جہاز اور پانچ ہزار حجاج بذریعہ حج کمیٹی کے چارٹر ہوائی جہاز بغرض حج سعودی عرب روانہ ہوں گے۔ سمندری جہاز سے سفر کرنے والے حجاج کرام کو زیادہ سے زیادہ دو ہزار پانچ سو سعودی ریال کا زرمبادلہ جو تقریباً چھ ہزار پانچ سو ہندوستانی روپوں کے برابر ہے، اور چارٹر ہوائی جہاز سے سفر کرنے والے حجاج کرام کو دو ہزار دو سو پچاس سعودی ریال کا زرمبادلہ جو تقریباً پانچ ہزار نو سو پچاس ہندوستانی روپوں کے برابر ہے۔ فراہم کیا جائیگا۔

۲۔ حج کمیٹی نے سمندری جہاز سے سفر کرنے والے پندرہ ہزار حجاج کرام کو مغل لائن لمیٹیڈ کے جہازوں کے ذریعہ بھیجنے کے انتظامات کئے ہیں۔

۳۔ پابندیاں:۔ حکومت ہند نے عازمین حج کے مفاد کے پیش نظر مندرجہ ذیل پابندیاں عائد کی ہیں، جن کی رو سے حسب ذیل افراد کو حج پر جانے کی اجازت

نہیں دی جائے گی۔

(الف) وہ افراد جو گذشتہ پانچ سال کے درمیان فریضہ حج ادا کرچ

(ب) متعدی اور دیگر شدید بیماریوں اور معذوریوں میں مبتلا اف

(ج) وہ خواتین جنہیں جہاز پر سوار ہوتے وقت بیس ہفتہ سے زیا

(د) وہ بچے جن کی عمر دو (۲) اور سولہ (۱۶) سال کے میان ہوگی

(ھ) وہ عازمین حج جن کے پاس غیر ملکی زرمبادلہ ۵۰۔۱۷ سعود

ریال (جو ۵۵۰ء۴ ہندوستانی روپوں کے برابر ہو) سے کم

۴۔ بمبئی۔ جدہ۔ بمبئی سفر کا واپسی کرایہ و دیگر اخراجات

کلاس	کرایہ معہ خوراکی	فارن ٹریول ٹیکس	بی ٹی ٹی فنیس	جدہ قلی اخراجات	پلگرم پاس رجسٹریشن فیس	پنچ پیکیٹ	حج ہاؤس کے لئے عطیہ	مجموعی
فرسٹ کلاس بالغ	۴۰۵۰ روپے	۵۰۶ روپے ۲۵ پیسے	۲۰ روپے	۳۶ روپے	۳۰ روپے	۳ روپے	۱۰۰ روپے	۴۷۴۵ ر
,, بچے ۲ تا ۱۲ سال	۱۰۱۲ روپے ۵۰ پیسے	۱۲۶ روپے ۶۰ پیسے	۲۰ روپے	۳۶ روپے	۳۰ روپے	—	—	۱۲۲۶ روپے
بنک کلاس بالغ	۱۹۰۰ روپے	—	۱۰ روپے	۳۶ روپے	۳۰ روپے	۳ روپے	۵۰ روپے	۲۰۲۹ رو
,, بچے ۲ تا ۱۲ سال	۴۷۵ روپے	—	۱۰ روپے	۳۶ روپے	۳۰ روپے	—	—	۵۵۱ ر
ایک سال سے کم عمر کے بچے	—	—	۲ روپے	۳۶ روپے	۳۰ روپے	—	—	۶۷ رو

نوٹ: اس کے علاوہ بکنگ کے وقت مزید سہولیات کے
مندرجہ ذیل زائد رقوم بمبئی میں وصول کی جائیں گی

۱۔ فرسٹ کلاس ڈی لکس کیبن (ملحقہ غسل خانہ) ایم۔ ڈی۔ اکبر اور ایم ڈی نورجہاں ، ۱۱۲۱ روپے ۵۰ پیسے
فرسٹ کلاس (صرف نورجہاں میں) ۲۲۵ روپے۔
ڈورمیٹری کلاس (صرف نورجہاں میں) ۲۰۰ روپے
ایرکنڈیشنڈ بنک کلاس (صرف نورجہاں میں) ۵۰ روپے

مغل لائن لمیٹڈ کی جانب سے مندرجہ ذیل عارضی پروگرام موصول ہوا ہے

حج ۱۹۷۸ء۔ بمبئی۔ جدہ روانگی کا عارضی پروگرام

	بمبئی سے روانگی	جدہ میں آمد
رمضان سے قبل		
ایم۔ ڈی۔ اکبر	۲۵ر جولائی ۱۹۷۸ء بروز منگل	یکم اگست ۱۹۷۸ء بروز منگل
رمضان کے درمیان		
ایم۔ ڈی۔ اکبر	۱۲ر اگست ۱۹۷۸ء بروز سنیچر	۱۹ر اگست ۱۹۷۸ء بروز سنیچر
ایم۔ ڈی۔ نورجہاں	۱۶ر اگست ۱۹۷۸ء بروز بدھ	۲۳ر اگست ۱۹۷۸ء بروز بدھ
بعد رمضان		
ایم۔ ڈی۔ اکبر	۱۶ر ستمبر ۱۹۷۸ء بروز سنیچر	۲۳ر ستمبر ۱۹۷۸ء بروز سنیچر
ایم۔ ڈی۔ نورجہاں	۲۰ر ستمبر ۱۹۷۸ء بروز بدھ	۲۷ر ستمبر ۱۹۷۸ء بروز بدھ
ایم۔ ڈی۔ اکبر	۲ر اکتوبر ۱۹۷۸ء بروز پیر	۹ر اکتوبر ۱۹۷۸ء بروز پیر
ایم۔ ڈی۔ نورجہاں	۷ر اکتوبر ۱۹۷۸ء بروز سنیچر	۱۴ر اکتوبر ۱۹۷۸ء بروز سنیچر
ایم۔ ڈی۔ اکبر	۱۹ر اکتوبر ۱۹۷۸ء بروز جمعرات	۲۶ر اکتوبر ۱۹۷۸ء بروز جمعرات
ایم۔ ڈی۔ نورجہاں	۲۴ر اکتوبر ۱۹۷۸ء بروز منگل	۳۱ر اکتوبر ۱۹۷۸ء بروز منگل

۱۹۷۸ء۔ جدہ۔ بمبئی۔ آمد کا عارضی پروگرام

جہاز	جدہ سے روانگی	بمبئی آمد
ایم۔ ڈی۔ اکبر	۱۸ر نومبر ۱۹۷۸ء بروز سنیچر	۲۶ر نومبر ۱۹۷۸ء بروز اتوار

۲-	ایم۔ وی۔ نورجہاں	۲۰ر نومبر ۱۹۷۸ء	بروز پیر	۲۸ر نومبر ۱۹۷۸ء	بروز بدھ
۳-	ایم۔ وی۔ نورجہاں	۹ر دسمبر ۱۹۷۸ء	بروز سنیچر	۱۷ر دسمبر ۱۹۷۸ء	بروز اتوار
۴-	ایم۔ وی۔ اکبر	۱۲ر دسمبر ۱۹۷۸ء	بروز منگل	۲۰ر دسمبر ۱۹۷۸ء	بروز بدھ
۵-	ایم۔ وی۔ نورجہاں	۲۷ر دسمبر ۱۹۷۸ء	بروز بدھ	۴ر جنوری ۱۹۷۹ء	بروز جمعرات
۶-	ایم۔ وی۔ اکبر	۴ر جنوری ۱۹۷۹ء	بروز جمعرات	۱۲ر جنوری ۱۹۷۹ء	بروز جمعہ
۷-	ایم۔ وی۔ نورجہاں	۱۵ر جنوری ۱۹۷۹ء	بروز پیر	۲۳ر جنوری ۱۹۷۹ء	بروز منگل
۸-	ایم۔ وی۔ اکبر	۲۳ر جنوری ۱۹۷۹ء	بروز منگل	۳۱ر جنوری ۱۹۷۹ء	بروز بدھ
۹-	ایم۔ وی۔ نورجہاں	۳ر فروری ۱۹۷۹ء	بروز سنیچر	۱۰ر فروری ۱۹۷۹ء	بروز سنیچر

۶- **درخواست فارم:-** حج ۱۹۷۸ء کے لئے مجوزہ درخواست فارم حج کمیٹی (بمبئی) یا اسٹیٹ
حج کمیٹی کے دفاتر سے مفت حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ حج کمیٹی نے کسی فرد، ایجنسی، ادارہ
یا ایسوسی ایشن کو درخواست فارم تقسیم کرنے، وصول کرنے یا کرایہ جمع کرنے کا اختیار نہیں دیا ہے۔

۷- تمام درخواستیں مکمل صورت میں براہِ راست حج کمیٹی (بمبئی) کے دفتر میں بذریعہ رجسٹرڈ
ڈاک ۱۰ر جون ۱۹۷۸ء تک روانہ کردیں۔ دستی درخواستیں قطعی ناقابل قبول ہیں۔
۱۰ر جون ۱۹۷۸ء کے بعد آنے والی کوئی درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔

۸- حج کمیٹی کے چارٹر ہوائی جہاز کا پروگرام، کرایہ، درخواستیں بھیجنے کی آخری
تاریخ اور دیگر معلومات کے اعلان کا انتظار کیجئے۔

یکم مئی ۱۹۷۸ء

ایگزیکیٹیو آفیسر
حج کمیٹی
سابو صدیق مسافر خانہ۔ لوکمانیہ
تلک مارگ بمبئی نمبر ۱۰۰۰۰۳

سنہ ۱۹۵۴ء — حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔ العلم والعلماء۔ اسلام کا نظام عفت و عصمت۔
تاریخ صقلیہ، تاریخ ملت جلد نہم

سنہ ۱۹۵۵ء — اسلام کا زرعی نظام، تاریخ ادبیات ایران، تاریخ علم فقہ، تاریخ ملت حصہ ہشتم سلاطین ہند اول
تذکرہ علامہ محمد بن طاہر محدث پٹنی

سنہ ۱۹۵۶ء — ترجمان السنۃ جلد ثالث۔ اسلام کا نظام حکومت (طبع جدید دلپذیر ترتیب) جدید بین الاقوامی
سیاسی معلومات جلد دوم، خلفائے راشدین اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات

سنہ ۱۹۵۷ء — لغات القرآن جلد پنجم، صدیق اکبر، تاریخ ملت حصہ یازدہم سلاطین ہند دوم، انقلاب روس، اور روس انقلاب کے بعد

سنہ ۱۹۵۸ء — لغات القرآن جلد ششم، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، تاریخ گجرات، جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد سوم

سنہ ۱۹۵۹ء — حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط، ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، مصائب و ورکزم

سنہ ۱۹۶۰ء — تفسیر مظہری اردو پارہ ۲۹-۳۰۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط
امام غزالی کا فلسفۂ مذہب و اخلاق۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام۔

سنہ ۱۹۶۱ء — تفسیر مظہری اردو جلد اول، مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط، اسلامی کتب خانے، عرب دنیا۔
تاریخ ہند پر نئی روشنی

سنہ ۱۹۶۲ء — تفسیر مظہری اردو جلد دوم۔ اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں، معارف الآثار۔
نیل سے فرات تک۔

سنہ ۱۹۶۳ء — تفسیر مظہری اردو جلد سوم، تاریخ ردہ، سرکشی ضلع بجنور۔ علماء ہند کا شاندار ماضی اول

سنہ ۱۹۶۴ء — تفسیر مظہری اردو جلد چہارم، حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط، عرب و ہند عہد رسالت میں
ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں۔

سنہ ۱۹۶۵ء — ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد اول۔ تاریخی مقالات
لادینی دور کا تاریخی پس منظر، ایشیا میں آخری نوآبادیات

سنہ ۱۹۶۶ء — تفسیر مظہری اردو جلد پنجم، رموز عشق۔ خواجہ بندہ نواز کا تصوف و سلوک۔
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں۔

سنہ ۱۹۶۷ء — ترجمان السنۃ جلد چہارم، تفسیر مظہری اردو جلد ششم، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ

سنہ ۱۹۶۸ء — تفسیر مظہری اردو جلد ہفتم، تین تذکرے۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات
اسلامی ہند کی عظمت رفتہ۔

سنہ ۱۹۶۹ء — تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم، تاریخ الفخری، حیات ذاکر حسین۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر

سنہ ۱۹۷۰ء — حیات عبد الحی، تفسیر مظہری اردو جلد نہم، مآثر و معارف، احکام شرعیہ میں حالات زمانہ کی رعایت

سنہ ۱۹۷۱ء — تفسیر مظہری اردو جلد دہم، بیماری اور اس کا روحانی علاج۔ خلافت راشدہ اور ہندوستان

سنہ ۱۹۷۲ء — فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، انتخاب الترغیب والترہیب۔ اخبار التنزیل
عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان

d. No. D. (D) 231 Phone 26 28 15 MAY 1978

Subs. Rs 15-00 Per Copy Rs. 1-50

حکیم مولوی محمد ظفر احمد خاں پرنٹر پبلشر نے یونین پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر بُرہان اُردو بازار جامع مسجد دہلی ۶ سے شائع کیا۔

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برہان

مرتب
سعید احمد اکبرآبادی

مطبوعات ندوۃ المصنفین دہلی

سنہ ۱۹۳۹ء اسلام میں غلامی کی حقیقت ۔ اسلام کا اقتصادی نظام ۔ قانونِ شریعت کے نفاذ کا مسئلہ ۔
تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام ۔ سوشلزم کی بنیادی حقیقت ۔

سنہ ۱۹۴۰ء غلامانِ اسلام ۔ اخلاق و فلسفۂ اخلاق ۔ فہم قرآن ۔ تاریخ ملت حصہ اول "نبی عربی صلعم"۔ صراطِ مستقیم (انگریزی)

سنہ ۱۹۴۱ء قصص القرآن جلد اوّل ۔ وحی الٰہی ۔ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات حصہ اول ۔

سنہ ۱۹۴۲ء قصص القرآن جلد دوم ۔ اسلام کا اقتصادی نظام (طبع دوم بڑی تقطیع مع ضروری اضافات)
مسلمانوں کا عروج و زوال ۔ تاریخ ملت حصہ دوم "خلافتِ راشدہ"۔

سنہ ۱۹۴۳ء مکمل لغات القرآن مع فہرستِ الفاظ جلد اوّل ۔ اسلام کا نظامِ حکومت ۔ سرایہ ۔ تاریخ ملت حصہ سوم "خلافتِ بنی امیہ"

سنہ ۱۹۴۴ء قصص القرآن جلد سوم ۔ لغات القرآن جلد دوم ۔ مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت (کامل)

سنہ ۱۹۴۵ء قصص القرآن جلد چہارم ۔ قرآن اور تصوف ۔ اسلام کا اقتصادی نظام (طبع سوم جس میں غیر معمولی اضافے کے گئے)

سنہ ۱۹۴۶ء ترجمان السنہ جلد اوّل ۔ خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ ۔ جمہوریہ یوگوسلاویہ اور مارشل ٹیٹو ۔

سنہ ۱۹۴۷ء مسلمانوں کا نظمِ مملکت ۔ مسلمانوں کا عروج و زوال (طبع دوم جس میں سیکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے
اور متعدد ابواب بڑھائے گئے ہیں) لغات القرآن جلد سوم ۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ ۔

سنہ ۱۹۴۸ء ترجمان السنہ جلد دوم ۔ تاریخ ملت حصہ چہارم "خلافتِ ہسپانیہ"۔ تاریخ ملت حصہ پنجم "خلافتِ عباسیہ اوّل"

سنہ ۱۹۴۹ء قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات (حکمائے اسلام کے شاندار کارنامے (کامل)
تاریخ ملت حصہ ششم "خلافتِ عباسیہ دوم" بصائر ۔

سنہ ۱۹۵۰ء تاریخ ملت حصہ ہفتم "تاریخِ مصر و مغربِ اقصیٰ" تدوینِ قرآن ۔ اسلام کا نظامِ مساجد ۔
اشاعتِ اسلام یعنی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا ۔

سنہ ۱۹۵۱ء لغات القرآن جلد چہارم ۔ عرب اور اسلام ۔ تاریخ ملت حصہ ہشتم "خلافتِ عثمانیہ" جارج برنارڈ شا ۔

سنہ ۱۹۵۲ء تاریخ اسلام پر ایک طائرانہ نظر ۔ فلسفہ کیا ہے؟ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد اوّل (جس کو
از سرِ نو مرتب اور سیکڑوں صفحوں کا اضافہ کیا گیا ہے ۔ کتابتِ حدیث ۔

سنہ ۱۹۵۳ء تاریخ مشائخ چشت ۔ قرآن اور تعمیرِ سیرت ۔ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ ۔

برہان

جلد نمبر ۸۰	بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۹۸ھ مطابق جون ۱۹۷۸ء	شمارہ: ۶

فہرست مضامین

نظرات

برادر محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے اپنے چند گذشتہ خطوط میں راقم الحروف
کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ کسی بعید زمانہ میں برہان میں یا کسی اور رسالہ میں میرے
قلم سے ایسی تحریریں نکلی ہیں جن سے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
پر خصوصاً اور بعض مسائل میں مسلک علمائے دیوبند پر عموماً اعتراض یا طنز کا پہلو نکلتا
ہے اور دیوبندی مسلک کے بعض مخالفین انگلینڈ اور عربی ممالک میں ان تحریروں سے ناجائز فائدہ اٹھا
ان کا چرچا کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں میں یہ اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ حضرت مولانا تھانوی ہوں یا
اکابر دیوبند ان سب کی میرے دل میں وہی عزت اور قدر و منزلت ہے جو اپنے سلف
صالحین کی ہے۔ میرے نزدیک یہ سب حضرات اپنے وقت کے خیار و صلحائے امت
میں ان کے مسلک کو مسلک حق اور شاہراہ ہدایت سمجھتا ہوں اور خود اس کا قائل او
اس پر عامل ہوں، اس لئے اگر کبھی بغیر قصد و عمد کے میرے قلم سے کوئی ایسا جملہ یا
نکلا ہے جس سے مسلک دیوبند کا استخفاف نکلتا ہے تو میں اس سے رجوع کرتا ہوں
رہی مولانا تھانوی کی بات تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ مولانا عبدالباری ندوی مرحوم
اپنی کتاب "جامع المجددین" میں مولانا تھانوی کو اسوۂ حسنہ "بنا کر پیش کیا تھا، حال
قرآن کے اعلان کے مطابق "اسوۂ حسنہ" صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
ذات گرامی ہے، اور یہ صرف آپ کی خصوصیت ہے کہ جو کچھ آپ ہم کو دیں ہم بیچو
چرا اسے لے لیں اور جس سے آپ منع فرمائیں اس سے رک جائیں، اس بنا پر میری
رائے کتاب کے بارہ میں اچھی نہیں تھی۔ چنانچہ جب میں نے مولانا مرحوم کے سخت
اصرار پر جامع المجددین پر تبصرہ لکھنا شروع کیا ہے جو برہان کی سات قسطوں میں
شائع ہوا تھا تو میں نے تبصرہ کی شروع قسطوں میں مصنف کے توڑ پر تعداد یہ کیا

کہ مختلف معاملات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مولانا تھانوی کے عمل اور برتاؤ کا مقابلہ کرتا چلا گیا ہوں اور مصنف سے پوچھا ہے کہ: اب فرمائیے! اسوہ حضور کا عمل ہوگا یا مولانا تھانوی کا۔

میرے اس طرز تحریر سے بہت سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ میں مولانا تھانوی کی تنقیص کر رہا ہوں۔ لیکن مضمون کی چوتھی قسط سے میں نے جب یہ لکھنا شروع کیا کہ مولانا تھانوی کی اصل عظمت اور شان کیا ہے تو فضا یک بیک بدل گئی اور پھر تو حال یہ ہو گیا کہ جب یہ تبصرہ سات قسطوں میں ختم ہوا ہے تو مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی اور مولانا مسعود علی صاحب (اعظم گڑھ) نے مجھ کو مبارکباد کے خطوط لکھے اور دعائیں دی ہیں، علاوہ ازیں حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید خاص (مفتی رشید احمد صدیقی) نے کلکتہ میں سنایا کہ حضرت شاہ صاحب نے ایک مجلس میں جامع المجددین پر تبصرہ کا ذکر فرمایا اور اس پر اپنی مسرت کا اظہار فرما کر تبصرہ نگار کو دعائیں دیں۔ اس داستان سرائی کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب جامع المجددین پر میرے تبصرہ کے شروع کی تین قسطوں کی کسی عبارت سے مولانا تھانوی کے بارہ میں میری رائے پر استدلال کرتے ہیں تو یہ صریحاً سخت ناانصافی اور مجھ پر ظلم ہے۔ پورا تبصرہ از اول تا آخر پڑھ کر کوئی رائے قائم کرنی چاہیے

افسوس ہے گذشتہ مئی کی ۱۰ر تاریخ کو اردو زبان کے نامور شاعر، ادیب اور نقاد جناب ماہر القادری صاحب کا ۷۲ برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ جدہ میں کوئی بڑا مشاعرہ تھا۔ اس میں شرکت کے لئے گئے تھے۔ بہت رات گئے مشاعرہ میں اپنا کلام سنایا، داد و تحسین سے محفل گونج اٹھی۔ اس سے فارغ ہو کر ابھی قیام گاہ پر آئے ہی تھے کہ اچانک سینہ میں درد اٹھا۔ اور طبی امداد

کے پہونچتے پہونچتے روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
تدفین مکہ مکرمہ کے مشہور قبرستان جنت المعلیٰ میں ہوئی۔

مرحوم کا اصل نام منظور حسین تھا۔ بلند شہر میں پیدا ہوئے تھے، تقسیم سے پہلے ہی اردو کے
نامور شعرا میں شمار ہونے لگے تھے لیکن اس زمانہ میں وہ صرف حسن و شباب کے شاعر تھے نظم
سے زیادہ اون کی غزلیں پرکیف و وجد آفریں ہوتی تھیں نظم میں اون کا نعتیہ کلام اور سلام
بڑے معرکہ کا تھا۔ جس سے ان کی شہرت گھر گھر ہو گئی۔ تقسیم کے بعد کراچی چلے گئے۔ طبیعت تو
شروع سے نیک اور دیندار تھے۔ پاکستان میں جماعت اسلامی کے زیر اثر آجانے سے اون
کی زندگی میں انقلاب عظیم آگیا۔ اون کا ماہنامہ فاران جماعت کا آرگن ہونے کے ساتھ
ایک بلند پایہ ادبی مجلہ بھی تھا۔ اس میں مرحوم کے قلم سے لکھے ہوئے تنقیدی مضامین زبان
و بیان کے اصول و قواعد اور ان کے رموز و نکات کے نقطۂ نظر سے پڑھنے کے لائق ہوتے
تھے۔ اون کی نثر و نظم کے متعدد مجموعے شائع ہو کر مقبول عوام و خواص ہو چکے ہیں۔ برہان
اور اس کے ادارہ سے انھیں قلبی تعلق اور لگاؤ تھا۔ گذشتہ سفر نامہ پاکستان میں انھوں
نے اپنا تذکرہ پڑھا تو فوراً ایک محبت بھرا خط لکھا جس میں سفر نامہ کے حسن انشا اور لطف
بیان کی دل کھولکر داد دی اور ساتھ ہی ایک تازہ نعت بھی بھیجی جو اوسی زمانہ میں برہان
میں شائع ہو گئی تھی، جنت المعلیٰ کی سرزمین قدسی کا کیا کہنا اظاہرہا حسنۃ وباطنہا
حسنۃ، سبحان اللہ! نور ہی نور ہے۔ اوس کی خاک پاک کا پیوند ہو جانا ایک مسلمان
کی خوش قسمتی کی معراج ہے۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ۔

مئی کے اسی ہفتہ میں ایک اور حادثہ یہ پیش آیا کہ ہمارے نہایت عزیز اور مخلص دوست
اور اپنے فن کے ماہر حکیم صدیق احمد صاحب امروہوی ثم بریلوی نے وفات پائی۔ عمر غالباً
پچھتر چھہتر برس ہوگی۔ اصل وطن امروہہ ضلع مراد آباد تھا۔ مگر ایک عرصۂ دراز سے بریلی میں

مقیم تھے، ان کے والد ماجد مولانا حکیم مختار احمد صاحب ایک نہایت حاذق طبیب ہونے کے علاوہ پختہ استعداد کے عالم باعمل، متقی اور عابد و زاہد بزرگ تھے۔ حکیم صدیق احمد کی بھی علوم و فنون میں استعداد بڑی پختہ تھی، شروع میں منطق اور فلسفہ کا بڑا غلبہ رہا۔ نہایت ذہین اور طباع تھے۔ اس لئے کوئی موضوع بحث ہو تقریر مدلل اور منطقیانہ کرتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری سے بیعت ہونے کے بعد اعمال و وظائف کا وِرد کثرت سے کرنے لگے تھے، فن طب میں نظری و عملی مہارت و حذاقت انھیں ورثہ میں ملی تھی، طبیعت بیحد رسا تھی۔ تشخیص و تجویز دونوں میں ان کی شہرت دور دور تک تھی، سینکڑوں بڑے معرکہ کے علاج کئے، لیکن وہ جتنے بڑے طبیب تھے اسی قدر مزاج سخت لاابالی اور روپیہ پیسہ کے لالچ سے کوسوں دور تھے، غریبوں اور ضرورت مندوں کی امداد اپنی جیب سے کرتے اور علما کی خدمت کرکے خوش ہوتے تھے، غرض کہ بڑی خوبیوں اور کمالات کے انسان تھے۔ اون کے پاس مخطوطات کا ایک خاصہ ذخیرہ تھا جس میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور بعض دوسرے بزرگوں کے مکاتیب اور ان کی تحریریں شامل ہیں۔ لیکن راقم الحروف کے سخت اصرار کے باوجود انھوں نے ان چیزوں کو نہ خود چھاپا اور نہ کسی اور کو انھیں نقل کرنے کی اجازت دی۔ پھر معلوم نہیں ان کا کیا حشر ہوا۔

اخلاق و عادات کے اعتبار سے نہایت خلیق، خوش طبع و خوش مزاج اور متواضع و مہمان نواز تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

جلال الدین مولوی۔ نظام الدین اولیا

ڈاکٹر شعیب اعظمی لکچرر فارسی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

جلال الدین بلخی معروف مولوی ومولانا روم اور حضرت نظام الدین اولیاء
بزرگ ایک ہی عہد اور صدی کی معروف ہستیاں ہیں۔ مولانا روم ۶۰۴/۰۷
میں عالم وجود میں آئے اور نظام الدین اولیا ۶۳۶/۲۳۸ انے عرصہ حیات میں قدم
عمر میں نظام الدین اولیا مولانا سے تقریباً ۳۵ یا ۳۶ برس چھوٹے تھے۔ مولانا پد
اور جدی سلسلے سے خوارزمشاہی خاندان سے وابستہ تھے اور نظام الدین
کے اجداد بخارا کے سادات تھے۔ مولانا کا ایک سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق
جا پہونچتا ہے اور حضرت نظام الدین اولیا کا مادری نسب حضرت امام حسی
سے ملتا ہے۔ مولانا روم نے ایک پُرآشوب دور مگر خوشحال ماحول میں آن
کھولی۔ نظام الدین اولیا نے یتیمی، بے سروسامانی اور غربت کے گہوارے میں
پائی۔ آپ نے پانچ برس کی عمر میں اپنے والد کی معیت میں بلخ کو خیرباد کہا او
نے بارہ برس کی عمر میں دہلی کی راہ لی۔ اول الذکر برہان الدین محقق سے دینی او
علوم حاصل کرتے ہیں۔ اور موخرالذکر مولانا شمس الدین خوارزمی کے حل
درس سے فیضیاب ہوتے ہیں "بحاث" اور "محفل شکن" کا خطاب پا
مولانا دمشق میں محی الدین ابن عربی کی زیارت کرتے ہیں[۱] اور رخصت ہوتے
ان کے بارہ میں جب کہ وہ اپنے والد کے پیچھے پیچھے آرہے ہیں شیخ اکبر کا یہ قول م
ہوجاتا ہے: "سبحان اللہ بحر بیکراں دریا کے پیچھے رواں ہے"! اور اوجود بن

۱۔ م ۱۲۴۰/

ام الدین اولیا بابا فرید کے مرید بن جاتے ہیں۔

مولانا روم ایک بحر بے کراں ہیں جس میں غواصی بڑے دل و جگر کا کام ہے۔ اس
بڑی بڑی چیزیں خس و خاشاک کی طرح بہتی چلی جاتی ہیں نظام الدین اولیا مانند
خاموش بہتے ہوئے چشمے کے ہیں جس کی قلقل سے مٹھاس اور سکون کا نغمہ سنائی
لے ہے ایک خواص کے حلقہ میں ہے تو دوسرا عوام کے جھنڈ میں۔ ایک عرش پر
از کرتا ہے اور دوسرے کے قدم زمین میں ہیں۔ ایک قرآن رسول اور صلحاء کے
تھ ساتھ دنیا کی اساطیری داستانوں اور مردانِ خدا کے دایرہ سے باہر نہیں
ہے، اور دوسرا خدا سنت نبوی، صحابہ، بزرگان دین اور پیروں اور مرشدوں
ال گفتار اور کردار سے اپنی زندگی کی دنیا آباد کرتا ہے۔

مولانا روم اور نظام الدین اولیا کی شخصیتوں، زندگیوں اور کارناموں میں باوجود
ے فرق اور دور دراز فاصلہ کے بڑی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ دونوں ہی
ن سے لاغر اور کمزور تھے۔ مولانا نے آرام کے باوجود منحنی جسم پایا تھا۔ افلاکی نے
مناقب میں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دن مولانا حمام میں داخل ہوئے اور اپنے
پر ترحم کی نگاہ ڈالتے ہوئے بولے میں اپنی تمام عمر کسی چیز سے اتنا شرمندہ نہ ہوا۔
آج اپنے جسم لاغر سے"۔ مولانا کا چہرہ لمبا، بدن لاغر اور چھریرا تھا۔ اپنی اس زردی
کی طرف انھوں نے اپنے متعدد اشعار میں اشارہ کیا ہے:۔

ری جگر سوختہ ام می آید — درد اشک من و زردی رخسار نگیر
دہ است ایں سر من ساغری گو بشکن — چو زر است ایں رخ من زر بجر وار نگیر ۲؎

افلاکی نے ان کی نازک بدنی، زرد روئی اور لطیف مزاجی کے ساتھ ہی ان کے
پر جلال اور بزرگی کے اثر کو بھی بیان کیا ہے۔ مولانا کی یہ جسمانی حالت شاید اس

بدیع الزمان فروزانفر، زندگانی مولانا۔ ص۔ ۱۴۱۔

بنا پر بھی رہی ہو کہ تنعم اور خوشحالی کے باوجود کم خوراک، کم خواب اور دریا دل تھے،
بچپن میں لمبی لمبی روز تک روزے رکھتے اور نمازیں پڑھتے تھے اور عبادت کیا کرتے تھے
چراغ نہ جلاتے اور کہتے یہ سنت انبیاء ہے۔ اگر گھر میں کوئی چیز افراط سے ہوتی تو فرماتے
کہ آج ہمارے گھر سے فرعون کے گھر کی بو آرہی ہے۔

نظام الدین اولیا کا بچپن ہی عسرت کا تھا۔ اور زندگی فقر و فاقہ کی جسم کی فربہی
اور چہرہ پر کسی رونق کا کیا سوال جب یتیمی کا سایہ سر پر ہو۔ انھوں نے اپنا ایک واقعہ
بیان کیا ہے کہ میری والدہ کہا کرتی تھیں کہ جب گھر میں غلہ موجود نہیں ہوتا تو مجھکو سکون
اور آرام ملتا ہے۔ کیونکہ ان دنوں ہم خدا کے مہمان ہوتے ہیں۔ ایک بار کوئی شخص
ایک من غلہ میرے گھر میں دے گیا جس سے کئی دن متواتر روٹیاں پکیں میں تنگ آگیا
کہ میری والدہ مجھ سے کب کہیں گی کہ ہم خدا کے مہمان ہیں"۔ ۵۳

دونوں بزرگوں کی خدا ترسی اور فقر کی نعمت پر نازاں رہنے میں کس حد تک
مماثلت ہے۔

اسی طرح مولانا بچپن سے ذہین اور طباع تھے۔ اگرچہ ان کی تعلیم کا سلسلہ کچھ دن
میں شروع ہوا تھا۔ مگر ان کے اساتذہ اُن کا احترام کرتے تھے۔ وہ برہان الدین محقق
کے پیرزادہ تھے انھوں نے دنیاوی تعلیم کے بعد تین چلوں میں اسرار باطن اور کشف
رموز کے نکات سمجھا دئے تھے۔ مولانا نے تھوڑی ہی مدت میں وہ دولت پائی جو اوروں
کو سالہا سال میں میسر نہیں آتی ہے۔ افلاکی کے بقول جب استاد نے پیرزادہ کو
ہر منزل سے گذار دیا تو یہ کہا:-

سر بسجدہ شکر نہاد حضرت مولانا را در کنار گرفت و بر روئی مبارک او
بوسہا افشاں کرد بار دیگر سر نہاد و گفت در جمیع علوم عقلی و

۵۳ پروفیسر حبیب۔ حضرت نظام الدین اولیا۔ ص ۵۵

نقلی وکشفی بی نظیر عالمیان بودی والحالتہ ھنٰ ہٖ درا سرار باطن
سر سیر اہل حقایق و مکاشفات روحانیاں و دیدار نصیباب
انگشت نمائی انبیا و اولیا شدی - ک

کہا جاتا ہے کہ مولانا نے محی الدین ابن عربی سے ہدایہ کے چند سبق پڑھے تھے ۔ مگر اس
میں اختلاف ہے ۔

نظام الدین اولیا نے مولانا علاؤ الدین سے قدوری پڑھی علی مولا سے
دستار فضیلت بندھوائی ۔ مولانا کمال الدین سے مشارق الانوار پڑھی اور راجو ہن
ابو شکور سالمی کی تمہید المبتدی اور عوارف المعارف پڑھی ان کے استاد
شمس الدین خوارزمی انھیں بہت مانتے تھے اور کبھی آنے میں تاخیر ہوتی تو یہ شعر
پڑھتے :-

آخر کم از آن کہ گاھی گاھی | آئی و بما کنی نگاھی

ان کے پیر و مرشد بابا فرید اپنے جگری اور روحانی مرید کے لئے اکثر یہ شعر پڑھتے تھے:
ای آتش فراقت دلہا کباب کردہ | سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

کم اساتذہ بھی گذرے ہیں جنھوں نے اپنے شاگردوں کی ایسی پذیرائی کی ہے ۔

بچپن کی ذہانت کا اظہار دونوں کی آنکھوں سے بھی ہوتا تھا بعد میں ریاضت ،
زہد اور فقر کی نعمت نے مولانا اور نظام الدین اولیا رکی آنکھوں میں غضب کا اثر
پیدا کر دیا تھا - دونوں کی بصیرت آنکھوں سے ٹپکتی تھی - مولانا کے سوانح نگار کا کہنا
ہے کہ دنیا کی کوئی مخلوق انکی نگاہوں کی تاب نہ لا سکتی تھی تیزی اور خیرگی کا یہ عالم تھا کہ دیکھنے
والے تاب نہ لا کر زمین پر دیکھنے پر مجبور ہو جاتے - سیر الاولیا کے مصنف امیر خورد
جو حضرت نظام الدین اولیا کی بارگاہ میں بچپن سے جوانی تک حاضری دیتے رہے

ک بدیع الزماں فروز انفر - زندگانی مولانا ص ۴۳، ۱

ہیں۔ لکھا ہے کہ جب دن ہوتا تو جس شخص کی نظر آپ پر پڑتی تو سمجھتا کہ کوئی مرد مست ہے
کیونکہ آپ کی آنکھیں شب بیداری کی وجہ سے ہمیشہ سرخ رہتی تھیں۔ کسی کی ہمت نہ ہوتی
تھی۔ کہ آنکھ اٹھا کر روئے مبارک کی طرف دیکھے کیونکہ خدا کی بزرگی آپ کے چہرہ سے
ٹپکتی تھی۔ جو کچھ حضور کہتے تھے سر نیچا کر کے سنتے اور قبول کر لیتے۔ ایک دوسرے مرید
شمس الدین یحییٰ کا کہنا ہے کہ جب میں حضور کی مجلس میں ہوتا تو میری مجال نہیں ہوتی
تھی کہ حضور کے چہرے کو دیکھوں۔

دونوں کی یہ مستی عرفانی تھی اور آنکھوں میں ہی نہیں بلکہ جسم میں بھی۔ دونوں ہی ہستیاں
سماع کی دلدادہ تھیں۔ وجد و رقص کی عادی تھیں اور مزامیر کی شمولیت سے
رسیا بھی۔ چنانچہ کئی سو برس گزر جانے کے بعد آج بھی ترکی اور ایران میں فرقہ
مولویہ اور دہلی میں دائرۂ چشتیہ میں ان کی روایت زندہ ہے۔ سماع کے بارہ میں
کا مسلک بہت واضح تھا۔ وہ خود کہتے ہیں:۔

پس غذائی عاشقاں آمد سماع	کہ از و باشد خیال اجتماع
قوتی گیرد خیالات ضمیر	بلکہ صورت گردد از بانگ صفیر
آتش عشق از نواہا گرد تیز	آن چنانکہ آتش آں چوں ریز

نظام الدین اولیاء نے کہا تھا کہ "سماع حق مریدان و معتقدان واصحاب ریاضت است
چون نفس و تن ہلاک شود او را حق ایست۔[۵]
ایک جگہ اور کہتے ہیں:۔ سماع محک مرداں خدا است و میدان معرکہ مجاہدان"
جب بھی کبھی دونوں کسی واقعہ سے متاثر ہوتے روح بے چین ہو اٹھتی اور
طاری ہو جاتی۔ مولانا کا بہت مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار مولانا زرگروں کے
سے گذر رہے تھے، ہتھوڑے کی مسلسل کھٹ کھٹ کی صدا نے مولانا کو وجد

---

۵ امیر خورد سیر الاولیا۔ ص ۵۳۲ لہ ایضاً

اور وہ وہیں بازار میں رقص کرنے لگے۔ ان کے اولین دوست اور رشتہ دار صلاح الدین زرکوب یہ تماشا دیکھ کر دکان سے اٹھ آئے اور مولانا کو سہارا دے کر دایرہ رقص میں گھومتے رہے اور جب تھک کر ان کا مزید ساتھ دینے کا یارا نہ رہ گیا تو علیحدہ ہو گئے مگر زرگروں سے اصرار کیا کہ ہتھوڑے کی ضرب نہ رکے اور مولانا ظہر کی نماز سے لے کر مغرب کے وقت تک اس شعر پر رقصاں رہے۔

یکی گنجی پدید آمد دریں دکان زرکوبی — زہی صورت، زہی معنی، زہی خوبی، زہی خوبی

اسی واقعہ سے ملتا جلتا حادثہ نظام الدین اولیا کے ساتھ بھی پیش آیا۔ ایک دن نواح دہلی میں مہرولی کے قریب مزارات پر فاتحہ خوانی کے بعد واپس آ رہے تھے۔ راستہ میں کنوئیں پر رہٹ چل رہا تھا اور رہٹ چلانے والا بار بار "باہر رے بھیا باہر" بازآ برادر باز آ، کی آواز دہرا رہا تھا۔ خواجہ اقبال اور خواجہ پیر خادم لحن داؤدی کے ماہر قوال ساتھ تھے خواجہ کے اشارہ پر دلکش آواز میں اسی پوربی ٹکڑے کو گانا شروع کیا اور یہ سلسلہ گھر تک جاری رہا شیخ پر یہ کیفیت سارے دن طاری رہی اور آرام لیا۔ نظام الدین اولیا کو پوربی سے بہت ذوق تھا۔ چنانچہ حسنات العارفین میں ان کے اسی واقعہ سے متاثر ہو کر ان کا ایک قول نقل ہے۔

"سلطان المشایخ شیخ نظام الدین دہلوی قدس سرہ گفت
یاد دارم در روز میثاق کہ اللہ تعالیٰ از من عہدی گرفت
در نغمہ پوربی بود۔ شیخ این نغمہ را بہمیں جہت دوست میداشت" ۵؎

اگرچہ سماع مخصوص محفلوں اور خاص حلقہ احباب کے ساتھ ہوتا مگر اجنبی اور عامی بھی بھولے بھٹکے اس نعمت سے لطف اندوز ہوتے جس کو خواص اور مقربین ناگواری ہوتی مگر مولانا اور نظام الدین اولیا آنے والوں کا استقبال کرتے اور

---

۵ دارا شکوہ حسنات العارفین۔ ص ۱۹

بے تکلف سماع میں اور رقص میں شریک کر لیتے۔ مولانا ایک دن رقص میں محو اور سماع
مستغرق تھے کہ ایک مست داخل حلقہ ہوگیا اور مولانا کے کندھے سے کندھا ملا کر
کرنے لگا۔ دوستوں اور مریدوں نے اسے مارا اور کہا شرابی ہے مولانا نے فرمایا۔ ش
وہ ہے اور بد مستی تم کر رہے ہو۔ لوگوں نے کہا ترسا ہے۔ فرمایا تم لوگ ترسا کیوں نہیں
سب نے سر جھکا لیا اور معافی مانگی۔ ۵۸

نظام الدین اولیا رقص کرتے کرتے گریہ میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ ایک روز حضر
اکیلے تھے اور صامت قوال نے غزل چھیڑ رکھی تھی۔ کوئی وہاں موجود نہ تھا کہ ساتھ د
یکایک ایک عامی آگیا اور بقول امیر خورد شیخ با او نیز موافقت فرمودند۔ ۵۹

یہ محفل سماع اور رقص وسرود شریعت اور سنت کے خلاف تھا اور علماء پ
رد عمل بہت سخت تھا اور وہ بار بار آواز بلند کرتے اور شاہان وقت کو ان کے خ
بھڑکاتے۔ مولانا بادشاہوں اور وزیروں کے حلقہ میں مقبول تھے اس لئے کو
بڑا ہنگامہ برپا نہ ہوا پھر بھی واویلا مچا اور واقعہ یوں پیش آیا۔

علماء شہر کہ در آن عصر بودند بیکی در انواع علوم متفق علیہ باتفاق
تمام نزد خیر الانام قاضی سراج الدین ارموی جمع آمدند داز میل مردم
باستماع رباب و رغبت خلائق بسماع شکایت کردند کہ رئیس علماء سرور
فضلا خدمت مولویست و در مسند شریعت قائم مقام رسول اللہ چرا باید
کہ چنین بدعتی پیش رود و این طریقت تمشیت یابد قاضی گفت این مردانہ
موید من عند اللہ است و در ہمہ علوم ظاہری نیز بی مثل است با دبنا
بپیچیدن او داند با خدائی خود۔ ۶۰

---

۵۸ بدیع الزماں فروز انفر۔ زندگانی مولانا۔ ص ۱۴۶۔ ۵۹ امیر خورد سیر الاولیا
۶۰ بدیع الزماں فروز انفر۔ زندگانی مولوی۔ ص ۸۱

سماع کی مخالفت شاہان دہلی اور علماء کی طرف سے بھی تھی اور نظام الدین اولیا کو طرح طرح پریشان کیا گیا۔ چنانچہ دہلی کے نایب حاکم نے آزار رسانی کی دھمکی دی۔ شیخ زادہ حسام نے بازپرس کروائی اور پھر غیاث الدین تغلق کے دربار میں سماع کے مسئلہ پر اجتماع ہوا۔ شیخ کے مدلل سوال اور جواب پر معترضین بغلیں جھانک رہے تھے اور بالاخر شیخ الاسلام بہاؤ الدین ذکریا ملتانی کے نبیرہ مولانا علم الدین نے نظام الدین اولیا کے حق میں فیصلہ دیا۔

دونوں بزرگوں کے عہد کے سلاطین نے ان کی قربت کی خواہش کی۔ دعا اور برکت کے متمنی رہے اور بعضوں نے ذلت اور اہانت کے لئے بلانا چاہا مگر مولانا اور نظام الدین اولیا سلاطین اور امرا سے نہ صرف اجتناب برتتے بلکہ ان کی آمد کی خبر سن کر طبیعت مکدر ہو جاتی اور خوشی کے بجائے رنج ہوتا۔ مولانا نے سلاجقہ میں عزالدین کیکاؤس ۶۴۳-۶۵۵، رکن الدین قلیج ارسلان ۶۵۵-۶۶۴ اور وقت کے مشہور وزیر معین الدین پروانہ کا عہد پایا۔ یہ تینوں مولانا کے مدرسہ میں حاضری دینا عین سعادت گردانتے۔ معین الدین پروانہ تو سماع کی بے مثال محفلیں برپا کرتا۔ اکابرین شہر بلاتا مولانا کے یہاں بکثرت حاضری دیتا۔ مولانا کی سفارش پر ضرورت مندوں کی مشکلیں حل کرتا۔ ان کی حاجتیں پوری کرتا۔ افلاکی نے اس قسم کے کئی واقعات درج کئے ہیں اور پھر ان سے مولانا کے منغص ہونے کا بھی ذکر کیا ہے۔ ایک بار عزالدین کیکاؤس کی آمد کا واقعہ اس طرح نقل کیا ہے:۔

> مولانا روزی در صحن مدرسہ سیر سیفر مود و اصحاب بجمعہم استادہ جمال آن سلطان را مشاہدہ میکردند۔ فرمود کہ در مدرسہ را محکم کنید از ناگاہ سلطان عزالدین با وزرا و امرا و نواب بزیارت مولانا آمدند۔ در حجرہ در آمد و خود را پنہاں کرد فرمود جواب بدہید تا زحمت برند آن جماعت مراجعت کردند[۱]

---

[۱] بدیع الزماں فروزانفر۔ زندگانی مولوی۔ ص ۱۴۴

معین الدین باوجود قرب اور باریابی کی اجازت کے اکثر ملاقات سے محروم رہتا۔ افلاکی لکھتا ہے :۔

روزی پروانہ بزیارت مولانا آمدہ بود حضرتش متواری گشتہ امرائی کبار چندانی توقف کردند کہ عاجز شدند والبتہ روئی بدیشاں ننمودہ۔ ۱۲؎

نظام الدین اولیا نے دہلی کے نصف درجن بادشاہوں سے زیادہ کا عہد دیکھا۔ نے دربار میں بلانا چاہا۔ معز الدین کیقباد نے دھمکی بھی دی کہ اگر او نمی آید ما می دانیم چوں می آورند" علاؤالدین سے خسرو کی وساطت کے باوجود نہ ملے۔ دہلی چھوڑ کو تیار ہو گئے مگر ملاقات کو نہ گئے۔ اس کے باوجود شہزادگان، امرا اور ہونے وا بادشاہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے پھر بھی طبیعت میں انشراح کے بجائے انقبا پیدا ہو جاتا۔ پروفیسر حبیب نے اپنی کتاب "نظام الدین اولیا" میں سیر الاولیا" کے سے بیان کیا ہے کہ اگر کوئی بادشاہ یا شہزادہ آنے والا ہوتا اور ڈھول تاشے کی آو آتی تو دل سے آہ نکلتی کہ کیوں درویش کا وقت خراب کرنے کے لئے آتے ہیں۔ ۱۳؎

جمہور سے ناتہ ــــ ارکان سلطنت سے دوری اختیار کرنے کے برعکس دونو بزرگ عوام الناس سے نہ تو متنفر تھے اور نہ ان کی آمد سے ناخوش ہوتے بلکہ حسن سل کرتے۔ حاجات برلاتے۔ اخراجات دیتے اور خواہش کرتے تو مرید بنا لیتے۔ مولا نظام الدین اولیار کی یہ عجیب وغریب یکسانیت ہے کہ انبیار رسل اور صلحا ور دین کی روایت کو زندہ وتابندہ کر گئے اور زمانہ کے لئے روایت قایم کر گئے۔ اف نے بھی مولانا کی اس خوبی کا وہی سبب بتایا ہے جو ضیار الدین برنی نے نظام ال اولیا کا۔ افلاکی کے حوالہ سے فروز انفر نے لکھا ہے :۔

مریدان مولانا عجایب مردانند اغلب عامل ومحترفہ شہر اند ہر کجا خیاطی

۱۲؎ بدیع الزماں فروزانفر۔ زندگانی مولوی۔ ص ۱۴۴ ۱۳؎ پروفیسر حبیب۔ نظام الدین اولیا

وبزازی وبقالی کی ہست ادر اقبول میکند۔ اگر مریدان من نیک مردم بودندی خود من مرید ایشان می شدم ان آنکہ بد مردم بودند مریدشان قبول کردم تا تبدیل یافتہ نیکو شوند۔ ۱۴ہ

ضیاءالدین برنی بھی نظام الدین اولیا کے مریدوں میں تھے ایک بار ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ شیخ ہر کس وناکس کو اپنا مرید بنا لیتے ہیں۔ اس شبہ کو شیخ نے اپنے ان ملفوظات سے دور کیا۔

میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان بڑی عاجزی اور ماندگی اور مسکنت کے ساتھ میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تمام گناہوں سے توبہ کی میں اس بات کو سچ سمجھکر اس کو بعیت کر لیتا ہوں خاص طور پر اس لئے کہ بہت سے معتبر لوگوں سے سنتا ہوں کہ بہت مرید اس بیعت کی وجہ سے معاصی سے باز آجاتے ہیں۔ ۱۵ہ

مرجع خلائق ——— اسی بنا پر لوگ جوق در جوق آتے۔ طلبہ، اساتذۂ دانشمند حفاظ، قری اور دوسرے مسافر، حاجت مند، غرض ہر طرح کی مخلوق حاجت روائی اور زیارت کے لئے دونوں بزرگوں کے مدرسہ اور جماعت خانہ میں حاضری دیتے۔ مولانا کے پاس ضرورت مند آتے اور سفارشیں کرواتے رقعات لکھواتے مولانا بے اندازہ شرم حیا کے ساتھ تھے اور احسان چھپاتے تھے افلاکی کا بیان ہے کہ مدرسہ کے طالبعلموں کے تکیہ کے نیچے ان کے حسب مرتبہ اشرفیاں رکھدیا کرتے۔ جب طالبعلم صبح کو اپنا بستر اٹھاتا درم اور سکے بکھر جاتے حیران ہوتے اور مولانا کے الطاف واکرام کے سامنے سر جھکا دیتے۔ ۱۶ہ

---

۱۴ بدیع الزماں۔ زندگانی مولانا ص ۱۴۵ ۱۵ہ ابوالحسن علی۔ دعوت وعزیمت ص ۱۴۱

۱۶ بدیع الزماں زندگانی مولانا۔ ص ۱۴۵

تاریخ ہند کے حوالہ سے روضۂ اقطاب میں نقل ہے کہ مریدین حفاظ اور طالبعلموں
کے علاوہ تین ہزار دانشمند حضرت نظام الدین اولیا کی خانقاہ میں کھانا کھاتے تھے
آنے جانے والوں کا شمار ہی نہ تھا۔ بیشتر افراد موسیقی کے ماہر تھے۔ چرند، پرند کھانا
پینا اور اڑنا بھول جاتے تھے اور دو سو قوال ملازمت میں تھے۔ [17] آگے چل کر اسی
کتاب میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

ہر روز فتوح فراواں رسیدی اما تا شام ہمہ مصرف گردیدی دہر کہ چیزی
آوردی بہتر از آن یافتی۔ ہجوم خواہندہ ہمیشہ بر در او بودی اگر مبلغی آمدی
تا بمصرف نرسیدی خاطر مبارک قرار نگرفتی۔ [18]

عام آمد و رفت اور داد و دہش کے بارہ میں آگے لکھا ہے۔

آئندہ و روندہ۔ از غریب و شہری ہر کہ بیایدی دہر وقت کہ آمدی
توقف نبودی۔ سعادت پائبوس حاصل کردی ہیچکس را محروم نگذاشتی
از جامہ جبتیل، تحفہ ہدایا کہ از عالم غیب رسیدی ہمہ بمصرف رسانیدی۔ [19]

آپ کی تواضع، انکساری، شفقت اور خلق اللہ کے ساتھ محبت دوسرے
کی زندگی کا جزو تھی۔ نظام الدین اولیا خود دائم الصوم تھے اور اگرچہ غلہ کے
انبار سے لوگ فیضیاب ہوتے رہتے مگر یہ نصف روٹی کھاتے۔ آنے والے میوہ
گوشت، روٹی اور شیرینی سے شکم سیر ہوتے مگر وہ کریلے کی سبزی پر اکتفا کرتے۔
تقویٰ اور نفس کشی کی یہی وہ دولت تھی جو بارگاہ خداوندی میں قبولیت کے
اعلیٰ مرتبہ پر پہونچی اور جلال الدین رومی اور نظام الدین اولیا اسی کی بدولت جو کچھ منہ
اور منہ سے کہدیتے وہ حرف آسمانی بن جاتا۔ یہ پیشین گوئی تو نہیں کہی جاسکتی مگر یہ ضرور

---

[17] محمد لوباق۔ روضۂ اقطاب۔ ۵۵ [18] امیر خورد۔ روضۂ اقطاب۔ ص ۵۵۔ [19] امیر خورد
سیر الاولیا۔ ص

ناگاہ بیگاہ زبان سے ادا ہونے والے کلمات صحیح ثابت ہوتے ۔مولانا کا ایک واقعہ ہے
سلطان رکن الدین مولانا کا ارادتمند تھا اور جب وہ معین الدین پروانہ کی سازش
دام میں اسیر ہونے جا رہا تھا تو مولانا سے مشورہ کے لئے حاضر ہوا ۔مولانا نے جانے
منع کیا مگر وہ نہ مانا اور جب وہاں اس کے جسم پر تلوار اور چھرے سے ضرب
ری لگائی جا رہی تھی تو بار مولانا ، مولانا کہتا تھا ۔جب اس کی ہلاکت کی خبر مولانا
ہوئی تو بے ساختہ یہ شعر زبان پر تھا ۔

نگفمت مرد آنجا کہ مبتلات کنند ہیک نظر ہدف ناوک بلات کنند ۵۲

نظام الدین اولیاء نے کئی ایک جملے کہے اور وہ ضرب المثل بن گئے ۔غیاث الدین
ق کے لئے ہنوز دہلی دور است" مبارک شاہ خلجی اور غاصب قاتل خضر خاں کے بارہ میں شعر:۔

روبہک چرا نہ نشستی بجائی خویش باشیر پنجہ کردی و دیدی سزائی خویش

محمد بن تغلق اور حسن بہمنی کے بارہ میں "سلطانی آمد و سلطانی رفت" اور مسخرے عبید کے بارہ
"اے عبید باچوب بازی مسکینی" داستانیں عام ہیں ....

عفو و درگذر ـــــ اہل اللہ کی ایک شان عفو اور درگذر بھی ہے دونوں بزرگوں
زدتن ہونے اور دشمن نوازی کے بہت سارے واقعات کتابوں میں درج ہیں
م الدین اولیا نے اپنے دشمن چھجو غیاث پوری کو جو انھیں اکثر گالیاں بھی دیتا تھا ۔
رف معاف کیا بلکہ اس کے جنازہ میں شرکت کی ۔مغفرت کی دعا مانگی ۔ ایک بار
شخص کو لوگ ان کے پاس لائے اور بتایا کہ وہ حضور کو چھرے سے ہلاک کرنے کے
دہ سے آیا تھا ۔ اس سے آئندہ کسی کو آزار نہ پہونچانے کا وعدہ لیا اور اخراجات
مہیا کئے ۔ وہ اکثر یہ قطعہ پڑھا کرتے تھے ۔

بدیع الزماں فروزانفر ۔ زندگانی مولانا ۔ ص ۱۳۷

ہر کہ مارا رنجہ دارد دراحتش بسیار باد دانکہ مارا خوار دارد ایزد اورا یار باد

ہر کہ او خاری نہد در راہ من از دشمنی

ہر گلی کز باغ عمرش بشگفد بی خار باد [۲۱]

مولانا روم جلال الدین تھے مگر بردباری اور انکساری کا وہ مجسمہ تھے کہ
تعریض وطعن وتشنیع کے کبھی کسی کو سخت جواب نہ دیا۔ مولانا جامی کے بقول ا
سراج الدین قونوی نے یہ کہا کہ مولانا یہ جملہ کہتے ہیں کہ "من با ہفتاد وسہ مذہب یکی ام"
مولانا کی تذلیل کے لئے اپنے مقربین میں سے ایک شخص کو بھیجا۔ اس نے مولانا سے پوچھا ک
یہ بات کہی۔ مولانا نے کہا ہاں۔ اس پر اس آدمی نے مولانا کو سخت سست کہنا شر
مولانا نے انتہائی صبر کے ساتھ سنا اور کہا " با ایں نیز کہ تو میگوئی یکی ام

کہتے ہیں کہ ایک بار قسطنطنیہ سے ایک راہب مولانا سے ملاقات کے لئے
قونیہ کے راہبوں کا مہمان ہوا جب مولانا کی زیارت کے لئے روانہ ہوا تو حسن ا
سے راستہ میں مولانا کا سامنا ہو گیا۔ راہب نے مولانا کو احتراماً سجدہ کیا مو
تعظیماً سر جھکایا اسی طرح جتنی بار اس نے سجدہ کیا مولانا نے بھی جواب میں سر جھک
وہ انتہائی حیرت میں پڑ گیا کپڑے پھاڑے اور ساتھیوں سمیت ایمان لے آیا۔
بعد میں اس نے پوچھا کہ آپ نے میرے ساتھ ایسا برتاؤ اور تواضع کیوں کی۔ مول
اور یہ جملے ادا کئے :۔

چوں حدیث طوبیٰ لمن رزقہ اللہ مالاً وجمالاً وحشماً فواسا
فجاد بمالہ وعف فی جمالہ وتوضع فی شرفہ وعدل فی سلطانہ
فرمودہ سلطان ماست باید۔ گان حق چوں تواضع نکنم وکم زنی چرا نما
واگر آترا نکنم چہ راشنایم دکہ راشایم وبچہ کار آییم" [۲۲]

---

[۲۱] مولانا ابوالحسن علی۔ دعوت وعزیمت ص ۵۵۔ [۲۲] بدیع الزماں فروزانفر۔ زندگ
ص ۱۴۳

...رسہ میں جاکر اس حدیث کی سند مانگی اور یہ اشعار پڑھے :-

آدمی ۔ آدمی ۔ آدمی	بستہ دمی زانکہ نمی آدمی
آدمی را ہمہ در خود بسوز	زان دمی باش اگر محرمی
کم زد آنکاہ لود بار شد	تا نزنی کم نرھی از کمی

آدمیت کے جس مفہوم کو مولانا نے اپنے اشعار میں تواتر کے ساتھ ظاہر کیا ہے
...سور کو نظام الدین اولیا نے ایک جگہ نثر میں بیان کیا ہے ۔ کہا کہ مجھے خواب میں ایک
...دی گئی اُس میں لکھا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہونچاؤ کہ مومن کا دل
...ربوبیت کا مقام ہے کسی بزرگ نے خوب کہا ہے :-

...کوش کہ راحت بجانی برسد یا دست شکستہ بنانی برسد ۔ [۲۳]

...اولیا میں نقل ہے کہ " قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت نہ ہو گی اور
...نہ ہو گا ۔ جتنا دل کا خیال رکھنے کا اور دل خوش کرنے کا ۔ [۲۴]

مولانا اور نظام الدین اولیا دونوں ہی خلق خدا کی یہ عزت خدمت اللہ کی خوشنودی
...ضل کے لئے کرتے تھے ۔ بارگاہ خداوندی میں دونوں حضرات اس قدر مماثل ہیں
...ہوتی ہے ۔ دونوں نے خدا سے محبت ، عقیدت اور لگاؤ رکھنے کی بار بار
...تا ہے ۔ مولانا کا کہنا ہے کہ انسان کو ہر حال میں خدا ہی کی طرف دیکھنا چاہیئے ۔
...یس خدا کی گدائی کر اور اس سے حاجت طلب کر کیونکہ کوئی ضائع نہیں ہوتا

...ادعونی استجب لکم

...نے مومن کے بارہ میں کہا ہے :-

...مومن وہ ہے جو سمجھے کہ اس کے پیچھے کوئی ہے اور ہماری حالت سے مطلع
...ہے اور دیکھتا ہے "۔

...نا ابوالحسن علی ۔ دعوت عزیمت ص ۱۰۶ [۲۴] امیر خورد ۔ سیر الاولیا ۔ ص ۱۲۸

خدا کی یاد کے بارہ میں کہتے ہیں :-

" ایک دفعہ خدا کو یاد کرنے سے باطن تھوڑا تھوڑا منور ہوتا ہے اس کی یاد بڑا اثر رکھتی ہے اور مجھے اس کی یاد سے بہت بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں ۲۵

نظام الدین اولیانے خدا کی یاد سے متعلق ایک جگہ یوں کہا ہے :-

خدا کی طرف متوجہ دل اور پاک نفس چاہیئے اس کے بعد جس کام میں رہنا ہو تمھیں کوئی نقصان نہ ہوگا " ۲۶

کشف وکرامات ____ عموماً بزرگوں سے عقیدت اور خوش فہمی میں ایسی غیر نقی باتیں منسوب کردی جاتی ہیں جسے عام عقل بھی تسلیم نہیں کرتی ہے ۔ یہ دونوں بز روحانیت کی دولت کے ساتھ علم وفضل کی نعمت سے بہرہ ور تھے اس لئے کوئی ایس بات نہ منہ سے نکالی اور نہ حرکت کی جس سے جہل اور تکبر کا شائبہ پیدا ہو۔ کشف کے با میں مولانا نے فرمایا :-

" کرامت یہ ہے کہ تجھے سفلی حالات سے اعلیٰ حال پر لے آئے اور وہاں سے تو یہاں تک سفر کرے اور جہالت سے عقل تک اور جمادی حالت حیات تک پہونچے :-

آمدہ اول باقلیم جماد ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ دز جمادی در نباتی اوفتاد ۔ ۲۷

کشف وکرامات کے بارہ میں نظام الدین اولیاء کا فرمانا تھا :

کشف وکرامات سالک کے لئے حجاب راہ ہیں ۔ محبت سے استقامت پیدا ہوتی ہے ۔

اسی شان بے نیازی کا نتیجہ تھا کہ ہمعصر علماء اور فضلانے ان بزرگو

---

۲۵ مولانا روم ۔ فیہ ما فیہ اردو ص ۔ ۲۷۷ ۲۶ امیر خورد ۔ سیر الاولیاء ۔ ص ۔ ۱۶۰

۲۷ مولانا روم ، فیہ ما فیہ ۔ ص ۲۷۷

کی قدر و منزلت کی اور عالم اسلام اور دنیا کے دیگر بزرگوں کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔ مولانا کے بارہ میں شیخ صدر الدین قونوی نے کہا "اگر بایزید اور جنید جیسے اولیا بھی اس زمانہ میں ہوتے تو مولانا جلال الدین کے حلقہ اطاعت میں درس لیتے فقر محمدی کے خوان سالار مولانا ہیں اور ہم لوگ ان کے طفیل کچھ ذائقہ چکھ لیتے ہیں۔ ۲۸ھ

دعوت و عزیمت میں ضیاؤ الدین برنی کے حوالہ سے یہ بات کہی گئی ہے کہ نظام الدین اولیا شہرت اور مقبولیت کے عروج پر تھے اور حضرت اپنے وقت کے شیخ جنید اور بایزید تھے۔ ۲۹ھ امامت سے پرہیز ——— باوجود تقویٰ عبادت و ریاضت اور مجاہدہ کے دونوں بزرگ امامت کے مصلی پر جانے سے گریز کرتے تھے۔ مولانا کی اس روش سے متعلق متعدد واقعات ہیں جس میں خدا کی بارگاہ میں کسی نمائندگی کرنے سے بچنا چاہا ہے۔ ہاں تنہائی اور اپنی بات اور تھی۔ ایک بار حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ آپ نماز پڑھا دیجئے فرمانے لگے :۔

"ہم لوگ دوسری صفت کے ابدال صفت ہیں۔ ہمارا بیٹھنا، اٹھنا سب بے قاعدہ ہے جہاں کے ہو رہے۔ بس وہیں رہ گئے امامت کے لائق صاحب تمکین و وقار اصحاب تصوف ہیں۔" ۳۰ھ

اکثر صدر الدین قونوی سے نماز پڑھوا لیتے۔ وہ ایک بار مولانا کو آتا دیکھ کر مصلیٰ سے ہٹ گئے۔ مولانا نے فرمایا روز قیامت کیا جواب دونگا شیخ نے کہا ایک طرف سب بیٹھے ایک طرف ہیں۔ مگر مولانا نہ مانے اور مجبور ہو کر شیخ صاحب نے نماز پڑھوائی۔

نظام الدین اولیا کے کسی مجموعہ ملفوظات میں ان کی امامت کے متعلق شاید ہی کوئی ذکر ملے گا۔ ان کے اکثر امام مقرر ہوتے۔ ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے ایک امام ایسے معتقد تھے کہ جبتک پیچھے گھوم کر ان کا چہرہ نہ دیکھ لیتے نیت نہ باندھتے۔ ایک بار

۲۸ھ - بدیع الزماں فروزانفر - زندگانی مولانا ص ۲۲ ۲۹ھ ابوالحسن علی - دعوت و عزیمت - ص ۱۴۶ ۳۰ھ اصغر حسین - مولوی معنوی - ص - ۲۰

رکن الدین سہروردی ملتانیؒ اور نظام الدین اولیا کی ملاقات دہلی میں ہوئی اور عصر کی نماز کا وقت ہوگیا۔ دونوں بزرگوں کا ایک دوسرے سے اصرار رہا کہ نماز پڑھائیں بالآخر نظام الدین اولیا کا اصرار غالب آیا اور رکن الدین ملتانی نے نماز پڑھائی

مولانا اور نظام الدین اولیا نے اپنے سے متعلق چند اشخاص کو اتنا محترم اور محبوب مانا کہ ان کا نام زندہ جاوید کر دیا ہے۔ اگرچہ ایسے حضرات خود اپنی شخصیات کردار آثار اور کلام کی بدولت بھی زندہ رہ سکتے تھے مگر ان دونوں بزرگوں کی صحبت اور قربت میں رہ کر کئی نام زندہ جاوید بن گئے۔ دونوں بزرگوں کا نام لیجئے ناممکن ہے کہ اُن مقربین کا نام بھی نہ آئے۔ مولانا کی زندگی میں بہت سے ناموں میں تین نام اہم ہیں۔ پہلا نام شمس تبریز (م - ۱۲۴۵) کا ہے جنھوں نے مولانا کی زندگی میں ایک انقلاب برپا کردیا۔ مولانا عمامہ، جبہ، دستار اور عبا کا جامہ چاک کرکے خرجی اور استوانی کلاہ میں ملبوس ہو گئے۔ بجائے درس و تدریس کے وجد و حال میں کھو گئے، شمس کی آگ نے ان کو عجیب و غریب حال میں ڈال دیا۔ مریدین، اعزہ، شاگرد سب حیران کہ پیر و مرشد کو کیا ہوا۔ جو منتہا تھا ابتدی بن گیا، مقتدا تھا، مقتدی بن بیٹھا اور مولانا ہیں کہ شمس میں کھو گئے ہیں:۔

پیر من و مرید من درد من و دوائی من　　　فاش بگفتم این سخن شمس من و خدائی من[۱۳۱]

اس کیفیت کا ذکر فروز الفران الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"شمس الدین بمولانا چہ آموخت و چہ فسوں ساخت کہ چنداں فریفتہ گشت کہ مولانا بعد ازیں خلوت روش خود را بدل ساخت و بجائی اقامہ نماز و مجلس وعظ بسماع نشست و چرخیدن در رقص بنیاد کرد و بجائی قیل و قال

---

۱۳۱ بدیع الزماں فروز الفر - زندگانی مولانا - ص ۶۴

مدرسہ و جدال اہل بحث گوش بنغمہ جانسوزنی و ترانۂ دلنواز نہاد "[۲۱]

شمس کے قتل کے بعد مولانا صلاح الدین زرکوب کو تلاش کر لیتے ہیں جن کے مبلغ علم پر اہل شہر اور مولانا کے مریدوں کو اعتراض ہے۔ مولانا نے نہ صرف انھیں محترم اور عزیز مانا۔ بلکہ اپنے صاحبزادہ سلطان ولد کے ساتھ صلاح الدین کی دختر فاطمہ سے شادی کر دی۔ زرکوب کے بعد مولانا کی زندگی میں حسام الدین چلپی داخل ہوئے جن کی وجہ سے مثنوی معنوی وجود میں آئی۔

نظام الدین اولیاء کے عزیزوں میں خسرو کا نام منفرد ہے۔ جتنا امیر خسرو کو مانتے تھے اتنا کسی کو نہیں۔ عشاء کے بعد رات کی تنہائی میں اگر کسی کو باریابی حاصل تھی تو وہ خسرو کو۔ نظام الدین اولیا ان کو خط میں لکھتے ہیں سب سے تنگ آجاتا ہوں یہاں تک کے اپنے آپ سے بھی مگر تم سے نہیں۔ کسی کی شفاعت قبول ہوتی تو خسرو کی۔ ایک بار برہان الدین غریب (م ۷۳۵/۱۳۳۴ء) دولت آباد ہجرت کر کے جانے لگے تو حضرت سے کہا آپ کی جدائی کا غم سہا نہ جا سکے گا کسی کو ساتھ جانے دیجیے۔ فرمایا خسرو کے علاوہ جسے چاہو لے جا سکتے ہو۔ بارگاہ الٰہی میں قیامت کے سوز سینہ ترک کی بدولت بخشائیش کی دعا مانگی اور اگر شرعی اجازت ہوتی تو ایک ہی قبر میں دفن بھی ہوتے۔ مولانا روم اور شمس تبریز کی دوستی کی مانند نظام الدین اولیا اور خسرو کی دوستی تو نہ تھی مگر ذیل کے شعر سے اُن کے خسرو سے تعلق خاطر کا اظہار ہوتا ہے۔

گر برای ترک ترکم آرہ بر تارک نہند	ترک تارک گیرم و ہرگز نگیرم ترک ترک

ایک اور قطعہ بھی اسی ضمن میں کافی مشہور ہے:-

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست	ملکیست کہ ملک سخن خسرو راست

این خسرو ماست ناصر خسرو نیست

زیرا کہ خدائی ناصر خسرو ماست

[۲۱] بدیع الزماں فروزانفر۔ زندگانی مولانا۔ ص ۲۴

خاتمہ بالخیر ـــــــــــ اپنی زندگی کی آخری ساعتوں میں دونوں ہی شاید حقیقی
سے ملنے کو بیتاب تھے۔ مولانا کو تپ محرقہ کی شکایت ہوگئی تھی۔ اور معلوم ہوگیا تھا کہ
وقت آگیا۔ اس لئے اطبا، معتقدین اور مریدین کی دعاؤں اور دواؤں کا اثر جا...
تھے۔ کمال الدین طبیب آئے صحت کی بشارت دی۔ شیخ صدرالدین عیادت کو آ...
اور کہا شفا ہوگی۔ مولانا نے فرمایا شفا تم لوگوں کو مبارک ہو مگر مولانا نے جمادی الا...
یکشنبہ ۶۷۲/ ۱۲۷۰ کو غروب آفتاب کے وقت دنیا کو درود پڑھا رخصت سے...
ایک غزل کہی تھی جس کے چند اشعار یہ ہیں:-

برای من مگری ومگو دریغ دریغ ... بدام دیو در افتی دریغ آں باشد
ترا بگور سپردی مگو وداع وداع ... کہ گور پردۂ جمعیت جناں باشد
کدام دانہ فرو رفت در زمیں کہ نرست ... چرا بدانہ انسانت این گماں باشد
ترا چناں بنماید کہ من بخاک شدم ... بزیر پائی من این ہفت آسماں باشد

نظام الدین اولیا نے چالیس روز قبل کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔ مریدین پریشا...
تھے مگر وہ جانتے تھے کہ بلاوا آگیا ہے۔ لوگ مچھلی کا شوربہ پلانے آئے تو فرمایا:-
"کسیکہ مشتاق حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم باشد او طعام دنیا چگونہ"، ...
اور زبان پر یہ مصرعہ جاری تھا۔ "می رویم و می رویم و می رویم"
اور ۸۹ سال کی عمر میں چہارشنبہ ۱۸ ربیع الاول صبح طلوع آفتاب کے وقت...
۱۳۲۵ میں اپنے مالک سے جاملے۔
ایک نے طلوع آفتاب کے وقت رخت آخرت باندھا اور دوسرے نے غرو...
آفتاب کے وقت جہان فانی سے منہ موڑلیا۔ مولانا کے انتقال پر جو ماتم ہوا...

---

۳۳ فروزالفر۔ زندگانی مولانا۔ ص ۱۱۵ ۳۴ انوار اصفیا۔ ص ۱۰۱

ے مثال ہے شیخ صدر الدین نے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر دل نامہ کے اشعار پڑھنے
ے تعلق رکھتے ہیں:-

مردم شہر از صغیر و کبیر — ہمہ اندر فغاں و آہ و نفیر
دیہیان ہم ز رومی و اتراک — کردہ از درد او گریباں چاک
بجنازہ اش شدہ ہمہ حاضر — از سر عشق بہر تنہ پئے بر
اہل ہر مذہبے برو صادق — قوم ہر ملتی برو عاشق
کردہ او را مسیحیاں معبود — دیدہ او را جہود خوب چو ھود
عیسوی گفتہ اوست عیسیٰ ما — موسیی گفتہ اوست موسیٰ ما

مومنش خواند سر و نور رسول
گفتہ ہست او عظیم نفول ۳۵

تعجب کی بات ہے کہ سیر الاولیاء اور دوسرے تذکروں میں نظام الدین اولیا
وفات کے بعد کی تفصیلات زیادہ درج نہیں ہیں۔ خانقاہ کے معتقدین اور
ام مانند اقبال اور خواجہ مبشر کے علاوہ خود سلطان محمد بن تغلق اور خواجہ جہاں
نے آخری دیدار کیا اور کفن دفن کا انتظام بھی سرکاری احکامات کے تحت ہوا۔
سرو دہلی میں موجود نہ تھے اور جب پیر و مرشد کی قبر پر پہونچے تو ایک ہندی کے
ہے کے علاوہ اور کچھ نہ کہہ سکے اگرچہ ان کی زندگی میں خسرو کا کوئی ایسا دیوان اور
وی نہ تھی جس میں نظام الدین اولیا کی شان میں اشعار نہ رہے ہوں۔ لیکن یہ
یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ نظام الدین اولیا کی وفات کے بعد بھی ان کی قبر
رت گر رنداں جہانیاں رہی کیونکہ فیروزی عہد کے شاعر مطہر کردہ تغلق کے

---

۱ فیروز الغز - زندگانی مولانا - ص ۱۱۳

عہد کے شاعر عصامی اور فیروزی عہد کے جلالی شاعر مسعود بک نے ان کی شان میں اشعار
کہے ہیں اور مطہر کرہ نے ان کی قبر کی زیارت بھی کی ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ مولانا نظام الدین اولیا سے عمر میں بڑے تھے لیکن کیا نظام الدین
اولیا ان کے نام سے آشنا تھے، ان کی مثنوی کے اشعار کبھی ان کی نظر سے گذرے تھے؟ ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو نام سے واقف تھے اور نہ کلام ہی سے کیونکہ ۲۵/۱۳۲۵ء تک
کے تذکروں، تاریخوں اور ملفوظات میں کہیں بھی کوئی نام مولانا روم کا نہیں ملتا ہے اور
نہ ہی ان کے اشعار کا حوالہ پایا جاتا ہے۔ ہاں سعدی کے اشعار کبھی کبھی اور سنائی و عطار
کے ابیات اکثر و بیشتر تذکروں میں اور سیر الاولیا تک میں ملتے ہیں۔ ان تمام کے باوجود نظام
اولیار کی ساری زندگی مولانا روم کی وصیت ذیل کا مرقع تھی۔

"اوصیکم بتقوی اللہ فی السر والعلانیہ وبقلۃ الطعام وقلۃ المنام
وقلۃ الکلام وھجران المعاصی والآثام ومواظبۃ الصیام ودوام
القیام وترک الشہوۃ علی الدوام واحتمال الجفاء من جمیع الانام
وترک مجالس السفہاء والعوام ومصاحبۃ الصالحین والکرام فان
خیر الناس من ینفع الناس وخیر الکلام ماقل ودل الحمد للہ"[۳۶]

نظام الدین اولیا نے عمر میں شاید شکم سیر ہو کر کھانا کھایا ہو۔ زندگی بھر کسی لذیذ
کو منہ میں نہ رکھا کہ کہیں نفس غالب نہ آجائے۔ ساری عمر تجرد میں گذار دی۔ ایک بار اپنے
پیر و مرشد کی بیوہ اور خاندان کو دہلی لائے تو لوگوں نے یہ خبر اڑا دی کہ شاید شادی کرنا
چاہتے ہیں۔ جب ان کو یہ بات معلوم ہوئی تو اپنی کھچڑی داڑھی پر ہاتھ پھرا اور اسی دن
اجودھن کے لئے روانہ ہو گئے۔ آخر میں ان کے دو قطعات درج ہیں جو وصیت بالا کی
بھی جھلکتے ہیں۔ (باقی صفحہ ۳۴۷ پر ملاحظ فرمائیں)

---

۳۶ - فروز الفز - زندگانی مولانا - ص ۱۳۶

دمشق کی شہرۂ آفاق مسجد
الجامع الاموی

از جناب عبدالخالق صاحب سفارتخانۂ ہند، دمشق

دمشق ملکِ شام (سیریا) کی راجدھانی، بنو امیۃ کی کم و بیش ایک سو سالہ خلافت کا پایۂ تخت اور دنیا کا سب سے قدیم مستقل بسے رہنے والا شہر مشہور تاریخی پہاڑ جبل قاسیوں کے ایک طرف، مشرقی جانب آباد ہے کسی بھی تھوڑی سی اونچائی سے اگر دیکھا جائے تو جدید مغربی انداز کی عمارتوں کے علاوہ پرانے طرز کے مشرقی مکانات کی نیچی نیچی چھتوں کا ایک سلسلہ دور تک نظر آتا ہے۔ ان گھروں کے درمیان جابجا مسجدوں کے منارے بھی دکھائی دیتے ہیں مگر ان مناروں میں اپنی بلندی اور ایک امتیازی طرزِ تعمیر کے سبب مسجد بنو امیۃ کے منارے سب سے زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔

یہ ہے عالم اسلام کی مشہور و معروف مسجد بنو امیۃ جسے الجامع الاموی اور جامع بنی امیۃ الکبیر" بھی کہتے ہیں جزیرۂ عرب اور بیت المقدس کے مقدس حرم اور مساجد کے بعد جامع اموی عالم اسلام کی سب سے بڑی اور قدیم پختہ مسجد ہے اسے خاندان بنو امیہ کے مشہور خلیفہ ولید بن عبدالملک نے ۷۰۵ عیسوی میں اس وقت بنوایا تھا جب کہ دمشق تاریخ کی سب سے عظیم مملکت کا پایۂ تخت تھا۔ اموی خلافت مشرق میں ترکستان، مغربی ہندوستان و افغانستان، مغرب میں اسپین و مغربِ عربی تک پھیلی ہوئی تھی۔ ایران عراق شام مصر اور الجزائر جیسے اہم ملک اس خلافت

کے دست نگر تھے۔

دمشق کی الجامع الاموی ایسے بقعۂ ارض پر قائم ہے جو نہایت قدیم زمانے سے کسی نہ کسی مذہب یا عقیدے کے ماننے والوں کے مقدس عبادت خانہ کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے۔ تین ہزار سے بھی زیادہ سال پہلے اس جگہ قدیم شامیوں کا "معبد آرامیا" تھا۔ جہاں سامی نسل کے عرب "حَدَد" نام کے دیوتا کی عبادت کرتے تھے یہ اس قبیلہ کے عقائد کے مطابق آندھی، بارش اور زرخیزی کا دیوتا تھا اور ظہور مسیح ؑ سے کچھ پہلے سے اسی جگہ قدیم رومیوں کا عظیم الشان معبد تھا جس میں جوپیٹر کا ایک بڑا اور باوقار بت نصب تھا۔ عرب مورخین اس عبادت خانے کو "معبد۔ بیٹرالدمشقی" (دمشقی جوپیٹر کے عبادت کدہ) کا نام دیا ہے۔ آرامی معبد اور جوپیٹر کے عبادت خانہ کے تعمیری نشان آج بھی اس مسجد میں نظر آتے ہیں۔ اس تعمیر کی منقش اور مصور دیواریں پر دیوتا "حدد" کے زمانے کے بعض مبہم و غیر نمایاں مگر یقینی آثار آج بھی ملتے ہیں۔ اس کے ستون، ستونوں کے اوپر خاص قسم کے نقش و نگار والی لگروں، کھڑکیوں کی اوپر کی چوکھٹوں، دروازوں، کھود کر کی گئی نقش کاری اور رنگ برنگ کے نقوش سے آج بھی جوپیٹر کے عبادت کدہ کے خدوخال کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

سنہ ۷۰۵ عیسوی میں جب اس قدیم عمارت کو آج کی جامع اموی کی شکل دی گئی یہ عیسائی دنیا کا ایک بے مثال گرجا گھر تھا جسے سینٹ جان کے گرجا گھر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ سینٹ جان حضرت یحییٰ علیہ السلام کا انجیلی نام ہے عیسائیت کے ماننے والے بھی مسلمانوں کی طرح حضرت یحییٰ کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں۔ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غسل اصطباغ (Baptism) دیا تھا۔ چوتھی صدی عیسوی میں جبکہ عیسائیت کے ماننے والوں کی تعداد پھیل چکی تھی قدیم عربوں کا یہ آرامی پھر جوپیٹر کا معبد گرجا گھر میں تبدیل کر لیا گیا تھا اور شاید شامی اصل کے شہنشاہ

...یور دتھیوس کے زمانے میں جو شام و فلسطین کی رومی سلطنت کا سربراہ تھا۔
...نیٹ جان کے گرجا گھر (کنیسۂ ماریوحنا) کی مکمل شکل میں پوری شہنشاہی آب و تاب
...ساتھ معرض وجود میں آچکا تھا۔ اس عمارت کے کلیسائی آثار بہت واضح صورت میں
...بھی مسجدِ اموی کے بہت سے زاویوں اور خاص طور سے جنوبی دیوار اور مشرقی
...مغربی مناروں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے سنہ ۶۳۴ میں
...مشق کو فتح کرکے خلافتِ اسلامیہ میں شامل کیا۔ فتح دمشق کا واقعہ بھی اسلامی تاریخ
...اپنی نوعیت کا ایک اہم واقعہ ہے۔ دمشق میں اسلام کے یہ مایۂ ناز دو جرنیل دو
...ختلف سمتوں سے داخل ہوئے۔ خالد بن ولیدؓ مشرق کی جانب سے بزورِ قوت داخل
...ئے اور ماریوحنا (سینٹ جان) کے کلیسا کے شرقی دروازے تک پہنچے جبکہ
...عبیدہ بن الجراحؓ شہر دمشق میں موجودہ باب الجابیہ کی جانب سے ایک صلحی
...اہدے کی رو سے داخل ہوئے۔ قانون فتوحات اور ضابطہ کے مطابق معرکہ آرائی
...بعد داخل ہونے والے فاتح کا یہ تسلیم شدہ حق رہا ہے کہ وہ معرکہ اور لڑائی کے
...لیے فتح کی ہوئی اراضی کا مالک ہوتا ہے چاہے اس اراضی میں عبادت خانے
...کیوں نہ ہوں اس کے مقابلے میں صلح کے نتیجے میں مختلف اطراف کا عمل دخل
...اہدہ کی شروط کے تحت ہوتا ہے۔ اس عظیم تاریخی عبادت خانے کی کلیسائی
...رت کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا اس کے مشرقی حصے میں مسلمان پنج گانہ ادا کرتے رہے
...کہ مغربی حصے میں عیسائی اپنے مذہبی فرائض ادا کیا کرتے تھے۔ عیسائیت واسلام
...شعائر و مناسک کی ادائیگی کی یہ اختلاطی کیفیت پرامن طور پر اموی خلیفہ ولید بن
...الملک کے زمانے تک جاری رہی عرب مورخین نے نماز کے لئے اذانوں اور کلیسائی
...س کی بلند آوازوں کے روحانی اختلاط کی جابجا تصویر کشی کی ہے۔ اس طویل مدت

تک قومی تعاون اور مذہبی رواداری کے زندہ نمونے پر یہ عرب مسلمان اور عیسائی
دونوں ہی عمل پیرا رہے۔ مسلمان اور عیسائیوں نے اس عمارت میں داخل ہونے
اور باہر نکلنے کے لئے محض اپنے اپنے بالترتیب مشرقی اور مغربی دروازے اختیار
کئے جبکہ اندرونی عمارت میں کسی خاص تقسیمی حواجز کے قیام کی نوبت نہ آئی
خلیفۂ وقت نے باوجود قوت وجبروت کے اس صورت حال کو بدلنے کے لئے کبھی
صلحی معاہدے سے روگرانی کے بارے میں نہیں سوچا۔ یہ اسلام کے فروغ اور
اقتدار کا زمانہ تھا۔ اور یہ عظیم الشان عبادت خانہ خلافت اموی کے پایۂ تخت
شہر دمشق میں واقع تھا جہاں خلفاء نے عوام سے خطاب اور خواص سے مشورے
اسی منقسم عبادت خانے میں خلفاء نے علماء وقت سے اہم دنیوی معاملات مشورے
لینے کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ درحقیقت یہ خلفاء اسلام کی رواداری اور تسامح
ایک بے نظیر مثال قائم کرنا چاہتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ بہرحال عیسائی بھی آسمانی
اور خدا کے برگزیدہ نبی پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ عبادت اور ضمیر کی آزادی کے
معترف وحامی تھے۔ شام کے ایک مؤرخ پروفیسر عفیف بہنسی نے تو یہ بھی
ہے کہ یہ عیسائی بہرکیف عرب تھے اور اسی ملک کے باشندے تھے۔ عربوں کے
ہونے سے قبل ان ہی عیسائی عربوں نے اپنے ملک شام کو رومی بیزنطینی غلامی
آزادی حاصل کرنے میں قربانیاں بھی دی تھیں۔ یہ حقائق بھی اموی خلفاء کے
ذہن میں تھے جس کی وجہ سے وہ ہم وطن عیسائیوں کے مذہبی خدمات کو باوجود
وطاقت کے ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتے تھے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں اسلامی
سلطنت کی سرحدیں مشرق ومغرب میں دور دراز علاقوں میں پھیل چکی تھیں
مختلف فاتح جرنیل اپنی اپنی مہم کی تکمیل کے بعد مال غنیمت کے بے تحاشا

ںباروں اور معرکوں کے نتیجے میں ہاتھ لگے غلاموں کے ساتھ لوٹ رہے تھے خلافت
اموی کے جرنیل موسیٰ بن نصیر افریقہ و اندلس کی مہم کامیابی کے بعد ولید بن
عبد الملک کے فرمان کے مطابق جب شام کے دار الخلافہ دمشق واپس لوٹا تو براہ
راست جامع اموی کا رخ کیا جہاں ولید جمعہ کا خطبہ پڑھ رہا تھا۔ نماز جمعہ کے بعد
موسیٰ بن نصیر نے خلیفہ کی خدمت میں اسپینی اور افریقی شہزادوں اور سربراہوں
کو پیش کیا۔ لاتعداد غلاموں کو قید کر کے لانے کی اطلاع دی اور مال غنیمت
خلیفہ کے حوالے کیا۔

خلافت اموی کی شان و شوکت، دبدبے اور قوت کو مختلف سمتوں سے خراج
عقیدت پیش کی جانے لگی تھی۔ روم اور یورپ کے دوسرے سربراہوں کے یہاں
سے تحائف و ہدایا کی آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا سلطنت کی ہیبت کو برقرار رکھنے
کے لئے اب اس بات کی بھی ضرورت محسوس کی جانے لگی تھی کہ پایۂ تخت دمشق میں ایک
کشادہ جامع مسجد بھی ہو جہاں سے خلیفہ خطاب کرے اور اس کی آواز خلافت کے
کونے کونے گوشے میں سنی جائے اور جہاں مختلف علاقوں اور ملکوں سے وارد ہونے والے
وفود اور امراء کا استقبال کیا جا سکے۔ ایک نئی عمارت تعمیر کرنے کی بجائے جس کی تکمیل
میں ایک طویل مدت کی ضرورت پیش آتی۔ خلیفۃ المسلمین نے عیسائی رہنماؤں سے
بات دشنید کو ترجیح دی اور ان سے اس پوری عمارت کو مسجد میں تبدیل کرنے کے
ارادے کا ذکر کیا۔ عیسائی راہبوں نے خلیفہ کے اس عزم کے خلاف احتجاج کیا
ولید بن عبد الملک کو اس پر مایوسی ہوئی بالآخر ولید کے بھائی المغیرہ کے مشورے
سے عیسائی اور مسلمان رہنماؤں کی ایک مشترکہ کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ صلح کے پرانے
معاہدے پر غور و خوض ہوا بحث و مباحثے کے بعد سب اراکین نے یہ اقرار کیا کہ
صلح کے تحت تو عیسائیوں کو "جامع اموی" کا یہ آدھا حصہ بھی اب تک واپس

کر دینا چاہیئے تھا۔ لیکن ولید بن عبدالملک نے اپنی رواداری اور فراخ دلی کا ثبوت اس
طرح دیا کہ بغیر معاوضے کے مسجد کے اس دوسرے حصے کو حاصل کرنا مناسب نہ سمجھ
مسجد کے اس آدھے حصے کو خالی کرنے کے عوض چار عالی شان گرجا بنا کر دیئے اور
اس کے علاوہ ایک بہت بڑا پرشکوہ گرجا گھر "کینیۃ ماریوحنا" کے نام سے تعمیر کر
یہ اموی خلیفہ کی رواداری اور وضعداری کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ مسلمانوں
اپنی قوت وجبروت کے روح اخوت وقومیت اور جذبۂ تسامح کی مثال پیش کی۔ اس طرح سے
مسلمانوں نے عیسائیوں کے ساتھ برتاؤ کیا اور یہ تھا عربوں کا معاملہ دوسرے عربوں
کے ساتھ۔

اس پرانے معبد اور پھر گرجا گھر کی بنیادوں اور دیواروں پر الجامع الاموی
تعمیر نو کا کام شروع ہوا مختلف روائتوں کے مطابق آٹھ سے دس سال تک یہ کام
رہا۔ زیادہ وقت مسجد کی خوشنمائی کے کاموں پر صرف ہوا۔ ولید بن عبدالملک
کو اپنے دینی جذبے کے تحت مساجد کی تعمیر کا شوق تھا۔ اسی خلیفہ کے زمانے
مدینہ منورہ کی مسجد نبوی کی تعمیر نو ہوئی۔

دمشق کی یہ شہرۂ آفاق مسجد مکمل ہونے کے بعد عالم اسلام کی عظیم عمارتوں
میں شمار کی گئی۔ امام شافعیؒ نے اسے دنیا کے چند عجائبات میں سے شمار کیا۔ اس
تعمیر نو پر ملک شام کا سات سال کا خراج صرف ہوا۔ ایک روایت کے مطابق
ایک کروڑ دو ہزار طلائی دینار خرچ ہوئے۔ اور بے شمار مزدوروں، معماروں
ہنرمندوں اور فنکاروں کو اس کی تعمیر پر متعین کیا گیا۔ ماہر پتھر تراش، عمدہ
کا کام کرنے والے اور دھاتوں کے باریک امتزاجی استعمال کے ماہرین کی ایک
تعداد نے بھی اس مسجد کی تعمیر وتکمیل میں حصہ لیا۔ دور دراز کے مختلف ملکوں
فن کار اور ہنرمند کاریگر بلائے گئے۔ ایران، روم، یونان، مصر اور افریقہ

روں اور ہنر کاروں کے علاوہ ہندوستان کے تجربہ کار کاریگروں نے بھی اس
جد کی تعمیر اور خوشنمائی میں حصہ لیا۔ مختلف قسم کے پتھر اور دوسرے ضروری
رتی سامان بھی مختلف ملکوں سے منگائے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس مسجد پر خرچ و
اجات کے حساب کتاب اور کاغذات کو اٹھارہ اونٹوں پر لاد کر منتقل کیا گیا
جو بعد میں جلا دیئے گئے۔

فنِ تعمیر کے اعتبار سے مسجد اموی ایک نہایت اعلیٰ درجے کے پلان کے تحت
گئی ہے۔ اس میں ایک بڑا وسیع صحن ہے جو تین طرف سے اونچے اونچے چوکور
مضبوط ستونوں والے چوڑے دالانوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس صحن کے جنوب
مسجد کا اونچی چھت سے ڈھکا وسیع و عریض ہال ہے۔ اس چھت والے حصے اور
طرفہ دالانوں کی اونچائی برابر ہے یہ مدینہ منورہ کی مسجد نبوی کا طرز ہے۔

جامع اموی کے اندرونی ڈھکے ہوئے حصے کو تین اجزاء میں تقسیم کیا جا سکتا
جو قدیم مسیحی دیوار جس سے قبلہ کا تعین ہوتا ہے کے متوازی ہیں۔ البتہ ان
ا کی ترتیب مشرق سے مغرب کی جانب چوڑائی میں ہے جو درمیانی جز کے
لے میں مختلف ہے یہ جز شمال سے جنوب کی طرف پھیلتا چلا گیا ہے اس کے وسط
ہی قبۃ النسر ہے یہ جز محراب تک جاتا ہے۔ اس مسجد کا یہی درمیانی جز
سے زیادہ خوشنما اور دلکش ہے جو نہ صرف خوبصورتی تنسیق و ترتیب میں
مثال آپ ہے بلکہ باقی مسجد کی پروقار خوبصورتی میں بھی چار چاند لگاتا ہے
مسجد کے کھلے صحن میں بیچوں بیچ ایک فوارہ ہے جس کو ایک گول کم دبیز تین
اونچی دیوار سے گھیر لیا گیا ہے یہ پانی وضو کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اندرونی
ن کے دونوں طرف دو منارے ہیں جو واضح طور پر گرجا گھر کے پرانے
شکل میں اٹھائے ہوئے میناروں کے قاعدہ پر بنائے گئے ہیں ان میناروں پر پہلے

ناقوس آویزاں تھے۔ ایک تیسرے منارے کی بھی تعمیر ہوئی ہے جو شمالی حصے کے با
وسط میں ہے اس منارے کو اپنی خوبصورتی کی وجہ سے "العروس" دلہن بھی کہا جا
مسجد کی دیواروں پر اور خاص طور سے اندرونی دالان کی صحن سے متص
دیوار پر قیمتی پتھروں، جواہرات، سنہری پتّروں اور مختلف رنگوں سے پچی کاری کی
تھی اس پچی کاری اور مرقع کاری کے لئے سامان و کاریگر ہندوستان، یونا
اور ایران سے منگائے گئے تھے۔ دیواروں پر اسی پچی کاری کے ذریعے سبزہ زا
اشجار و اغراس، پانی اور موسم بہار کے مناظر بنائے گئے تھے۔ یہ مناظر آج بھی
کے نیچے اندرونی صحن کی دیوار پر بالکل صاف اور واضح نظر آتے ہیں۔ آج
باریک و پیچیدہ کام کو دیکھ کر کوئی بھی استحسان و استعجاب کے جذبات کو نہیں
چھپا سکتا۔ دسویں صدی کے ایک مشہور عالم جغرافیہ نے لکھا ہے کہ مسجد امو
کے در و دیوار پر ہر شہر اور مشہور شہر کے خوش رنگ مناظر کی نہایت خوبص
اور باریک پچی کاری کے ذریعے عکاسی کی گئی ہے۔ دمشق کے پرانے باشندے دالو
کو کہتے سنا گیا ہے کہ ولید بن عبد الملک نے اس رنگارنگ پچی کاری کے ذر
قرآن کریم میں دیئے گئے جنت اس کے باغوں، نہروں اور سبزہ زاروں کو
کرنے کی کوشش کی تھی۔ مسجد کی دیواریں شفاف رخام مرمر سے ڈھانکی گ
تھیں۔ آج بھی اس رخام کے بقایا آثار موجود ہیں۔ رخام کا استعمال انسا
قد سے دوہری اونچائی تک کیا گیا تھا جس کے بعد دیواروں کو پچی کاری سے م
کیا گیا ہے۔ دمشق کی مسجد بنی امیہ میں استعمال کی گئی پچی کاری اور موزائی
کا کام دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔ ایک دمشقی مورخ و ماہر آثار کے خیال کے
اس پچی کاری کے کام اور موزائیکس کے بنانے میں بنیادی رول شامیوں کا
رہا ہے۔ اس کے ثبوت میں وہ ان کارخانوں کے آثار کو پیش کرتے ہیں۔ جہاں مو

...ر کئے جاتے تھے۔

اس مسجد کے چھ دروازے ہیں۔ ۱۔ مشرقی دروازہ۔ باب البرید معبد کے ... استعمال ہوتا تھا۔ ۲۔ مغربی دروازہ۔ باب جیرون دمشق کا پرانا نام اب باب ... نوفرۃ کہلاتا ہے۔ ۳۔ قبلہ کی جانب دو دروازے ہیں جن میں ایک قدیم ... روازے کی تین کھڑکیاں ہیں اور آج کل بند ہے حضرت معاویہ رضؓ مسجد اموی کے ... ب اپنے محل سے نکل کر اسی دروازے سے مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ ۵۔ ایک ... دروازہ جو نسبتاً چھوٹا ہے اور آج بھی کھلا ہوا ہے۔ باب الزیادہ۔ یا ... ب العمارۃ کے نام سے مشہور ہے اور ۶۔ چھٹا دروازہ شمال میں باب الکلاسۃ ...۔ صحن کے آخر میں دونوں طرف تھوڑے اونچے ستونوں پہ قبّے بھی نظر آتے ہیں ... قبوں پر بے مثال پچہ کاری کی ہوئی ہے۔ پچہ کاری یا موزائیک کے ان بے نظیر ... نوں میں کہیں بھی کسی انسان یا جانور کی شبیہ نہیں ملتی تاکہ مسجد میں بنے ان ... شبیہات کو کوئی تقدس حاصل نہ ہو جاتے جو اسلام کے عقیدہ توحید کے عین مطابق ہے ... ماضی میں پے درپے کئی زلزلوں اور آگ لگ جانے کے حادثوں کے سبب پچہ ... ی کے ان نمونوں کا بیشتر حصہ اکھڑ کر گر گیا ہے۔ ان خالی جگہوں کو دوبارہ پر کرنے ... کی کئی مرتبہ کوشش کی گئی ہے۔ بعض جگہوں پر چونے کا پلاسٹر کر دیا گیا ہے۔

... ہی میں بعض دیواروں پر چونے کی سفیدی دھلنے کے بعد بھی خوبصورت پچہ ... ی کی تختیاں ظاہر ہوئی ہیں۔ خیال یہ ہے کہ مرمت وغیرہ کے کسی مرحلے پر ان ... اروں کی خوبصورتی کو محفوظ کرنے کے لئے چونا پھیر دیا گیا تھا جو بعد میں دھو ... ں گیا تھا۔

مسجد کے بیچوں بیچ بلوری قندیلیں آویزاں تھیں جو سونے کی زنجیروں ... کے ذریعہ چھت سے لٹکائی گئی تھیں ان قندیلوں میں مشک رکھی جاتی تھی جس سے

مسجد کی فضا میں ہر وقت خوشبو تیرتی رہتی تھی۔ ایک نہایت نادر اور قیمتی قالی
کا ذکر بعض تاریخی کتابوں میں ملتا ہے جسے "القابلة" کہا جاتا تھا مسجد کے
حصہ میں ہمیشہ کی طرح آج بھی نہایت قیمتی اور دلکش قالین بچھے ہیں مسجد
گائڈ آج بھی بہت سے قالینوں کے بارے میں یہ بتانا نہیں بھولتے کہ وہ
سو برس پرانی ہیں اور ان سے بعض تاریخی تذکرے وابستہ ہیں۔ مسجد امو
کے اندر بائیں جانب ایک بڑے سے پرشکوہ قبہ کے نیچے سنگ مرمر کے ستونو
گھری ہوئی قبر ہے۔ یہ قبر حضرت یحیی علیہ السلام کی ہے۔ ان کے والد حضرت
علیہ السلام کی قبر شام کے دوسرے سب سے بڑے شہر حلب کی جامع مسجد میں
دمشق کی مسجد اموی میں حضرت یحیی کی قبر کے پاس ہی کہتے ہیں کہ ان کی دا
ماجدہ بھی دفن ہیں۔ حضرت یحیی علیہ السلام جب اردن و شام کے مختل
علاقوں میں جا جاکر لوگوں کو نیکوکاری کی دعوت دے رہے تھے خطاکار
خلاف تنبیہ کر رہے تھے۔ اور حضرت عیسی علیہ السلام کی آمد کی بشارت سنار
شہنشاہ ہیرود دوس نے سالومی نام کی ایک عورت کے ایماء پر آپ کو شہید کر
تھا۔ ایک روایت کے مطابق سالومی نے آپ کا سر مبارک حاصل کیا اور دمش
دفن کر دیا تھا۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک کو مسجد کی تعمیر کے درمیان کرجا گھر کی ایک جا
ایک صندوق زیر زمین ملا تھا جس میں یہ سر مبارک موجود تھا اس صندو
ہی لکھا تھا کہ یہ حضرت یحیی بن زکریا علیہما السلام کا سر مبارک ہے یہ صندو
جگہ رہنے دیا گیا اور ایک قبر بنادی گئی۔

اس مسجد سے متعلق ایک واقعہ حضرت امام حسین بن علیؓ کے بار
بھی بتایا جاتا ہے جو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ کربلا میں شہادت

عمر بن سعد نے سیدنا امام حسینؑ کا سر مبارک تن سے جدا کیا اور دمشق یزید کے پاس بھیج دیا تھا۔ یزید نے یہ سر مبارک آپ کی ہمشیرہ سیدۃ زینبؓ کو لوٹانے کا حکم دیا اور بعد میں سر مبارک مسجد اموی کے ایک کونے میں دفن کر دیا گیا۔ اس جگہ کو "مقام رأس سیدنا حسینؑ" کہا جاتا ہے ہزاروں عاشقین اہل بیت اس جگہ کی زیارت کرنے آتے ہیں۔ حضرت زینبؓ بھی دمشق سے چھ سات میل کے فاصلے پر دفن ہیں جہاں ہندوستانی زائرین بھی بکثرت نظر آتے ہیں۔

بہت کم پایۂ تخت شہر ایسے ہوں گے جو تاریخ میں اس قدر انقلابات سے دو چار ہوئے ہوں گے سیاسی ریشہ دوانیوں کے علاوہ بہت سے زلزلوں اور آگ لگ جانے کے حادثوں کا بھی یہ شہر شکار رہا ہے جس کے سبب اس کی عظمتِ رفتہ کے بہت سے نشانات مٹ گئے ہیں۔ جامع اموی نے بھی ابتدائے اسلام سے ہی دمشق کے بہت سے ناگفتہ بہ حالات دیکھے ہیں۔ یہ تاریخی مسجد محض ۱۰۶۸ عیسوی تک ہی صحیح معنی میں اپنی اموی شان و شوکت اور بے مثال فن عمارت کی آب و تاب برقرار رکھ سکی اسی سال دمشق میں عباسیوں اور فاطمیوں کے درمیان فتنہ برپا ہوا۔ شہر کے مختلف علاقوں میں قتل و غارت گری کا دور دورہ رہا۔ مخالف علاقوں میں آگ کے گولے پھینکے گئے۔ اسی زمانے میں مسجد اموی کے قریب واقع حضرت معاویہؓ کا بنوایا ہوا محل "القبۃ الخضراء" جو بعد میں سب ہی اموی خلفاء کی سرکاری رہائش گاہ بنا رہا" پر شدید سنگ باری کی گئی جس کے سبب محل میں آگ لگ گئی تھی اور یہ آگ مسجد اموی تک پہنچ گئی تھی یہ آگ اس قدر بھیانک تھی کہ مسجد اموی کا بیشتر حصہ خاکستر ہو گیا تھا اور سوائے دیواروں کے کچھ باقی نہ رہا تھا۔ ۱۰۸۲ عیسوی میں مسجد کی مرمت کی گئی مرمت پہ بے پناہ خرچ کیا گیا۔ مگر ماضی کی شان شوکت واپس نہ آ سکی اس کے بعد آگ لگنے کے

کئی واقعات چھوٹے پیمانے پر ہوئے۔ مسجد کے چاروں طرف پھیلے ہوئے بازاروں
اور رہائشی محلوں میں بھی آگ لگنے کے کئی واقعات ہوئے اور ان سے بھی مسجد
کو جزوی طور پر نقصان پہنچتا رہا۔ ۱۳۳۹ عیسوی میں ایک مرتبہ اور وسیع پیمانے
پر زبردست آگ لگ جانے کا واقعہ پیش آیا۔ اس مرتبہ دمشق کے کئی رہائشی
محلے، خوبصورت علاقے تجارتی بازار اور کئی مسجدیں اس آگ کی زد میں آگئیں
مسجد اموی بھی اس حادثے سے محفوظ نہ رہ سکی۔ مشرقی منارہ اور مسجد کے دو
کئی مشرقی حصوں کو اس آگ سے نقصان پہنچا۔ کئی زلزلوں کے سبب بھی اس
مسجد کی عمارت کو نقصان پہنچا ہے۔ ۱۱۵۸ اور ۱۲۰۰ عیسوی کے زلزلوں سے
تو مسجد کے بہت سے حصے منہدم ہو گئے تھے۔ پہلے ایک منارہ ٹوٹا اور دوسرے
زلزلے میں دوسرا۔ ان کی بعد میں مرمت کر دی گئی تھی۔

بروز شنبہ ۴ ربیع الثانی ۱۳۱۱ ھجری (۱۸۹۳ عیسوی)، کو جب کہ مسجد کی
چھت کے بعض حصوں کی مرمت کا کام جاری تھا۔ ایک مزدور کے حقّے کی آگ
سے نکلی ہوئی ایک چنگاری کے سبب، ایک اور بھیانک آگ لگنے کا حادثہ پیش
یہ نہایت دردناک حادثہ تھا۔ جس میں مسجد کا بیشتر حصّہ پھر جل کر راکھ ہو گیا
شہر کے مخیر اور صاحب حیثیت افراد کے عطیوں کے سبب مسجد کی مرمت کا کام
۱۸۹۶ عیسوی میں شروع کر دیا گیا۔ جو آج بھی کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے
مسجد اموی کے باہر ایک سمت میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا
مزار بھی ہے۔

سیاسیات کشمیر

(زیر تکمیل کتاب اقبال اور کشمیر کا ایک غیر مطبوعہ باب)

(جگن ناتھ آزاد)

کشمیر اور اہل کشمیر کی محبت اقبال کے رگ و پے میں اس طرح سرایت کر گئی تھی کہ ان کی نجی محفلیں بھی حب کشمیر کے ذکر سے خالی نہیں رہتی تھیں۔ ایسی ہی ایک محفل کا ذکر سعادت علی خاں نے "ملفوظات اقبال" میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :- "میرے کمرے میں داخل ہونے پر اس غیر فانی تبسم سے، جس پر ہزار الفاظ قربان ہوں۔ مجھے اپنے پاس کی ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سلسلہ گفتگو کشمیر سے متعلق تھا۔ کشمیر میں آزادی کی روح صدیوں کے تند دو جبر کے بعد اب سر ابھار رہی تھی۔ ریاست اسے ہر طریق سے دبانا چاہتی تھی۔ لیکن علامہ مرحوم فرما رہے تھے کہ یہ ناممکن ہے۔ یہ روح کی چنگاری ہے شعلہ بن کر رہے گی۔ محفل میں سے ایک صاحب نے کشمیریوں کی غریبی اور جہالت کا ذکر کیا۔

"مرحوم مسکرا دئے۔ غریبی اور جہالت قوت ایمان و حریت کی راہ میں نہ کبھی سد راہ ہو سکے ہیں اور نہ ہوں گے۔ ہم تو امی پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہیں۔ مسلمان کے لئے غریبی اور جہالت کی آڑ لینا اس کی روحانی کمزوری کی دلیل ہے۔

"ان الفاظ نے سامعین پر ایک رقت سی طاری کر دی۔ علامہ مرحوم غالباً اس کا احساس کرتے ہوئے بات کا رخ پلٹ دیا۔ فرمانے لگے۔ میں

ہیں تو نبی ہوتا ہوتا رہ گیا۔ حالات نے جاوید نامہ" کی طباعت اور اشاعت
میں تاخیر کردی ورنہ کشمیر کے اس ہیجان کو تو میں مدت سے دیکھ رہا تھا۔

اب میری طرف رجوع کیا۔ میں نے "اخلاقی تعلیم" کی کاپی پیش کردی۔
میں علم النفس کا طالب علم ہوں اعلیٰ تریں شخصیت جس طرح پر اپنی توجہ کسی نقطۂ خاص
پر مبذول کر سکتی ہے اس کی صلاحیت عام آدمیوں میں بالعموم نہیں ہوتی۔
جونہی علامہ مرحوم نے اخلاقی تعلیم" کے ورق الٹنے شروع کئے۔ میں خوش ہوا کہ اس
بات کے عملی تجربے کا موقع ہاتھ آگیا۔ کوئی دس پندرہ منٹ تک پمفلٹ کے پینتیس
چالیس صفحوں پر سرسری نظر ڈالتے رہے۔ لیکن اس عرصہ میں وہ گویا ہم میں
وہاں موجود ہی نہ تھے۔ کئی ایک حضرات نے کشمیر کے متعلق چند ایک سوال
بھی کئے لیکن علامہ مرحوم نے ایک حرف تک بھی نہ سُنا۔

اب مجھے معلوم ہوا کہ ایک طرف کشمیر کے ایک مذہبی تعلیم یافتہ نوجوان
بھی بیٹھے ہیں اور علامہ مرحوم کی خدمت میں مالی امداد حاصل کرنے کی غرض
سے حاضر ہوئے ہیں۔

"انھیں مخاطب کرکے فرمایا:۔ تمہارا اس وقت پنجاب میں ہونا اگر د...
ناک نہیں تو تعجب انگیز ضرور ہے۔ تم بیکاری کا رونا رو رہے ہو اور تمہار...
ہم وطن اپنی آزادی اور حقوق کے لئے طرح طرح کی قربانیاں کر رہے ہیں۔ غ...
اور بھوک کی شکایت کرتے ہو۔ اپنے وطن کو واپس چلے جاؤ۔ آزادی کی...
میں کود پڑو۔ اگر قید ہو جاؤ گے تو کھانے کو تو ضرور مل ہی جائے گا۔ اور...
گداگری سے بچ جاؤ گے۔ اگر مارے گئے تو مفت میں شہادت پاؤ گے۔ اور کیا
چاہتے ہو؟ اگر قرآن نے تمہیں یہ بھی نہیں سکھایا تو تم اور سیکھے کیا ہو؟
کشمیر جانا ہو تو کرایہ کے پیسے میں دے دیتا ہوں۔

درا صل اقبال اور سیاست کشمیر کے موضوع پر مفصل بحث آئندہ صفحات
میں ہو گی جس میں شاید میں اپنا یہ نکتہ بھی قدرے وضاحت سے بیان کر سکوں کہ
کشمیر کے ساتھ اقبال کا تعلق بنیادی طور پر ایک روحانی تعلق تھا۔ یہاں میں صرف
چند مختصرات پر اکتفا کرنا چاہتا ہوں جن کی سیاسیات کشمیر کی تفصیلی بحث میں
شاید ضرورت پیش نہ آئے۔ اور چونکہ تفصیلی بحث میں ان مختصرات کے نظرانداز
ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لئے انھیں اِسی تمہیدی باب میں محفوظ کر لینا ہی مناسب
معلوم ہوتا ہے۔

اقبال ۱۰ر جولائی ۱۹۳۱ء کو غلام رسول مہر کے نام مسلم آؤٹ لک اور
اسلامیہ کالج انکوائری کمیٹی کے بارے میں ایک خط لکھتے ہیں جس کے آخر میں
یہ فقرہ ہے، "شاید ۱۲ر کو بھوپال جا سکیں گے"۔ سیاسیات کشمیر کے تعلق
سے یہ ایک معنی خیز جملہ ہے۔ بشیر احمد ڈار کے الفاظ میں "۱۹۳۱ء میں آزادی کشمیر
کی تحریک پہلی دفعہ منظم ہو کر عوامی تحریک بنی تھی۔ مہاراجہ ہری سنگھ والی
کشمیر نے نواب بھوپال کی وساطت سے کوشش کی کہ کوئی سمجھوتہ ہو جائے
اس غرض کے لئے نواب بھوپال نے اقبال کو بھوپال بلایا اور ایک مرتبہ دہلی
... لیکن بد قسمتی سے یہ گفتگوے مصالحت کامیاب نہ ہو سکی"۔ اس کے بعد
۱۹ر جولائی کو شملے سے انھیں لکھتے ہیں: "مجھ کو بھی شعیب صاحب کا تار آیا تھا
جس کا جواب میں نے ان کو دے دیا تھا۔ انشاء اللہ ۲۷ر تک لاہور پہنچ جاؤں گا
وہاں سے ان کو تار دے دوں گا۔ ۲۶ کو یہاں کشمیر کے معاملات کے متعلق
... مدت ہو گی۔ لاہور سے انشاء اللہ بھوپال چلیں گے۔

اسی موضوع پر اقبال نے مہر صاحب کے نام ۱۶ر اگست ۱۹۳۱ء کو ایک اور
خط ... جس میں آپ لکھتے ہیں: "آپ کے اخبار میں یہ شائع ہوا ہے کہ جموں کے

حوادث کے متعلق جو برسوں رونما ہوئے۔ تمام فوٹو لئے گئے ہیں اس کے علاو
سری نگر میں جو آتش باری ہوئی۔ اس کے فوٹو بھی میں نے سنا ہے موجود ہیں
کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اپنے کسی دوست یا نامہ نگار کی معرفت تمام مذکورہ بالا فو
حاصل کریں گے۔ یہ کام بڑا ضروری اور مفید ہے۔ اس کے لئے فوراً کوشش شرو
کیجئے اور میرے انگلستان روانہ ہونے سے پہلے سب کو حاصل کر لیجئے۔

آتش بازی کے فوٹوؤں کی تشریح کرتے ہوئے بشیر احمد ڈار انوار اقبا
میں لکھتے ہیں :۔

"دسمبر ۱۹۳۰ء میں کل ہند کشمیر مسلم کانفرنس کا ایک اجلاس لاہور میں منعقد
جس میں حکومت کشمیر کے نظم و نسق اور مسلمانوں کی حق تلفی کے خلاف ادا
گئی۔ تھوڑی مدت کے بعد کشمیر میں دو واقعات رونما ہوئے جنھوں نے کشت
میں آگ لگا دی۔

"پہلا واقعہ تو یہ تھا کہ ایک ہندو سب انسپکٹر نے ایک مسجد کے امام صاحب کو خط
پڑھنے سے روک دیا جس پر مسلمانوں نے احتجاج کیا۔ دوسرا واقعہ یہ تھا کہ جموں
جیل میں ایک ہندو سپاہی نے قرآن مجید کی بے حرمتی کی۔ اس پر ایک شخص عبد ال
نے اشتعال انگیز تقریر کی۔ پولیس نے عبدالعزیز کو قید کر کے عدالت میں پیش کیا۔
کی سماعت کے موقع پر مسلمانوں کا ایک کثیر ہجوم عدالت کے باہر جمع ہو گیا۔ پولیس
انھیں منتشر کرنے کے لئے فائرنگ کی جس سے بے شمار آدمی ہلاک ہو گئے۔ یہ واق
۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کا ہے۔ اقبال کے خطوط میں انہی واقعات کی تصویروں کا ذکر
لیکن ان واقعات کا تفصیلی ذکر بعد میں آئے گا۔

اس ضمن میں آپ نے ۸ جون ۱۹۳۳ء کو ایک خط پروفیسر علم الدین سالک
نام لکھا جس میں آپ لکھتے ہیں "وہ مسودہ ابھی تک نہیں آیا۔ میں اس کا منتظر ہوں

ڈیپوٹیشن جانے سے پہلے اس کی اشاعت ہو جائے۔

مرزا یعقوب بیگ۔ لاہور کے ایک مشہور ڈاکٹر تھے اور جماعت احمدیہ کے اہم کارکن تھے۔ ان کے نام اقبال ۱۲ ستمبر ۱۹۳۳ء کو لکھتے ہیں: "آپ کا دستی خط ملا ہے اس وقت تک مجھے کوئی اطلاع نہ تھی۔ ہاں اخباروں میں ضرور دیکھا تھا کہ کا کوئی جلسہ اورینگ ہوٹل میں ہوا ہے۔ آپ کے خط کے ساتھ مہر صاحب کا ایک خط جس میں وہ لکھتے ہیں کہ ۱۶ ستمبر سے پہلے جواب دیا جائے۔ افسوس ہے کہ میں ان خط کا جواب آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اجلاس میں ان کا خط پیش کرنے کے بغیر عرض نہیں کرتا۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا اجلاس ۱۶ ستمبر تک ممکن نہیں کیونکہ بہت سے ممبران ور سے باہر گئے ہیں۔ دونوں سیکرٹری بھی باہر گئے ہیں۔ رحیم بخش صاحب بھی یہاں نہیں۔ میں اپنی ذمہ داری پر کوئی جواب لکھنا نہیں چاہتا۔ ہاں ذاتی رائے رکھتا جس کے بیان کرنے کا موقع ابھی نہیں آیا۔ والسلام ..... مہربانی کرکے یہ مہر صاحب تک پہنچا دیں کہ ان کے خط کا جواب بھی یہی ہے جو ادھر مذکور ہوا۔[۱]

نواب بہادر یار جنگ مرحوم کو لکھتے ہیں۔

لاہور

۱۴ ستمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب نواب صاحب۔ السلام علیکم

مظلومین کشمیر کی امداد کے لئے آپ سے درخواست کرنے کے لئے یہ عریضہ لکھتا

۱۹۳۱ء کے آخری مہینوں میں کشمیر میں فسادات کا ایک بے پناہ سلسلہ شروع ہوا۔ مجلس احرار نے جتھے شروع کئے۔ دوسری طرف ایک علیحدہ کشمیر کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس کا مقصد آئینی ذرائع سے مسلمانان کشمیر کی مدافعت تھی۔ اس سلسلے میں اس کمیٹی نے مسلمان سیاسی قیدیوں کی قانونی مدد کے لئے وکلا کشمیر بھیجنا شروع کیا اس کمیٹی کے صدر مرزا بشیر الدین محمود تھے۔

کشمیر کمیٹی کے اکثر اجلاس اورینگ ہوٹل میں ہوتے تھے جو مال روڈ پر واقع تھا۔ یہاں آج کل ڈی۔ اے۔ کا دفتر ہے۔ (بقیہ صفحہ ۳۶۴ پر ملاحظہ فرمائیں)

ہوں۔ اس وقت حکومت کی طرف سے ان پر مقدمات چل رہے ہیں۔ جن کے اخراجات کی وجہ سے فنڈ کی نہایت ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی تھوڑی سی توجہ سے یہ مشکل حل ہو جائے گی۔ اس سے پہلے ایک خط مجھے ایک بزرگ محمد اعظم نامی نصیر والا ن آباد کی طرف سے آیا تھا۔ انھوں نے خود بھی چندہ کر کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا اور مجھے یہ بھی لکھا تھا کہ آپ کی توجہ اس طرف کراؤں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ مسلمانان کشمیر کو امداد کا مستحق تصور کرتے ہیں۔ یہ طباع اور ذہین قوم ایک مدت سے استبداد ظلم کا شکار رہے اس وقت مسلمانان ہند کا فرض ہے کہ ان کی موجودہ مشکلات میں ان کی مدد کی جائے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ یہ خط خلیفہ عبدالحکیم صاحب پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی کی معرفت آپ تک پہنچتا ہوں مجھے آپ کا ایڈریس معلوم نہ تھا اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ میرا خط کسی اور طرف نہ چلا جائے۔ والسلام مخلص

محمد اقبال

تحریک آزادی کشمیر جب اپنے جوبن پر آئی تو اس کی باگ ڈور میر واعظ مولا ہمدانی اور شیخ محمد عبداللہ کے ہاتھ میں تھی۔ غالباً ان دو رہنماؤں کے زیر اہتمام کشمیر مسلم کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ ہوا۔ شیخ نے اقبال کو اس کانفرنس میں شرکت کی د دی۔ اقبال بوجوہ اس کانفرنس میں شریک نہ ہو سکے۔ لیکن انھوں نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۳ کو شیخ صاحب کے نام مندرجہ ذیل خط لکھ کر انھیں گراں قدر مشورے دیے۔

(بقیہ صفحہ ۳۶۳) رحیم بخش مرحوم ریٹائرڈ سیشن جج تھے جو کشمیر کے معاملات میں بہت دلچسپی رکھتے تھے

لاہور

۱۱ر اکتوبر ۱۹۳۳ء

ڈیر شیخ عبداللہ صاحب، السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ مسلم کانفرنس کشمیر کے اخبار پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ بزرگان کشمیر بہت جلد اپنے معاملات سلجھا سکیں گے۔ اس بات کے لئے میں ہر لحظہ دست بدعا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کی مساعی کو بارآور کرے گا۔

لیکن جو مختلف جماعتیں سنا ہے کہ بن گئی ہیں اور ان کا باہمی اختلاف آپ کے مقاصد کی تکمیل میں بہت بڑی رکاوٹ ہوگا۔ ہم آہنگی ہی ایک ایسی چیز ہے جو تمام سیاسی و تمدنی مشکلات کا علاج ہے۔ ہندی مسلمانوں کے کام اب تک محض اس وجہ سے بگڑتے رہے کہ یہ قوم ہم آہنگ نہ ہو سکی اور اس کے افراد اور بالخصوص علماء اوروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے رہے۔ بلکہ اس وقت ہیں۔ بہرحال دعا ہے کہ آپ کے ملک کو یہ تجربہ نہ ہو۔

افسوس ہے کہ میں اور مشاغل کی وجہ سے کانفرنس میں شریک نہ ہو سکونگا امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

محمد اقبال لاہور

تحریک آزادی کشمیر تاریخ کشمیر کا ایک اہم باب ہے جس کی تفصیل اس کتاب کے موضوع کے پیش نظر خارج از بحث ہے۔ مجھے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ کشمیر کے حریت پسندوں کی راہ میں قید و بند کی صعوبتیں بھی آئیں اور تیغ و تفنگ کی اذیتیں بھی۔ بیٹے کے ایک ... سید نعیم الحق نے اس سلسلے میں کشمیر کی جان و دل سے خدمت کی۔ اقبال کی سید ... نعیم الحق کے ساتھ زعمائے کشمیر کے قید و بند کے مقدمات سے متعلق باقاعدہ خط و کتابت

رہی۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء کے خط میں اقبال نے انھیں لکھا:۔ نوازش نامہ موصول ہوا
جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ اگر میں کانفرنس میں شمولیت کے لئے پٹنہ آسکا تو یقیناً
آپ سے ملاقات میرے لئے باعث مسرت ہوگی لیکن پٹنہ میرا آنا غیر یقینی ہے کیونکہ
مجھے ممکن ہے اواخر مارچ ۱۹۳۴ء میں آکسفورڈ میں لیکچروں کے ایک سلسلہ کے لئے
انگلستان جانا پڑے۔ اور یہ ضروری ہے کہ یہ لیکچر میری روانگی سے بیشتر مرتب کرلئے
جائیں۔ اگر میرا ارادہ پٹنہ آنے کا ہوا تو آپ کو مطلع کروں گا۔ کشمیر کے مسلمانوں کی امداد
و اعانت آپ کا بڑا ہی کرم ہے۔ مقدمات کی تاریخیں فروری ۱۹۳۴ء میں حسب ذیل ہیں۔
"۵ سے ۱۰ فروری تک مقدمہ سکھ چین پور۔ ۱۴ سے ۱۷ فروری تک مقدمہ علی بیگ
دونوں مقدمات کی سماعت جموں میں ہوگی۔ کیا آپ دونوں مقدمات کی پیروی کے
لئے تیار ہیں۔ ملک برکت علی فروری میں اپنے انتخابات میں مصروف ہوں گے۔ ہم سب
آپ کی بکر را اعانت کے لئے نہایت احسان مند ہوں گے۔ اگر آپ تکلیف گوارہ فرمائیں
تو مجھے فوراً بذریعہ تار اپنی آمادگی سے مطلع فرمائیں۔ تاکہ ضروری کاغذات بھیج سکوں
کوشش کروں گا کہ آپ کے لئے ایک مددگار مہیا کیا جائے۔ عبدالحمید صاحب نے
مجھے اطلاع دی ہے کہ آپ نے ذکر کیا تھا کہ پٹنہ کے عبدالعزیز صاحب مسلمانوں کی
امداد کو ہر وقت تیار ہوں گے۔ آپ میری طرف سے ان کی خدمت میں کشمیر کے بے بس
مسلمانوں کی امداد کی درخواست کیجئے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے
خیر دے گا۔ آپ کے تار کا انتظار رہے گا۔" اسی طرح ۱۲ جنوری ۱۹۳۴ء کے انگریزی
خط میں اقبال نے سید نعیم الحق کو لکھا:۔ "نوازش نامہ اور تار کے لئے جو کل رات
موصول ہوا اور جس کا جواب آج صبح بھیجا گیا نہایت ممنون ہوں۔ آپ کی اس عنایت
کیونکر شکریہ ادا کیا جائے کہ آپ دونوں مقدمات کی پیروی کے لئے آمادہ ہیں۔ میں اس
مقدمہ کا فیصلہ اور دوسرے کاغذات آپ کو بھیج رہا ہوں جس کی تاریخ پیشی جموں میں

۱۳ر فروری کو مقرر ہوئی ہے۔

"یہ بہتر ہوگا کہ آپ ۱۲ر فروری کو جموں پہنچ جائیں۔

"دوسرے مقدمہ کے متعلق کاغذات ابھی مجھے موصول نہیں ہوئے۔ اگر کوئی دوسرا انتظام ممکن نہ ہوا تو میں کاغذات موصول ہوتے ہی۔ آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا دوسرا مقدمہ ۵ر فروری کو شروع ہوتا ہے۔ جس مقدمہ کے کاغذات میں بھیج رہا ہوں وہ پانچ چھ دن سے زیادہ نہ لے گا۔ امید ہے۔ آپ کے پاس فرصت میں اس مقدمہ تیاری کے لئے کافی وقت ہوگا۔

تحریر مابعد :-

کاغذات کے موصول ہونیکی اطلاع ضرور دیجئے۔ اور جموں میں پہنچنے کی اطلاع شیخ عبدالحمید صاحب ایڈوکیٹ (صدر کشمیر کانفرنس) کو دیجئے۔ اور دوسرے معاملات میں بھی انہی سے براہ راست خط وکتابت مفید ہوگی۔ م۔ا

جیسا کہ ان خطوط سے ظاہر ہے نعیم الحق صاحب نے مذکورہ مقدمات کی پیروی بڑی دلچسپی سے کی لیکن انہی دنوں میں پٹنے میں زلزلے کی قیامت نمودار ہوئی اور سید نعیم الحق کا جموں یا کشمیر۔ آنا کسی حد تک دشوار ہو گیا۔ چنانچہ اقبال کو اس بات سے بہت تشویش ہوئی اور وہ اس کوشش میں رہے کہ لاہور ہی کے کسی وکیل کو حریت لیڈران کشمیر کے مقدمے کی پیروی کے لئے آمادہ کریں۔ اس سلسلے میں آپ نے یکے بعد دیگرے مندرجہ ذیل تین خطوط سید نعیم الحق کو لکھے :-

لاہور

۲۲ر جنوری ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر مسٹر نعیم الحق

نوازش نامہ کے لئے جو ابھی ابھی موصول ہوا سراپا سپاس ہوں۔ مجھے پٹنہ

ہیں دوستوں کے متعلق حد درجہ تشویش تھی۔ اور میں تار دینے ہی والا تھا کہ آپ کا نوازش نامہ موصول ہو گیا۔ زلزلہ کی ہولناکی سے طبیعت پر غم و یاس کی فردانی اور پریشان خاطری کے باوجود مقدمہ کی پیروی کی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے آپ کی ہمت و مستعدی لائق صد ہزار داد و ستائش ہے۔ مجھے میرپور کے دوسرے مقدمہ کی نقل فیصلہ تو موصول ہو گئی ہے۔ لیکن ابھی دوسرے کاغذات کا انتظار ہے۔

میں سمجھتا ہوں اس مقدمہ کی پیروی کا بار بھی آپ پر ہی ڈال دینا آپ کو حد درجہ زحمت میں مبتلا کرنا ہو گا۔ جہاں تک آپ کے مددگار کا تعلق ہے میں لاہور ہی میں کسی کو آمادہ کروں گا تاکہ وہ لاہور سے ہی آپ کے ساتھ ہو جائے یا پھر جموں میں آپ سے آن ملے۔

جموں کانفرنس آپ کی میزبان ہو گی۔ آپ شیخ عبدالحمید صاحب کو تحریر کر دیں۔ میں نے شیخ عبداللہ صاحب صدر کانفرنس سے بھی تذکرہ کر دیا ہے وہ اس وقت لاہور میں ہیں۔ لیکن جموں میں آپ کی تشریف آوری تک پہنچ جائیں گے۔ تکلیف کے لئے دوبارہ شکریہ عرض کرتا ہوں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمد اقبال

(۲)

لاہور

۲۸ جنوری ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر نعیم الحق

نوازش نامہ موصول ہوا جس کے لئے ممنون ہوں۔ میں عبدالحمید صاحب

کو لکھ رہا ہوں۔ کہ مقدمہ میں درخواست التوار دے دیں۔ لیکن چونکہ اب آپ مقدمہ میں وکیل ہیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپ براہ راست کشمیر ہائی کورٹ میں درخواست التوار دے دیں۔ اور وجوہ وہی تحریر کریں۔ جو آپ نے اپنے نوازش نامہ میں تحریر فرمائی ہیں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص۔ محمد اقبال

تحریر مابعد

جس وقت آپ کشمیر پہونچیں گے امید ہے کشمیر میں زبردست ایجی ٹیشن دوبارہ شروع ہو چکی ہو گی۔

محمد اقبال

(۴)

لاہور

۹ر فروری ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر مسٹر نعیم الحق

نوازش نامہ موصول ہوا جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ جس مقدمہ کی پیروی کے لئے میں نے آپ سے درخواست کی تھی اس کی پیروی چودھری ظفر اللہ خاں کریں گے۔ عبدالحمید صاحب نے مجھے یہ اطلاع دی ہے اور اور میں نے ضروری سمجھا کہ آپ کو ہر قسم کی زحمت سے بچانے کے لئے مجھے فی الفور آپ کو مطلع کرنا چاہیے۔

چودھری ظفر اللہ خاں کیونکہ اور کسی کی دعوت پر وہاں جا رہے ہیں یا مجھے معلوم نہیں۔ شاید کشمیر کانفرنس کے بعض لوگ، ابھی تک قادیانیوں سے خفیہ تعلقات رکھتے ہیں۔ میں اس تمام زحمت کے لئے جو آپ برداشت کر رہے ہیں، اور اس تمام ایثار کے لئے جو آپ گوارا فرما رہے ہیں بے حد

ممنون ہوں۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

ان خطوط سے رہنمایان کشمیر کے مقدمے کے ساتھ اقبال کی دلچسپی اور ان کا دلی اضطراب اظہر من الشمس ہے۔ اقبال نے کشمیر میں ایک جمہوری نظام لانے کے لئے خود قیدوبند کی دعوت دی ہو یا نہ دی ہو۔ لیکن جہاں تک اس تحریک کی کامیابی کے لئے جہاد بالقلم کا تعلق ہے تحریک آزادی کشمیر کے تعلق سے اقبال کی خدمات کشمیر کے آسمان سیاست پہ چاند تاروں کی طرح چمکتی رہیں گی۔

اقبال نامہ" میں اقبال کے تین خطوط کا ذکر کرتے ہوئے شیخ عطاء اللہ لکھتے ہیں :۔
"نامعلوم مکتوب الیہ کے نام" یہ خطوط سید نعیم الحق صاحب کا عطیہ ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ شیخ عبداللہ کے نام لکھے گئے ہیں۔ اس کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ میری رائے ہے کہ یہ کسی اور بزرگ کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ کم از کم القاب وخطاب کے پیش نظر میری ہی رائے اشاعت کے بعد تصدیق ہو سکے گی۔ (مرتب)

میں اقبال نمائش کے قیام سے ذرا قبل یہ تینوں خطوط لے کر شیخ محمد عبداللہ ... اسد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے ان تینوں خطوط کو پوری توجہ سے پڑھا ... چالیس سال قبل کے واقعات کو اپنے حافظ کی گہرائیوں میں ٹٹولنے کے بعد فرمایا کہ "یہ خطوط میرے نام نہیں ہیں۔ میں اس زمانے میں جیل میں تھا اور خطوط کے متن سے ظاہر ہے کہ یہ تینوں خطوط ہم لوگوں کے مقدمہ ہی سے متعلق ہیں"۔ یہ تینوں خطوط جو اقبال کی تحریک آزادی کشمیر کے ساتھ تعلق خاطر کا آئینہ ہیں۔ تاریخ ... سمیت نیچے درج کئے جا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کشمیر میں کوئی صاحب ان کو پڑھ کر اس نتیجے پر پہنچ سکیں کہ ان کا مکتوب الیہ کون ہے۔ [۱]

---

[۱] ذیلی سیاق وسباق کے پیش نظر میری رائے یہ ہے کہ یہ خطوط کشمیر کے کسی صاحب کے ... (صفحہ ... پر ملاحظہ ...)

(۱)

لاہور

یکم ستمبر ۱۹۳۳ء

جناب من السلام علیکم

آپ کا تار کل مل گیا تھا جس کے لئے بہت شکریہ ہے۔ مہربانی کر کے میری طرف سے اور جملہ ممبرانِ کشمیر کمیٹی کی طرف سے مسٹر نعیم الحق صاحب کی خدمت میں بہت بہت شکریہ ادا کریں۔ مجھے یقین ہے کہ مسلمانان پنجاب و کشمیر ان کی خدمت کی بہت قدر کریں گے۔ کل مجھے کشمیر سے تار آیا تھا کہ ضروری کاغذات مسٹر نعیم الحق صاحب کی خدمت میں ارسال کر دیے گئے ہیں۔ تاریخ مقدمہ ۲۴ ستمبر ہے اور مقدمہ سری نگر میں ہو گا۔ شیخ عبدالحمید صدر کشمیر کانفرنس ان کو مفصل ہدایات لکھ دیں گے کہ ان کو کون سے راستے سری نگر پہنچنا چاہیئے یعنی جموں کے راستے یا راولپنڈی کے راستے دونوں راستے اچھے ہیں۔ جموں یا راولپنڈی سے موٹر پر جاتے ہیں اور راہ نہایت پر فضا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مسلمانان کشمیر ان کا مناسب استقبال کریں گے۔ میرا یہ عریضہ مسٹر نعیم الحق کو دکھا دیجئے۔

میں براہِ راست ان کی خدمت میں لکھتا مگر معلوم نہ تھا کہ وہ اس وقت پٹنہ میں ہیں یا اپنے کام کے سلسلہ میں کہیں باہر تشریف لے گئے ہیں۔ میں نے کل رات شیخ عبدالحمید صاحب کو مسٹر موصوف کے متعلق ایک مفصل خط

...م نہیں بلکہ پٹنے کے کسی صاحب کے نام ہیں۔ جو سید نعیم الحق سے قربت رکھتے ہیں۔
...ہو سکتا ہے سید نعیم الحق نے اپنی اہمیت بڑھانے کے لئے شیخ عطا اللہ سے یہ
...ہہ دیا ہو کہ یہ خطوط شیخ محمد عبداللہ کے نام ہیں)

لکھ رہا ہے۔ والسلام محمد اقبال

(۲)

جناب مولوی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں آپ کا بہت شکر گذار ہوں کہ آپ نے نعیم الحق صاحب کو آمادہ کرلیا۔ کل شیخ عبدالحمید صاحب کا تار آیا کہ نعیم صاحب کو کاغذات بھیج دئے گئے ہیں۔ باقی جو آپ نے کسی اور صاحب کے متعلق لکھا ہے۔ اس کے لئے بھی آپ کا بہت ممنون ہوں ان کو بھی آمادہ رکھئے۔ جب ان کو مدد کی ضرورت ہوگی تو میں آپ کو بذریعہ تار یا خط مطلع کروں گا۔ اس سے پہلے بھی ایک خط آپ کی خدمت میں لکھ چکا ہوں۔ نعیم الحق صاحب کی خدمت میں مزید شکریہ۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ ۴ ستمبر کو شملہ جا رہا ہوں مولوی شفیع داؤدی سے بھی ملاقات ہوگی۔

محمد اقبال۔ ۲ ستمبر ۱۹۳۲ء لاہور

(۳)

جناب مولوی صاحب السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لئے بہت شکر گذار ہوں۔ مسٹر نعیم الحق صاحب کے خط سے جو انھوں نے شیخ عبدالحمید کو لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں کشمیر اور سری نگر دو مختلف جگہیں ہیں۔ ان کی خدمت میں عرض کریں کہ کشمیر ملک کا نام ہے اور سری نگر دارالسلطنت ہے۔ مقدمات جو بھی ہوں سری نگر میں ہوں گے اور جہاں تک میں خیال کرتا ہوں ان کو زیادہ مدت تک وہاں ٹھہرنا نہ پڑے گا۔ شیخ عبدالحمید صاحب کا خط مجھے آج آیا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ سید نعیم الحق صاحب کا سفر خرچ کشمیر کمیٹی کی طرف سے

ادا ہونا چاہئے لیکن مجھے یقین ہے کہ سید صاحب موصوف اس حقیر رقم کو جو سفر خرچ کی صورت میں ان کی خدمت میں پیش کی جائے قبول نہ کریں گے اور یہ کام للہ مسلمانوں کے لئے کریں گے۔ کشمیر کمیٹی کے پاس زیادہ فنڈ نہیں ہے ورنہ میں خود سید صاحب کی خدمت میں پیش کرتا۔ اس واسطے مہربانی کر کے ان کی خدمت میں عرض کریں کہ آپ بلا کسی قسم کے معاوضہ اور سفر خرچ کے یہ خدمت کریں تو اللہ کے نزدیک اجر جزیل کے مستحق ہوں گے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی اور صورت میں اس کا اجر مل جائے گا۔

سید صاحب موصوف سے یہ بات طے کر کے مجھے بذریعہ تار مطلع فرمائیں تاکہ ان کی خدمت میں کاغذات ضروری بھجواؤں اور یہ بھی اطلاع دوں کہ کس تاریخ پر ان کو سری نگر پہنچنا چاہئے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ سید صاحب موصوف کی خدمت میں میری طرف سے بہت بہت شکریہ ادا کریں۔ (مخلص محمد اقبال)

[illegible]

(صفحہ ۳۴۴ کا) کی ذنا، گرادی، اب یہاں ای ضرورت کی آڑ لے کر نامت کے شروع میں (ت) جوڑ دینے کی تجویز کی ہے۔ فیا للعجب۔

(ب) والقلب ذات وجدٍ) میرے خیال میں درست یوں ہے (والقلب ذاب وجداً) یعنی دل غم کی بھٹی میں پگھلنے لگا۔

(ج) دابۃ الغزل: نامی پریس کے ایڈیشن میں بھی اسی طرح ہے اسکی صحیح شکل یہ ہے (من دبۃ الغزال) مجدالدین فیروز آبادی لکھتے ہیں (... وھو خفر الدبۃ کالجلسۃ)

() صفحہ ۴۲۶: - الملک من تباھی من جد لا د جد لا)

م: - معتبر نسخوں میں (تد تباھی، یا (قد یباھی) ہے۔ تصحیح کی یہی دو شکلیں ہیں (دیکھئے دیوان حافظ: ص ۳۲۴ - مطبوعہ فرزدینی مع حاشیہ)

(بقیہ صفحہ ۳۴۶ کا)

باہر کہ نشستی و نشد شاد دلت   وز تو نرمید زحمت آب و گلت
باد منشین جاں عزیزم زنہار   زیراکہ کند جاں عزیزاں بحلت
گیرم کہ نماز ہائی بسیار کنی   وز روزہ دہر بیشمار کنی
تا دل نکنی زغصہ وکینہ تہی
صدمن گل بر سریک خار کنی

مآخذ و مصادر

۱- فیہ ما فیہ	اردو ترجمہ	مولانا روم
۲- سیر الاولیا	فارسی	امیر خورد
۳- حسنات العارفین	″	دار اشکوہ
۴- روضہ اقطاب	″	محمد بولاق
۵- زندگانی مولانا جلال الدین	″	بدیع الزماں فروزانفر
۶- کلاسیکل پرشین لیٹریچر	انگریزی	اے - جی - آربری
۷- حضرت نظام الدین اولیا	اردو	پروفیسر حبیب
۸- دعوت عزیمت	″	ابوالحسن علی میاں ندوی
۹- تاریخ مشایخ چشت	″	خلیق احمد نظامی
۱۰- یغما شمارہ ۱۲-۱-۲)	فارسی	تہران ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۴

ادبیات

اشفاق علی خاں مرحوم ایڈوکیٹ کا کلام اور مضامین "برہان" میں شائع ہوتے
ہیں، مرحوم نے ۳؍اگست ۱۹۷۶ء کو حسب ذیل نوٹ کے ساتھ یہ قطعات
رباعیاں اشاعت کے لئے بھیجی تھیں۔ ادبیات کا سلسلہ اب "برہان" میں
نام ہی رہ گیا ہے، اس لئے یہ قطعات اور رباعیاں بھی یوں ہی رکھی رہیں یہاں
نومبر ۱۹۷۷ء کو ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے ان کے مکان پر حملہ کر کے انتہائی
اور بے کسی کی حالت میں رات میں ان کو شہید کر دیا۔ آج یہ کلام سامنے آیا
وم کی یاد تازہ ہو گئی۔

وحدتِ وجود کا مسئلہ ہمیشہ سے ایک نازک اور الجھا ہوا مسئلہ رہا ہے۔ علمائے
و چھوڑ کر خود صوفیائے کرام کے یہاں بھی دو گروہ ہیں۔ ایک وحدۃ الوجود کا قائل
سرا وحدۃ الشہود کا شاعر نے فلسفہ وحدت وجود کے سب سے بڑے شارح شیخ محی الدین
بی رح کے مسلک پر جو بے باکانہ حملے کئے ہیں اور خود اصل مسئلے پر جو انداز بیان اختیار کیا
سنجیدگی اور احتیاط کے خلاف ہے، مرحوم دنیا میں ہوتے تو شکریے کے ساتھ ان کا
واپس کر دیا جاتا۔ لیکن اب ان کے بہیمانہ اور بے رحمانہ قتل کی یاد میں ان کو شائع
رہا ہے۔ (برہان)

محترمی۔ یہ قطعات و رباعیات برائے اشاعت بھیج رہا ہوں۔ معلوم نہیں اب برہان
شائع کرنے کا دستور ہے یا نہیں۔ بہت مدت سے میں نے اس میں نظم نہیں دیکھی۔ اگر انھیں
نے کا ارادہ نہ ہو تو مجھے فوراً واپس کر دیجئے یا کم سے کم اطلاع کر دیجئے۔ اگر شائع

کرنے کا ارادہ ہو تب بھی مجھے لکھ دیجئے۔

اشفاق علی خاں ایڈوکیٹ
شاہجہانپور ۳ اگست ۷۶ء

قطعات

اللہ ایک ہے تو یہ تعلیم دو کی ہے — یعنی خدا و غیرِ خدا دو وجود ہیں
صوفی کا قول ہے کہ یہ توحید ہے کہاں — جب ایک دوسرے سے جدا دو وجود ہیں

بندوں کو خدا نے دیے کے توحید کا درس — بندوں کی خدائی کا جب افسوں توڑا
تعلیم ہمہ اوست سے شیطان نے بھی — بندوں کو پھر خدا بنا کر چھوڑا

قرآن کے نزول سے دلِ انسان میں — راسخ ہوا توحیدِ الٰہی کا خلوص
آلودۂ وہم ہو گئی پھر توحید — جب ذہنی ہوئی اہلِ تصوف پہ "فصوص"[1]

توحید کیوں کتابِ الٰہی کی پھر رہی — جب وحدۃ الوجود کی سرحدیں جا پڑی
اے صاحبِ فصوص کے پیرو خطا معاف — قرآن ہے بڑا کہ فصوص الحکم بڑی ؟

توحید سے تھا بندہ و خالق میں امتیاز — مجبورِ بندگی تھی جہاں کی ہر ایک شے
ایک معجزہ ہے فلسفۂ وحدۃ الوجود — اب ساری کائنات خدا کی شریک ہے

ہے پیشِ نظر میرے بہت سادہ حقیقت — پیچیدگی وہم میں گم ہیں ترے افکار
توحیدِ رسولِ عربی ہے مرا مسلک — تو وحدۃ ابن عربی کا ہے پرستار

---

[1] شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی مشہور و معروف کتاب فصوص الحکم۔

(…سلسلہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے برہان ماہ اپریل ۱۹۷۶ء)

دیوانِ حافظ مترجم

اردو ترجمہ پر ایک نظر

از مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی ایم۔ اے پروفیسر حدیث و تفسیر مدرسہ عالیہ
کلکتہ

(۲)

صفحہ ۱۵۶: من این آئینہ را روزے بدست آرم سکندر وار
اگر میگیرد این آتش زمانے ور نمیگیرد

ت: میں اس آئینہ کو سکندر کی طرح کسی دن حاصل کروں گا۔ اگر یہ آگ قبول کر لیتا ہے، وہ ایک زمانہ تک، اس میں اثر نہیں کرتی ہے۔

م: یہ ترجمہ غالباً کاتب کی غفلت کا شکار ہو گیا۔ ویسے متن میں تحریف ہے، صحیح شکل (ور نمی گیرد) ہے۔ لہٰذا دوسرے مصرعہ کا ترجمہ یوں ہونا چاہیئے (خواہ، یہ آگ قبول کر لیتا ہے، کسی وقت، یا قبول نہیں کرتا)

صفحہ ۲۰۶: نفس برآمد و کام از تو بر نمی آید

ت: سانس نکل گیا اور تجھ سے مقصد پورا نہیں ہوتا ہے۔

م: (دم نکل گیا) کہنا چاہیئے۔

صفحہ ۲۱۶: راہ ما غمزۂ آں ترک کماں ابرو زد
رخت ما ہندوے آں سرو سہی بالا برد

ت: اس کمان جیسے ابرو والے معشوق کی ادا نے ہم پر ڈاکہ ڈالا، اس سرو سہی جیسے قد والے کا ہندو ہمارا سامان لوٹ لے گیا۔

م: (ہندو) بمعنی خال فارسی ادب کا خاص لفظ ہے، اس کا استعمال ا
نہیں ہوتا۔ اس کی جگہ ترجمہ میں (تل) ہونا چاہیئے۔

(۴۰) صہ ۲۱۶: دوش دست طلبم سلسلۂ شوق تو بست
پائے خیل خردم لشکر غم از جا برد

ت: کل میری طلب کے ہاتھ نے تیرے شوق کا سلسلہ باندھا۔ غم کے لش
میری عقل کے لشکر کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔

م: کل میری طلب کے ہاتھ کو تیرے شوق کی زنجیر نے باندھا، الخ یعنی ا
طرف ہاتھ بندھ گئے اور دوسری طرف پاؤں اکھڑ گئے یہ حسرت
کی تصویر کشی ہے۔

(۴۱) صہ ۲۱۶: یاد باد آنکہ چو چشمت بعتابم می کشت
معجز عیسویت در لب شکر خا بود

ت: یاد رہے کہ جب تیری آنکھیں غصہ سے مجھے مارتی تھیں الخ
م: (مجھے مارتی تھیں) کی جگہ (مجھے مارے ڈالتی تھیں) کہنا چاہیئے۔ در
(می زد) کا معلوم ہوتا ہے۔

(۴۲) صہ ۲۱۷: زلفین سیہ خم بخم اندر زدہ باز
تا: تونے پھر اپنی دونوں سیاہ زلفوں کو پیچ در پیچ کیا ہے
م: (زلفین) کے ترجمہ میں (دونوں) کا لفظ اگر اس صیغہ کی رعایت ہے تو ا
کرنا مشکل ہے۔ اس لئے کہ اس لفظ کا تثنیہ سے تعلق نہیں۔ اصل اس کی (زر
حلقۂ زنجیر کے معنی میں۔ حافظ زلفین کا استعمال بار بار کرتے ہیں اس کا
لفظوں سے ہوتا ہے۔

(۴۳) صہ ۲۱۷: شہبا زغمت راست کبوتر دل حافظ
ہشدار کہ برصید کبوتر زدہ باز

ت: تیرے غم کے باز کے لئے حافظ کا دل کبوتر ہے۔ ہوشیار رہ کہ تو نے باز، پھر کبوتر کے شکار پر چھوڑا ہے۔

م: ترجمہ میں (پھر) کا لفظ بھرتی کا ہے۔

صفحہ ۲۶۰: بلبل از فیض گل آموخت سخن ورنہ نبود

این ہمہ قول و غزل تعبیہ در منقارش

ت: بلبل پھول کے فیض سے بات کرنا سیکھی ورنہ یہ سب قول اور غزل اس کی چونچ میں چھپے ہوئے نہ تھے۔

م: لفظ (تعبیہ) کے اصل معنی ترتیب دینے کے ہیں۔ اگر دتیار رکھے نہ تھے) کہا جاتا تو لفظ کے اصل معنی سے قریب ہوتا اور بادی النظر میں یہ شبہ نہ ہوتا کہ (تعبیہ) چھپا ہونے کے معنوں میں ہے۔

صفحہ ۲۷۲: کر در کمینگہ عمر اند قاطعان طریق

ت: کیوں کہ راستہ کے ڈاکو عمر کی گھات میں ہیں۔

م: (قاطعان طریق) کے معنی ہیں۔ ڈاکو۔ لہذا (راستہ کے ڈاکو) کہنا غلط ہے۔

صفحہ ۲۸۷: المیات للاحباب ان یترحموا

م: غالباً درست یوں ہے (الم یان) آیت شریفہ ہے: الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ۔ الآیۃ (سورۃ الحدید) احمد الفیومی کا بیان ہے، انی لک ان تفعل کذا، والمعنی ھذا وقتہ، فبادر الیہ (المصباح: ج ۱ صفحہ ۲۶)

صفحہ ۲۸۷: ایا من فاق کل السلاطین سطوۃ

م: مصرع بے وزن ہو رہا ہے۔ شاید یوں درست ہے۔

ایا فائقا کل السلاطین سطوۃ

(۴۸) صف ۲۸۷ : شہور بہا الاقتناء تقتضی الغنا

م : مصرعہ بے وزن ہے ۔ درست (قد تقتضی الغنا) ہے ۔

(۴۹) صف ۳۲۱ : اعلم اللّٰہ کہ خیالی زتنم بیش نماند

م : متن میں تحریف ہے (علم اللّٰہ) ہونا چاہئے ۔ یا پھر (یعلم اللّٰہ

وزن بہر دو شکل درست رہتا ہے ۔

(۵۰) صف ۳۲۲ : زلفین سیاہ تو بدل داری عشاق

دادند قرارے و ببردند قرارم

ت : تیری دو کالی زلفوں نے عشاق کی دلداری کا اقرار کیا اور میرے قرار کو لے

م : ترجمہ میں (دو) کا لفظ قابل اعتراض ہے جس کی تفصیل اوپر کہیں گذر چکی

(۵۱) صف ۳۵۳ : بر جبین چو میشد آن سر زلفین مشکبار

ت : جب وہ دونوں مشکین زلفیں پر شکن بنتی تھیں ۔

م : (دونوں) کا لفظ درست نہیں جیسا کہ عرض کیا گیا ۔ (نمبر ۵۰)

(۵۲) صف ۳۶۱ : کالشمس فی صخاها تطلع من الغمامہ

م : (تطلع من غمامہ) بدون الف لام وزن کا اقتضا ہے ۔

(۵۳) صف ۳۸۸ : بصورت بلبل و قمری اگر ننوشی مے

علاج کے کنمت آخر الدواء الکی

ت : بلبل اور قمری کی صدا پر اگر تو شراب نہ پیئے گا، میں تیرا علاج د

سے کروں گا۔ آخری علاج داغ دینا ہے ۔

م : ہمارے ناقص خیال میں یوں بھی ترجمہ کی گنجائش ہے (.... میں

اعلاج کیسے کروں ..) یعنی بلبل و قمری کی صدا بھی اگر تجھ کو مے نوشی پر آ

نہیں کر سکی تو تیرا مرض لا علاج ہے ۔ جیسے داغ دینا آخری علاج ہے

میں اگر کامیابی نہ ہوئی تو مریض سے مایوس ہو جانا پڑتا ہے۔ اس طرح دوسرے مصرعہ میں صنعت تجنیس کی رعایت ہو جاتی ہے۔

۵۴) صہ ۳۸۹: نفسم بآخر آمد نظرم ندید سیرت
بجز این نمانہ مارا ہوسے وآرزوے

ت: میرا سانس ختم ہونے پر آگیا، میری نگاہ نے تیری رفتار نہ دیکھی۔ الخ

م: میرا دم نکلا چاہتا ہے۔ میری نگاہ تجھ کو جی بھر کر نہ دیکھ سکی، یعنی سیر نہ ہو سکی مشہور مصرعہ ہے: روے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد۔

۵۵) صہ ۳۸۹: در وہم می نگنجد کاندر تصور عقل
آید بہیچ معنی زیں خوب تر مثالے

ت: یہ بات وہم میں نہیں آتی ہے کہ عقل کے تصور میں کسی اعتبار سے بھی اس سے بہتر تصویر آسکے گی۔

م: کہنا چاہیے (اس سے بہتر مثال آسکے گی) یعنی تیرے کمال حسن کی سب سے اچھی مثال میرے عشق کا کمال ہے۔ شاعر کا مقصد مثال پیش کرنا ہے، لہٰذا یہاں پر (تصویر) کا لفظ چسپاں نہیں ہو سکتا۔ اس شعر کا تعلق مطلع سے ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

بگرفت کار حسنت چوں عشق من کمالے خوش باش زانکہ نبود ایں ہر دو را زوالے

۵) صہ ۴۱۲: امن انکرتنی عن حب سلمی

ت: اے وہ شخص کہ تو نے مجھے سلمی کی محبت سے روکا

م: (انکار) کا ترجمہ روکنا بہتر نہیں، یوں کہنا چاہیے (اے وہ شخص جس نے سلمی سے میری محبت کا انکار کیا۔

۵) صہ ۴۱۶: بہ یمن ہمت حافظ امید ہست کہ باز اری اسامر لیلای لیلۃ القمر

ت: حافظ کی باطنی توجہ کی برکت سے امید ہے کہ پھر، میں اپنی لیلی سے چاندنی رات میں قصہ گوئی کرتے ہوئے دیکھونگا۔

م: صحیح یوں ہے۔ (دکھائی دوں گا)

(۵۸) صفہ ۴۲۳: شعبدہ بازیے کُنی ہر دم و نیست ایں روا

قال رسول ربنا ما انا قط بمن ادی

ت: تو ہر وقت شعبدہ بازی کرتا ہے اور یہ جائز نہیں ہے، ہمارے رب رسول نے فرمایا ہے میں وہ آدمی نہیں ہوں جس کو فریب دیا جاسکے۔

م: دوسرا مصرعہ محرف ہے۔ غالباً خواجہ نے یوں فرمایا ہو:

قال رسول ربنا ما انا قط من دد

ایک حدیث کا اقتباس ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ لست من الدد ولا الدد منی۔ لہو ولعب کو (دد) کہتے ہیں یعنی لغو و بیہودہ کھیل سے میرا تعلق نہیں۔ نہ کوئی لغو کھیل مجھ سے واسطہ رکھتا ہے۔ (بمن ادی) نمایاں طور پر محرف ہے۔ اس کا ترجمہ (جس کو فریب دیا جائے) سراسر قیاسی ہے اور محتاج ثبوت۔ میرے خیال میں عربی زبان کے مستند اہل لغت کا قول اس کی تائید میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

(۵۹) صفہ ۴۲۴: شود غزالۂ خورشید صید لاغر من

گر آہوئے چو تو یکدم شکار من باشی

ت: سورج کا ہرن میرا لاغر شکار بن جائے الخ

م: حافظ نے غزالۂ خورشید جو کہا ہے یہ عربی زبان کا اثر ہے۔ عربی میں بلند وقت سورج (غزالہ) کہلاتا ہے۔ حافظ نے اسی مناسبت سے خوبصورت تلمیح کی ہے۔ یہ بات حاشیہ پر قابل ذکر تھی۔

(۶۰) صفحہ ۴۲۶: سہ بوسہ کُنہ دو لبت کردہ وظیفۂ من + اگر ادا نہ کنی وام دار من باشی

م: تین بوسوں کی طلب یعنی ہونٹوں کی فطری ثنویت کے ساتھ تثلیث، فرطِ اشتیاق کا تقاضا ہے۔ اگر اس کا ڈانڈا تصوف سے ملا دیں تو صحیح روایت (ان اللہ وتر یحب الوتر) سے مناسبت ظاہر ہے۔ یہ نوٹ کرنے کی بات تھی۔

(۶۱) صفحہ ۴۲۷: یا مبسما بحالی درجا من اللآلی

ت: اے میرے حال پر موتیوں کی ڈبیہ سے مسکرانے والی۔

م: مصرع میں تحریف ہے۔ اور ترجمہ محض قیاس سے کیا گیا ہے۔ صحیح شکل جیسا کہ معتمد اور قدیم تر نسخوں میں ہے یوں ہے:۔ یا مبسما یحاکی (مطبوعہ قزوینی: ص ۳۲۴، نیز چاپ نائینی و نذیر احمد: ص ۵۱۷ شمارہ ۴۲۵) یعنی اے ہونٹ جو مشابہ ہے۔ موتیوں کی ڈبیہ سے (اے میرے حال پر) تحریف شدہ لفظ کا ترجمہ ہے، اس کی صحیح شکل (یحاکی) ہے نہ کہ (بحالی)۔ مبسم مسکرانے والے کے معنی میں بولا نہیں جاتا۔ البتہ ہونٹوں کے لئے مبسم بفتح المیم لیتے ہیں۔ بہر حال یہ تحریف کافی پرانی ہے اور اس کی عجیب و غریب تاویلیں کی جا چکی ہیں مثلاً مطبع نامی کے ایڈیشن پہ جو حاشیہ بر موقع درج ہے وہ اس افادہ پر مشتمل ہے: صاحب بدر الشروح در شرح ایں بیت چنیں نوشتہ کہ البسام را اہل لغت داخل کتب نہ کردہ اند، جوابش بر دو نوع است کہ مبسم در اصل متبسم بود حضرت خواجہ علیہ الرحمہ بضرورت شعر تا را حذف کردہ۔ و نیز از بعضی فضلاء بسمع رسیدہ کہ البسام و ابتسام بیک معنی است (ص ۳۲۵، رقم ہم نامی لکھنؤ ۱۹۰۴ء طبع چہارم) انگریزی ترجمہ میں Clarke نے اول شق کو اختیار کرتے ہوئے یوں گلفشانی کی ہے۔

"..TA BEing cut off FOR verse sake(P 926Hola

(۲۲) صفحہ ۴۲۷: یا راکبا تبرأ عن موثقی وھادی

م: بر موقع مترجم کا نوٹ ملتا ہے ۔ اصل میں تبرا ہے جس کے صحیح معنی نہیں بنتے ہیں، اس نے (تخبو) کا نسخہ قائم کر کے ترجمہ کر دیا ہے، راقم خیال میں (تبرا) بالکل صحیح ہے۔ تحریف کی جگہ (وھادی) ہے۔ اور ہمارا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ اس کی صحیح شکل (یعادی) یا (تھادی) ہے۔

(۲۳) صفحہ ۴۲۷: فی العشق موجبات یا نفین بالتوالی

م: ترجمہ (موجبات) کا لوازمات سے کیا ہے جو نامی پریس کے ایڈیشن میں بھی موجود ہے۔ بہر حال یہ محرف ہے۔ اور صحیح شکل قدیم نسخوں کی رو سے نیز معنوی اعتبار سے (معجبات) ہے۔

(۲۴) صفحہ ۴۲۷: اوذیت بالرزایا ما الھوی و بالی

م: (وبالی) بحرف الباء غلط ہے جو نامی پریس کے نسخہ میں اسی طرح ہے۔ صحیح (د... بحرف المیم ہے۔

(۲۵) صفحہ ۴۲۷: العین ما تنامت شوقا باھل نجد

والقلب ذات وجد فی دابۃ الغزال

م: اس شعر میں تین غلطیاں رہ گئی ہیں۔

(الف) تنامت: عربی تصریف کی رو سے کسی طرح درست نہیں کہا جا سکتا۔ تناوم اور استنام بولتے ہیں یہاں پر (ما استنامت) ہونا چاہیے، جو ... ہو کر (ماتنامت) بن گیا ہے۔ Clarke نے اس پر نوٹ لکھنے کی زحمت اٹھائی ہے جو اس کے اعجوبہ اجتہاد کا ایک اور نمونہ ہے۔ لکھتا ہے۔

تنا... signifies: نامت The ta is prefixed for verse sake

('8', P.927) - اوپر گذر چکا ہے کہ اس نے ضرورت شعری کے تحت (اعتی...

(بقیہ صفحہ ۳۷۲ پر ملاحظہ...

۱۹۵۴ء حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ العلم والعلماء۔ اسلام کا نظام عفت وعصمت۔
تاریخ صقلیہ، تاریخ ملت جلد نہم

۱۹۵۵ء اسلام کا زرعی نظام، تاریخ ادبیات ایران، تاریخ علم فقہ، تاریخ ملت حصہ دہم، سلاطین ہند اول
تذکرہ علامہ محمد بن طاہر محدث پٹنی

۱۹۵۶ء ترجمان السنہ جلد ثالث۔ اسلام کا نظام حکومت (طبع جدید دلپذیر ترتیب) جدید بین الاقوامی
سیاسی معلومات جلد دوم، خلفائے راشدین اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات

۱۹۵۷ء لغات القرآن جلد پنجم، صدیق اکبرؓ، تاریخ ملت حصہ یازدہم، سلاطین ہند دوم، انقلاب روس، روس انقلاب کے بعد

۱۹۵۸ء لغات القرآن جلد ششم، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، تاریخ گجرات، جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد سوم

۱۹۵۹ء حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط، ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، مصائب اور کوہ...

۱۹۶۰ء تفسیر مظہری اردو پارہ ۲۹-۳۰۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط
امام غزالی کا فلسفۂ مذہب واخلاق۔ عروج وزوال کا الٰہی نظام۔

۱۹۶۱ء تفسیر مظہری اردو جلد اول، مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط، اسلامی کتب خانے، عرب دنیا،
تاریخ ہند پر نئی روشنی

۱۹۶۲ء تفسیر مظہری اردو جلد دوم۔ اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں، معارف الآثار۔
نیل سے فرات تک۔

۱۹۶۳ء تفسیر مظہری اردو جلد سوم۔ تاریخ روہیلکھنڈ و سرکشی ضلع بجنور۔ علماء ہند کا شاندار ماضی اول

۱۹۶۴ء تفسیر مظہری اردو جلد چہارم، حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط، عرب وہند عہد رسالت میں
ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں۔

۱۹۶۵ء ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت جلد اول۔ تاریخی مقالات
لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر، ایشیا میں آخری نوآبادیات

۱۹۶۶ء تفسیر مظہری اردو جلد پنجم، سوز عشق۔ خواجہ بندہ نواز کا تصوف وسلوک۔
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں۔

۱۹۶۷ء ترجمان السنہ جلد چہارم، تفسیر مظہری اردو جلد ششم، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ

۱۹۶۸ء تفسیر مظہری اردو جلد ہفتم، تین تذکرے۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات
اسلامی ہند کی عظمت رفتہ۔

۱۹۶۹ء تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم، تاریخ الفخری، حیات ذاکر حسین۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر

۱۹۷۰ء حیات عبدالحی، تفسیر مظہری اردو جلد نہم، مآثر ومعارف، احکام شرعیہ میں حالات زمانہ کی رعایت

۱۹۷۱ء تفسیر مظہری اردو جلد دہم، بیماری اور اس کا روحانی علاج۔ خلافت راشدہ اور ہندوستان

۱۹۷۲ء فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر۔ انتخاب الترغیب والترہیب۔ اخبار التنزیل
عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان

Regd. No. D. (D) 231 Phone 26 28 15 JUNE 1978

Subs. Rs 15-00 Per Copy Rs. 1-50

حکیم مولوی محمد ظفر احمد خاں پرنٹر پبلشر نے یونین پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶ سے شائع کیا۔